اقبال

اور

انجمن حمایت اسلام

علامہ اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت کے موقع پر
انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی طرف سے

نذرانۂ عقیدت

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال ۱۹۲۲ء میں

اقبال

اور

انجمن حمایت اسلام

محمد حنیف شاہد ایم اے

کتب خانہ انجمن حمایتِ اسلام۔ ریلوے روڈ۔ لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں۔

نام کتاب	اقبالؒ اور انجمن حمایت اسلام
مؤلف	محمد حنیف شاہد، ایم۔ اے
کتابت	محمد ریاض تلمیذ حاجی محمد اعظم
بار اوّل	ایک ہزار
ضخامت	۱۹۶ صفحات
مطبع	حمایت اسلام پریس
طابع	الحاج شیخ محمد اسحاق
زیر اہتمام	محمد یعقوب
تاریخ طباعت	جولائی ۱۹۷۶ء
ناشر	کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور
قیمت	[illegible] روپے
تزئین و جلد سازی	پنجاب بائینڈنگ سنٹر اندرون موچی گیٹ لاہور باہتمام نسیم کاشمیری

مندرجات

تعارف از عزت مآب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال ۷

پیش لفظ از محترم جناب میاں امیر الدین ۹

تاثرات از محترم پروفیسر سید وقار عظیم ۱۳

عرض مصنف ۱۵

انجمن حمایت اسلام، پس منظر اور خدمات ۲۱

اقبال اور انجمن، رکنیت سے صدارت تک ۴۹

شاعرِ انجمن ۶۹

ترجمانِ انجمن ۹۳

ضمیمہ جات

۱۔ اختلافِ اشعار ۱۴۷

۲۔ یومِ اقبالؒ ۱۶۸

۳۔ وفاتِ اقبالؒ ۱۷۱

۴۔ اقبالؒ اور انجمن کے مختلف عہدے ۱۷۴

۵۔ جنرل کونسل کے وہ اجلاس جن میں اقبالؒ نے شرکت فرمائی ۱۸۴

۶۔ اقبالؒ کے ہم عصر ۱۸۶

۷۔ کتابیات ۱۹۱

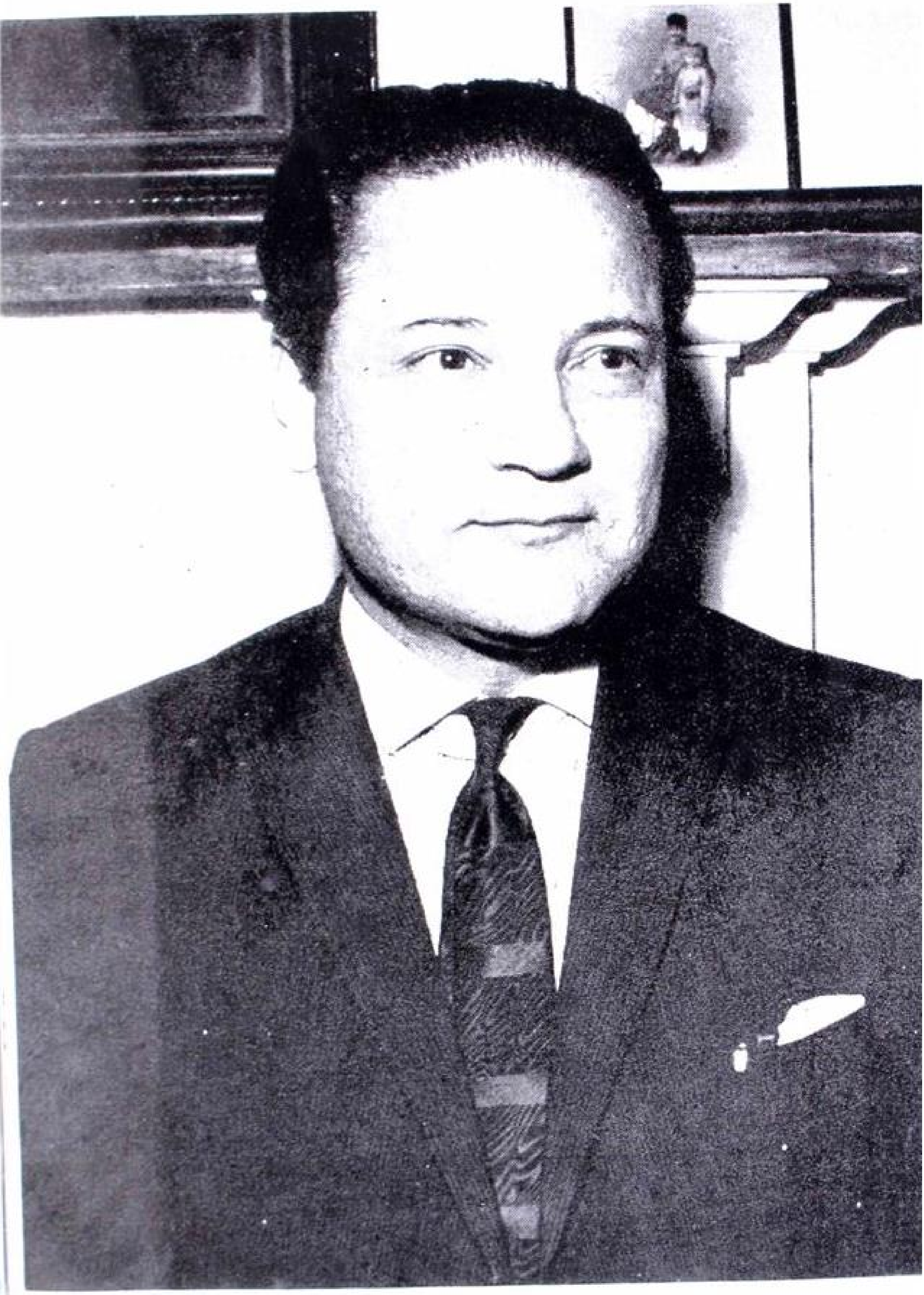

ڈاکٹر جاوید اقبال

تعارف

"اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام" انجمن حمایت اسلام کے ساتھ علامہ اقبال کی تاحیات وابستگی کی تفصیل ہے۔ علامہ اقبال کی ملی نظموں کی ابتدا ۱۹۰۰ء میں انجمن کے اجلاس سے ہوئی جس موقع پر نظم "نالۂ یتیم" پڑھی گئی۔ اس کے بعد ایسی نظموں کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ علامہ اقبال قریب قریب ہر سال انجمن کے سالانہ اجلاس میں اپنی کوئی نہ کوئی نظم پڑھتے تھے۔ اکثر نظمیں ترنم کے ساتھ پڑھی گئیں اور جن خوش قسمت اصحاب نے انہیں ترنم کے ساتھ اپنی نظمیں پڑھتے سنا، وہ ایسے موقعوں کو آج تک فراموش نہیں کر سکے۔ علامہ اقبال انجمن کی انتظامیہ کے مختلف عہدوں پر بھی فائز رہے اور یہ وابستگی آخری عمر تک قائم رہی۔ انجمن کے ساتھ وابستگی سے پیشتر علامہ اقبال فقط مشاعروں کے شاعر تھے۔ لیکن اس وابستگی کے بعد مشاعرے چھوٹ گئے۔ اور وہ شاعری کے جن ادوار سے گزرے، انہیں بجا طور پر اقبال کی ملی شاعری کہا گیا ہے۔ دراصل یہی وہ دَور ہے جب علامہ اقبال نے مسلمانانِ عالم کو اپنا حیات افزا پیغام دیا جو بالآخر مسلمانانِ برصغیر کی سیاسی اور معاشرتی احیاء کا باعث بنا، اُن کی اجتماعی خودی بیدار ہوئی، وہ سیاسی طور پر ایک قوم یا ملت بن کر ابھرے اور انہوں نے اپنے لیے ایک آزاد وطن یعنی پاکستان بھی حاصل کر لیا۔

اس کتاب میں جہاں علامہ اقبال کے انجمن کے ساتھ تعلق کا ذکر ہے، وہاں انجمن کی تاریخ بھی قلم بند کی گئی ہے جو بجائے خود نہایت دلچسپ ہے۔ بالخصوص وہ دَور جب تحریکِ خلافت اپنے عروج پر تھی اور ترکِ موالات کا زمانہ تھا۔ انجمن اپنی تاریخ کے اس دَور میں ملکی سیاست کے زیرِ اثر تو آئی، مگر نہایت نازک حالات میں بھی وہ کسی مخصوص سیاسی نقطۂ نگاہ کی آلۂ کار نہ بنی بلکہ اُس نے ہمیشہ مسلمانوں کے اجتماعی مفاد ہی کو پیشِ نظر رکھا۔ اس سلسلہ میں روزنامہ "زمیندار" کے ۱۰ نومبر ۱۹۲۰ء کے شمارہ سے اخذ کردہ علامہ اقبال کا جو طویل، نادر اور تاریخی خط نقل کیا گیا ہے، وہ آج تک اُن کے مکتوبات کے کسی مجموعہ میں شائع نہیں ہوا۔

جناب محمد حنیف شاہد مؤلف "اقبال اور انجمن حمایت اسلام" مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے نہایت محنت، جانفشانی اور خلوص کے ساتھ انجمن کے ریکارڈ کا مطالعہ کیا اور یہ کام سرانجام دیا۔ یہ کتاب جہاں سیرتِ اقبال کے بعض گوشوں کو نمایاں کرتی ہے۔ وہاں مسلمانوں کی معاشرتی زندگی کے ایک نہایت اہم تاریخی دَور کی نشاندہی بھی کرتی ہے۔

جاوید اقبال
۲ جون ۱۹۷۵ء

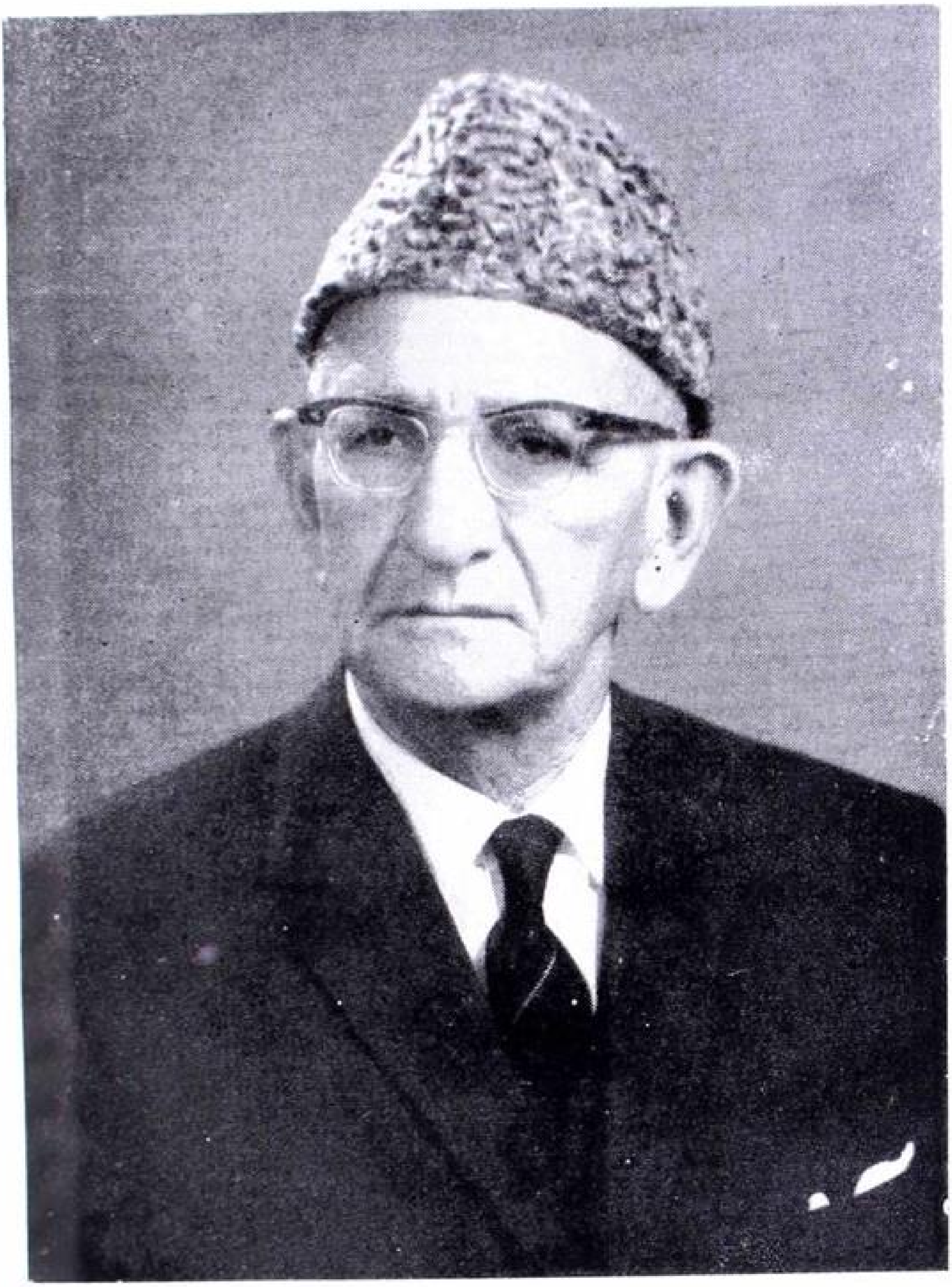

میاں امیر الدین صدر انجمن حمایت اسلام لاہور

پیش لفظ

اُردو زبان کے شاعروں میں جتنی پہلودار شخصیت علامہ اقبالؔ کی تھی اس کی نظیر تلاشِ بسیار کے باوجود نہیں مل سکتی۔ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ ان کی شخصیت کا ہر پہلو منفرد تھا۔ انہوں نے جب شعر کے کوچے میں قدم رکھا تو اپنے لیے بالکل الگ راستہ بنایا۔ ان کی شاعری کا آغاز اس دَور میں ہوا جب امیرؔ و داغؔ کا طوطی بول رہا تھا۔ گل و بُلبل کی شاعری اپنے عروج پر تھی۔ ضلع جگت، محاورہ بندی، رعایتِ لفظی اور ہجر و فراق ہماری شاعری کا سرمایہ تھا۔ مرزا غالبؔ اور مولانا حالیؔ اُردو زبان کے پہلے دو شاعر تھے جنہوں نے عام روش سے ہٹ کر اپنے معاشرے، اپنی تہذیب اور اپنی قومی روایات کو شاعری کا موضوع بنایا اور فلسفۂ اخلاق اور انسانی نفسیات دونوں سے بحث کی۔ مگر عجیب بات یہ ہے کہ اس دَور کے بیشتر بڑے بڑے شاعروں نے بھی غالبؔ اور حالیؔ کا تتبع کرنے اور ان کے افکار سے فائدہ اٹھانے کی بجائے شاعری کی وہی پرانی ڈگر اختیار کی جس پر ہمارے شاعر کم و بیش دو سو سال سے چل رہے تھے۔ یہ شرف علامہ اقبالؔ کے حصے میں آیا کہ انہوں نے امیرؔ و داغؔ کا زمانہ پانے کے باوجود ان سے کوئی اثر قبول نہ کیا اور وہ راستہ اختیار کیا جو غالبؔ اور حالیؔ نے بنایا تھا۔ مگر ان کی فکر کا انداز غالبؔ اور حالیؔ دونوں سے مختلف تھا۔ انہوں نے صرف فلسفۂ اخلاق کا درس دینے یا قوم کی بربادی کا ماتم کرنے ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ قوم کو ایک پیغام بھی دیا۔ یہ پیغام پاک و ہند کے مسلمانوں کے لیے بھی تھا، عالمِ اسلام کے لیے بھی اور عالمِ انسانیت کے لیے بھی۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ ان کے پیغام کی حیثیت آفاقی ہے۔ وہ اُردو زبان کے پہلے فلسفی شاعر تھے مگر ان کے فلسفے کی بنیاد مغربی افکار پر نہیں بلکہ اسلامی افکار پر تھی۔ یہ فلسفہ اخذ کیا گیا تھا قرآن، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات، صحابہ کرامؓ، آئمہ و مفکرین اسلام کے افکار سے اور تاریخِ اسلام کے گہرے مطالعے سے۔

علامہ اقبال نے اپنے ان فلسفیانہ خیالات کے اظہار اور اپنا حیات آفریں پیغام مسلمان عوام تک پہنچانے کی غرض سے جس پلیٹ فارم کو منتخب کیا وہ بھی ایک ایسی انجمن کا پلیٹ فارم تھا جو اسلام کے احیاء اور

مسلمانوں کو سیاسی و معاشرتی پستی سے نکال کر ترقی کی اس معراج پر پہنچانے کے لیے معرضِ وجود میں آئی تھی جو اُن کے لیے اللہ تعالےٰ کی طرف سے مقدر کی جا چکی تھی مگر جس تک پہنچنے کے لیے خود مسلمانوں نے غفلت برتی۔ اس لحاظ سے انجمن حمایت اسلام اور علامہ اقبالؔ دونوں میں یک گونہ مماثلت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے سے اس طرح وابستہ ہوئے کہ آخری لمحے تک وابستہ رہے۔ علامہ اقبال نے اپنی تمام معرکۃ الآراء نظمیں انجمن ہی کے سالانہ جلسوں میں پڑھیں مثلاً نالۂ یتیم ، یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے ، اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے ، فریادِ امت ، تصویرِ درد ، شکوہ ، جواب شکوہ ، شمع اور شاعر ، خضر راہ ، طلوعِ اسلام اور خودی کا سر نہاں ...... انجمن کے سالانہ جلسے اور اقبالؔ کی نظمیں لازم و ملزوم ہو گئے۔ انہوں نے انجمن کے اسٹیج کو صرف اپنے کلام کی نشر گاہ کے طور پر ہی استعمال نہیں کیا بلکہ اس اسلامی تنظیم کی تعمیر و ترقی میں عملی حصہ بھی لیا۔ وہ سالہا سال تک اس کے صدر رہے۔ اس کی کونسل عالیہ کے ماہانہ اجلاسوں میں شریک ہوتے اور اپنے مفید مشوروں سے اس کی راہنمائی کرتے رہے۔ انہوں نے اسلامیہ کالج اور اس کے طلبہ کو اپنی خصوصی توجہ کا مرکز بنایا۔ تحریک پاکستان شروع ہونے سے قبل جب اسلامیہ کالج کے طلبہ نے مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن قائم کرنے کا فیصلہ کیا تو وہ اس کی توثیق اور اس کے اغراض و مقاصد کے تعین کے لیے علامہ اقبالؔ کے پاس گئے اور علامہ موصوف نے انہیں نہایت مفید مشورے دیئے ، ان کی سرپرستی کی ، ان کے نصب العین کا تعین کیا اور آپ نے ہر ممکن تعاون کا یقین دلایا۔

علامہ اقبالؔ کی پہلودار شخصیت پر بہت کچھ لکھا گیا اور ہر پہلو زیرِ بحث آیا مگر اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام کے دیرینہ اور مخلصانہ تعلق پر کسی نے قلم اٹھانے کی طرف توجہ نہ کی۔ یہ سعادت میرے دوست چودھری محمد حنیف صاحب شاہدؔ کے حصے میں آئی جو نہایت اچھے ادیب اور مصنف ہیں اور اس سے قبل " میجر طفیل شہید" اور " کیپٹن سرور شہید" کے نام سے عساکرِ پاکستان کے ان دو عظیم شہیدوں پر تحقیقی کتابیں لکھ چکے ہیں حنیف شاہدؔ صاحب نے علامہ اقبال کی زندگی کا بہت گہری نظر سے مطالعہ کیا ہے اور انجمن حمایتِ اسلام کے مختلف گوشوں پر بھی ان کی وسیع نظر ہے۔ انہوں نے دونوں کے تعلق کی تاریخی داستان نہایت خوش اسلوبی سے مرتب کی ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو مبالغہ نہ ہو گا کہ ان کی اس کتاب کے ذریعے علامہ اقبالؔ اور انجمن حمایتِ اسلام کے تعلق کے بعض ایسے گوشے پہلی بار بے نقاب ہو رہے ہیں جو عوام تو کیا خواص کی نگاہوں سے بھی پوشیدہ تھے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب اقبالیات میں ایک قابلِ قدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہے۔ خوش قسمتی سے مجھے

علامہ اقبالؒ سے بھی عرصہ دراز تک قریب رہنے کا موقع ملا اور انجمن حمایتِ اسلام سے بھی میرا دیرینہ تعلق ہے۔ اس لیے یہ کتاب خاص طور پر میری دلچسپی کا مرکز بنی اور اس کے مطالعے سے میرے ذہن میں گزشتہ یادوں کے چراغ از سرِ نو روشن ہو گئے۔ مجھے امید ہے کہ میری طرح علامہ اقبال اور انجمن حمایتِ اسلام سے دلچسپی رکھنے والے ہر شخص کے لیے یہ کتاب ایک گراں بہا تحفہ ثابت ہو گی اور اس موضوع پر تحقیق کرنے والے اصحاب بھی اس سے استفادہ کریں گے۔

۲۵ فروری ۱۹۷۰ء

(میاں) امیر الدین
صدر انجمن حمایتِ اسلام لاہور

تاثرات

بانگِ درا کے مقدمے میں سر عبدالقادر نے کلامِ اقبال سے اپنی شناسائی کا ذکر بڑے دل نشین انداز میں کیا ہے اور بتایا ہے کہ کس طرح لاہور کی ادبی زندگی میں اقبال کے وُرود کو اس دَور کا ایک اہم واقعہ سمجھا گیا تھا۔ اقبال نے مشاعروں اور بعض جلسوں میں اپنا کلام پڑھا اور یہ کلام مخزن میں چھپا تو اہلِ لاہور کے علاوہ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں شائقینِ ادب نے اس کلام کو ایک نئے دَور کا پیش خیمہ کہا اور جیسا کہ شعرِ اقبال کے طالب علم کے علم میں ہے، اقبال نے اپنی شاعری کے تیسرے دَور میں جو کچھ کہا اس کی بنا پر شاعری کا یہ عہد اقبال کا عہد بن گیا اور جدید اُردو شاعری میں ہمیں زندگی اور انسان کے متعلق جتنے نئے تصورات ملتے ہیں ان میں فکرِ اقبال کی گونج سنائی دیتی ہے۔ اقبالؔ بیسویں صدی میں بلاشبہ اُردو کے سب سے بڑے قومی شاعر ہیں اور ان کی قومی شاعری کی اساس وہ حکیمانہ تصورات ہیں جن کا سرچشمہ قرآن کریم کی تعلیم ہے۔

اقبالؔ نے معاصر سیاست اور تمدن کے آئینے میں مسلمان کی جو تصویر دیکھی اور اس تصویر کا مقابلہ جب اس تصویر سے کیا جو تاریخ کے اوراق میں سے اُبھرتی ہے، تو انہیں اس کا حال اور مستقبل دونوں تاریک نظر آئے اور اس المناک صورتِ حال میں بیداری کا صور پھونکنے کو انہوں نے اپنا دینی اور انسانی فریضہ جانا۔ یہ دینی اور انسانی فریضہ اقبالؔ نے حالیؔ کے نقشِ قدم پر چل کر انجام دیا۔ یہ کام کب اور کہاں شروع ہوا اور کس انداز سے شروع ہوا، اس کی مفصل داستان انجمن حمایتِ اسلام، لاہور کے ان اجلاسوں کی روداددں میں محفوظ ہے جن میں شرکت کا آغاز اقبالؔ نے فروری ۱۹۰۰ء میں کیا۔ یہ انجمن کا پندرھواں سالانہ اجلاس تھا اور اس میں اقبالؔ نے اپنی نظم "نالۂ یتیم" پڑھی تھی۔ اس کے بعد منجملہ دوسری نظموں کے ان کی معروف نظمیں تصویرِ درد، شکوہ، شمع اور شاعر، خضرِ راہ اور طلوعِ اسلام بھی سال بہ سال انہی جلسوں میں پڑھی گئیں اور ان نظموں کی بدولت اقبالؔ رفتہ رفتہ قوم اور ملت کے جذبے، احساس اور آرزو کے واحد ترجمان بن گئے۔ اقبال نے اس ترجمانی کا حق پہلے انجمن حمایتِ اسلام کے منبر پر کھڑے ہو کر ادا کیا، تحریر کے ذریعے ان کے خیالات بعد کو دوسروں تک پہنچے۔

انجمن اور اقبال کے تعلق کی داستان کا ایک رُخ تو اقبال کی یہ ولولہ انگیز اور زندۂ جاوید نظمیں ہیں اور دوسرا رُخ وہ بہت سے خطبات جن میں انہوں نے اسی منبر پر کھڑے ہو کر اپنے حکیمانہ خیالات کی وضاحت کی۔ ان خطبات کی اساس وہ گوناگوں تصورات ہیں جن کی فکری تدوین اقبال نے قرآن حکیم، تصوف اسلام اور مشرق و مغرب کے حکما کے افکار کے مطالعے اور غور و فکر کے بعد کی ہے۔ خطبات میں پیش کیے جانے والے یہ تصورات چونکہ ہمیشہ قومی زندگی کے ماضی اور حال کے پس منظر میں بیان ہوئے اس لیے اقبال کے حکیمانہ اصلاحی پروگرام میں ان کی بڑی اہمیت ہے۔ وہ شعرِ اقبال کی داخلی معنویت تک پہنچنے میں ہماری رہنمائی کرتے ہیں اور یوں انجمن حمایتِ اسلام کے پلیٹ فارم کو جس طرح یہ سعادت حاصل ہے کہ اس نے اقبال کے حیات افروز جذبات اور احساسات کو قوم کے دلوں تک پہنچایا، اسی طرح اقبال کے افکار کو قوم کے ذہن تک پہنچانے کا وسیلہ بننے کا امتیاز بھی حاصل کیا۔

اقبال کی شاعری، ان کے افکار اور ان کے پیغام کے سینہ بہ سینہ پہنچنے اور بالآخر ہر دل میں جگہ کرنے کی داستان کا آغاز انجمن حمایت اسلام کے پلیٹ فارم سے ہوتا ہے اور اس بات کا اعتراف اقبال کے ہر سیرت نگار نے کیا ہے۔ لیکن کسی سیرت نگار یا مورخ نے اس لطیف حکایت کو اس تفصیل سے بیان نہیں کیا جس کا وہ تقاضا کرتی ہے۔ محمد حنیف شاہد صاحب نے اس اہم کام کا بیڑا اٹھایا اور انجمن کے جلسوں کی منتشر اور ضخیم روداودں کا مطالعہ کر کے ان میں سے وہ سب چیزیں نکال لیں جن کا تعلق کسی نہ کسی طرح اقبال کی ذات سے تھا۔ اب وہ ان چیزوں کو ترتیب دے کر اقبال کی زندگی، ان کی شاعری، ان کے فکر اور ان کے پیغام سے دلچسپی رکھنے والوں کے سامنے ایک دستاویز پیش کر رہے ہیں۔ یہ دستاویز جو بڑی کاوش اور سلیقے سے مرتب کی گئی ہے۔ نہ صرف عام قاری کے لیے دلچسپی کی چیز ہوگی بلکہ اس میں کلامِ اقبال کا تنقیدی اور تحقیقی نظر سے مطالعہ کرنے والوں کو بھی بہت سے لطیف اور نازک نکتے ملیں گے۔

"اقبال اور انجمن حمایت اسلام" مرتب کر کے اقبالیات میں جو مفید اضافہ کیا ہے، یقین ہے کہ ادبی اور علمی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ داد ملے گی۔ میں اپنی طرف سے ان کی خدمت میں ہدیۂ تبریک پیش کرتا ہوں۔

لاہور، ۱۳ر جون ۱۹۶۹ء

پروفیسر سید وقار عظیم

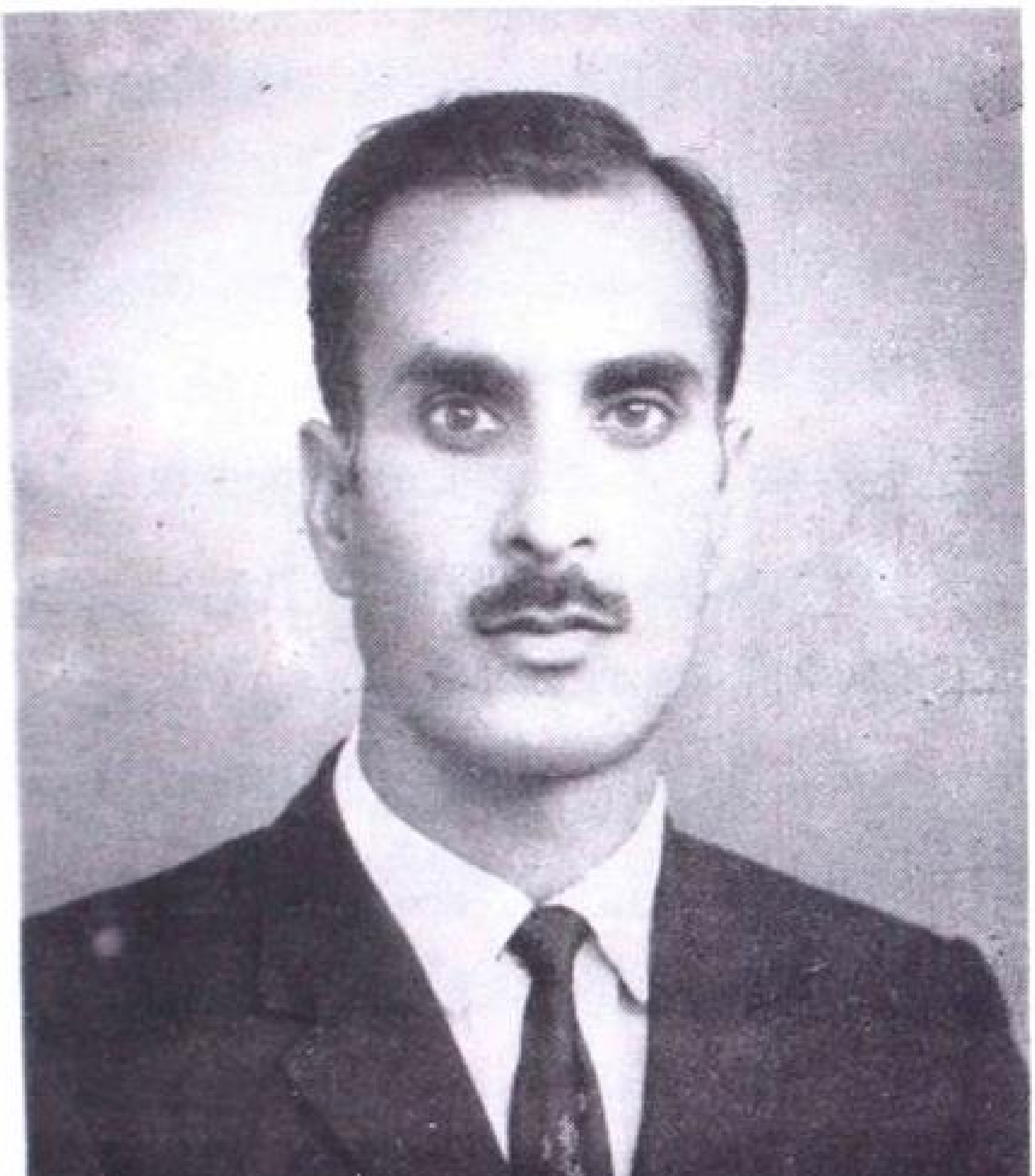

مُصنّف

عرضِ مصنّف

علامہ اقبالؒ کے شیدائیوں نے اقبالیات کے تقریباً ہر پہلو پر خامہ فرسائی کی ہے۔ اس کے باوجود، اُردو ادب کے ایک طالب علم کی حیثیت سے، مجھے ایک پہلو ہمیشہ تشنہ نظر آیا اور وہ ہے علامہ کا تعلق انجمن حمایت اسلام سے۔ اس سلسلے میں کہیں کہیں اشارے اور حوالے تو ملتے ہیں، لیکن کوئی جامع مقالہ ابھی تک تحریر نہیں کیا جا سکا محترم سیّد نذیر نیازی صاحب نے بتایا کہ انہوں نے جناب میاں امیر الدین، صدرِ انجمن، کے ایما پر "اقبال اور انجمن حمایت اسلام" کے موضوع پر قلم اٹھانے کا ارادہ فرمایا تھا، لیکن مواد کی کمی، خصوصاً انجمن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ روددادوں کے عدم حصول کے باعث اسے ترک کرنا پڑا۔ اسی طرح قبلہ مولانا غلام رسول مہر مرحوم نے بھی بتایا کہ اس ضمن میں انہوں نے بھی کام شروع کیا تھا، اور ۱۹۰۰ء تک کی روددادیں بھی انہیں دستیاب ہو گئی تھیں، لیکن کچھ تو مزید مواد کی کمی اور کچھ اپنی علالت کی بنا پر وہ بھی اس خیال کو عملی جامہ نہ پہنا سکے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس کی بے پایاں رحمت، بزرگوں کی رہنمائی اور احباب کی حوصلہ افزائی سے یہ سعادت مجھے نصیب ہوئی۔ میری خوش قسمتی ہے کہ مولانا مہر اور سیّد نذیر نیازی نے میری کتاب کا مسودہ دیکھ کر انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا اور بعض مقامات پر ترمیم و اضافہ کیا اور مجھے اپنے گراں قدر مشوروں سے نوازا۔

برِعظیم پاک و ہند میں علامہ اقبالؒ کو متعارف کرانے میں ماہنامہ مخزن کے علاوہ انجمن حمایت اسلام لاہور کا بھی بڑا حصہ ہے۔ انجمن کے سالانہ جلسے اس زمانے میں تاریخی اہمیت کے حامل تھے اور ان میں لوگ ہزاروں نہیں لاکھوں کی تعداد میں شریک ہوتے تھے۔ علامہؒ کی عالمگیر شہرت کا آغاز ان نظموں سے ہوا جو وہ انجمن کے لیے بطورِ خاص تحریر فرماتے اور ان جلسوں میں بنفسِ نفیس اپنے مخصوص طرز میں سناتے تھے۔

ان میں سے متعدد نظمیں بانگِ درا میں نظر نہیں آتیں اور یہ بات اقبالیات کے طالب علموں کے لیے خاصی تعجب خیز ہے کہ جو کلام ایک زمانے میں خود علامہ کے نزدیک قابل قدر اور محبوب تھا، وہ بانگِ درا کی ترتیب و تدوین کے وقت کیوں قلم زد کر دیا گیا۔ اکثر نقادوں کا خیال ہے کہ یہ نظمیں آگے چل کر خود علامہ کے اعلیٰ معیار پر پوری نہ اتر سکیں

اور مجموعۂ کلام میں شامل نہ کی جاسکیں۔ مجھے اس سے قدرے اختلاف ہے۔

علامہ اقبال کا یہ دستور تھا کہ انجمن کے لیے لکھی جانے والی نظمیں سنانے سے پہلے اکثر چھپوالیا کرتے تھے۔ تاہم بعض ایسی نظمیں بھی تھیں جو انہوں نے غیر مطبوعہ صورت میں یا زبانی ہی سنائیں۔ اس کی نشان دہی اور تائید انجمن کی رودادوں سے ہوتی ہے۔ عین ممکن ہے کہ بانگِ درا مرتب فرماتے وقت یہ نظمیں علامہ کو دستیاب نہ ہو سکی ہوں اور یوں ان کے پہلے مجموعے میں شامل ہونے سے رہ گئیں۔

علامہ کے بارے میں یہ تاثر بھی درست نہیں کہ وہ انجمن کے جلسوں میں صرف نظمیں ہی پڑھا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے انجمن کے مختلف جلسوں میں متعدد عالمانہ، حکیمانہ اور فلسفیانہ لیکچر بھی دیئے۔ علامہ کی یہ نظمیں اور خطبات انجمن کی رودادوں، مخزن اور پنجاب آبزرور کی زینت بنتے تھے۔ امتدادِ زمانہ نے ان نگارشات کو نظروں سے اوجھل اور ذہن سے محو کر دیا۔ زیرِ نظر کتاب میں چند ایسی نظمیں اور خطبات پیش کیے جا رہے ہیں جو اقبال کے کسی مجموعہ نظم و نثر میں نہیں ملتے۔ علاوہ ازیں کچھ خطوط بھی اس کتاب میں شامل کیے گئے ہیں۔ یہ وہ خطوط ہیں جو علامہ نے انجمن کے صدر، جنرل سیکرٹری یا کسی اور حیثیت میں انجمن کے ارکان یا جنرل کونسل کے نام تحریر فرمائے تھے اور آج تک منظرِ عام پر نہیں آئے۔ علامہ کا ایک شعر بھی، جو پہلے کسی مجموعے میں شامل نہ ہوا ہو، پیش کرنا بہت بڑی سعادت سمجھا جاتا تھا۔ میری خوش نصیبی دیکھئے کہ میں اس کتاب میں متعدد اشعار، خطبات اور ان کے اقتباسات اور مکاتیب ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں، جو اس سے پہلے کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوئے اور انجمن کی آج سے نصف صدی پیشتر کی مطبوعہ یا قلمی رودادوں کے انبار میں چھپے پڑے تھے۔

مجھ سے جہاں تک بن پڑا ہے ہر واقعہ، نظم، لیکچر اور خط کے بارے میں تحقیق کی ہے اور باقاعدہ حوالے دیئے ہیں۔ تقریباً تمام اشعار کا مختلف مجموعوں، مثلاً بانگِ درا، سرودِ رفتہ، باقیاتِ اقبال اور کلیاتِ اقبال وغیرہ سے موازنہ کر کے اغلاط کی نشان دہی کی گئی ہے۔ بایں ہمہ کسی صاحب کو کوئی فروگزاشت نظر آئے تو ازرہِ لطف و کرم راقم کو مطلع فرمائیں۔

میں نے یہ کام ایک مشن سمجھ کر سرانجام دیا ہے۔ اس پر کتنا وقت صرف ہوا، کن کن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا اور ان سے کیسے عہدہ برآ ہوا، یہ بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں۔ بقول سید عبدالواحد: "میرے لیے تو حضرت اقبالؒ کے متعلق کوئی بھی تصنیف، تالیف یا ترتیب سرمایۂ افتخار ہے"۔ [۵]

عشق شور انگیز را ہر جادہ در کوے تو برد   بر تلاش خود چہ می نازد کہ رہ سوے تو برد

البتہ بعض بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ عزت مآب جسٹس ڈاکٹر جاوید اقبال نے میری حوصلہ افزائی فرمائی اور کتاب کا تعارف تحریر فرمایا۔ محترم جناب سید نذیر نیازی نے وقتاً فوقتاً اپنے قیمتی مشوروں سے کئی دشواریوں کو دُور کرنے میں میری اعانت فرمائی۔ محترم جناب میاں امیر الدین نے پیش لفظ قلم بند فرما کر علم دوستی اور ادیب نوازی کا ثبوت دیا۔ (کتاب کا پہلا باب میاں صاحب محترم ہی کے ارشاد کی تعمیل میں لکھا گیا) محترم پروفیسر سید وقار عظیم نے ازرہِ شفقت اپنے "تاثرات" سے کتاب کی قدر و قیمت بڑھائی۔ محترم جناب ذوالقرنین خان نے بنظرِ استحسان دیکھا اور مشورہ دیا کہ اقبال اور قادیانیت کے بارے میں ایک جامع مضمون کتاب میں شامل ہونا چاہیئے۔ محترم حکیم آفتاب احمد قرشی کا تعاون ہر ہر قدم پر مجھے حاصل رہا۔ جناب مدیر حمایت اسلام نے ازرہِ تلطف انجمن کی مطبوعہ اور غیر مطبوعہ روداد یں فراہم کیں۔ جناب مقبول جہانگیر، قاضی افضل قرشی، ملک احمد نواز اور جناب محمد اسلم نے اس کتاب کی تکمیل میں محبت، خلوص اور علم دوستی کا ثبوت دیا۔ اور آخر میں پروفیسر سید امجد الطاف نے مسودے کی نوک پلک سنواری اور اسے وہ شکل دی جو آپ کے سامنے ہے۔

میں ان سب حضرات کا سپاس گزار ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے۔

۱۴ر فروری ۱۹۷۶ء

محمد حنیف شاہد

۸۹۶/۲۔ این۔ خالد بن ولید روڈ، سمن آباد، لاہور

انجمن حمایت اسلام

کرسیوں پر دائیں سے بائیں } شیخ محمد لطیف (سینئر نائب صدر) میاں امیر الدین (صدر انجمن) شیخ مقبول احمد (آنریری سیکرٹری تعلیم) خان ذوالقرنین خان (آنریری سیکرٹری سوشل ویلفیئر)

ایستادہ (دائیں سے بائیں) چوہدری محمد یعقوب (آنریری سیکرٹری مالیات) شیخ محمد اسحق ڈار (آنریری سیکرٹری نشر و تالیفات)

انجمن حمایت اسلام

پس منظر اور خدمات

سلطنت مغلیہ کے زوال سے برعظیم پاک وہند کے مسلمانوں کی تاریخ کا انتہائی اندوہناک باب شروع ہوتا ہے۔ ان کی سیاسی فوقیت، معاشی ثروت، اخلاقی عظمت اور ثقافتی شان وشوکت کا خاتمہ ہوگیا۔ ۱۸۵۷ء کی جنگِ آزادی کو ایک بغاوت اور ایک شرارت سے تعبیر کیا گیا اور اس کی ساری ذمہ داری، برادرانِ وطن اور غیر ملکی فاتحین نے، مسلمانوں کے سر ڈال دی۔ انہیں کچلنے کے لیے ایسا طرزِ حکومت اختیار کیا گیا جس کی بنیاد خوف اور ہراس پر تھی۔ ان کے جذبہ حریت کو دبانے کے لیے ایسے حربے اختیار کیے گئے کہ ان کے لیے زندگی کے کسی شعبے میں کوئی باعزت جگہ باقی نہ رہی —— تعلیمی لحاظ سے پسماندہ، سول اور فوجی ملازمتوں سے محروم، صنعت وتجارت سے بے دخل —— قصہ مختصر، معتوب قوم پر ترقی کے تمام دروازے بند کر دیئے گئے اور آہستہ آہستہ وہ اسے اپنا مقدر سمجھ کر اخلاقی لحاظ سے بھی رُو بہ انحطاط ہونے لگی۔

دوسری طرف ہندوؤں کو ہر طرح کی مراعات کا مستحق سمجھا گیا۔ تعلیمی اداروں اور سرکاری ملازمتوں کے دروازے ان پر کھلے تھے، تجارت اور صنعت وحرفت پر وہ چھائے جا رہے تھے، سیاسی اعتبار سے ان کی اہمیت پر زور دیا جانے لگا تھا۔ اس طرح وہ جو ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی جنبش ابرو کے منتظر رہا کرتے تھے، چند ہی برسوں میں نہ صرف ان کے مدمقابل آ گئے بلکہ ان پر فوقیت حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

انگریزی حکومت کے جبر واقتدار کے سائے میں عیسائی مشنری ملک کے گوشے گوشے میں عیسائیت کی تبلیغ کر رہے تھے اور مسلمانوں کو ترغیب وتحریص کے ذریعے دینِ حق سے روگرداں کرنے میں مصروف تھے۔ ان کی دیکھا دیکھی آریا پرچارکوں نے بھی ہاتھ پاؤں نکالنے شروع کیے اور جابجا ان کی منڈلیاں جمنے لگیں۔ ان لوگوں کا ہدف زیادہ تر

اَن پڑھ اور مفلس و نادار لوگ تھے، چنانچہ ان کی مکروہ کوششوں سے ہزاروں مسلمان عیسائیت اور آریت کی آغوش میں جانے لگے۔

——— بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شکست خوردہ مسلمان اپنے زوال اور انحطاط پر راضی ہو گئے ہیں لیکن حزن و یاس کے اس عالم میں اور نا اُمیدی و بے قراری کے تاریک دَور میں کچھ ایسے مسلمان بھی موجود تھے جن کے دل نورِ ایمان سے منور تھے اور دین ملّت کی خدمت کے لیے مضطرب۔

———○———

۲۱ جنوری ۱۸۶۵ء کو "انجمن پنجاب، لاہور" کا قیام عمل میں آیا۔ اس کے مقاصد یہ تھے: قدیم مشرقی علوم کا احیاء، باشندگان ملک میں دیسی زبانوں کے ذریعے علوم مفیدہ کی اشاعت، صنعت و تجارت کا فروغ، علمی، ادبی، معاشرتی اور سیاسی مسائل پر بحث و نظر، صوبے کے بارسوخ، اہل علم حضرات اور افسران حکومت میں رابطہ۔

بنیادی طور پر یہ ایک علمی اور تعلیمی انجمن تھی، چنانچہ اس کا دائرۂ کار محدود تھا۔ بایں ہمہ اس کی مساعی سے ۸ دسمبر ۱۸۶۹ء کو پنجاب یونیورسٹی کالج (موجودہ اورنٹیل کالج) اور ۱۴ اکتوبر ۱۸۸۲ء کو پنجاب یونیورسٹی کا قیام عمل میں آیا[۱]۔ ان اداروں نے جو تعلیمی اور علمی خدمات انجام دیں وہ سب پر واضح ہیں۔

———○———

۱۸۶۹ء میں پنجاب کے مسلمانوں کی پہلی قومی جماعت "انجمن اسلامیہ، پنجاب" قائم ہوئی۔ غرض یہ تھی کہ مسلمانوں کی سیاسی، معاشرتی، تعلیمی اور اخلاقی حالت سنواری جائے۔ اس زمانے میں ان کی مذہبی حالت بحد افسوس ناک تھی۔ فرقہ بندیوں کے باعث مذہبی عناد اور فتنہ و فساد کا بازار گرم تھا اور ان کی عظیم الشان اور تاریخی یادگاریں، مثلاً شاہی مسجد، سنہری مسجد، مسجد ٹکسالی دروازہ اور تبرکات عالیہ وغیرہ طوائف الملوکی میں ضبط ہو چکے تھے۔

انجمن اسلامیہ کے اغراض و مقاصد یہ تھے: مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تعلیمی اور معاشرتی معاملات کے متعلق مفید تجاویز سوچنا اور ان کو عمل میں لانا، مسلمان طلبہ کو ترقی تعلیم کے لیے وظائف بطور قرض حسنہ دینا، مسلمانوں کے اوقاف کی حفاظت، نگرانی اور انتظام اور ان میں توسیع کرنا، ہر اس معاملے میں جو کہ مذہب اسلام کے منافی نہ ہو، حکومت سے تعاون کرنا، مسلمانوں کے حقوق کی نسبت حکومت کی خدمت میں حسبِ ضرورت وفود یا

---

[۱] تاریخ اورنٹیل کالج لاہور، صفحہ ۴۰

عرضداشت بھیجنا۔[1]

انجمن اسلامیہ کا دائرۂ کار اپنے وسیع مقاصد کے مقابلے میں اگرچہ محدود رہا، تاہم اس نے مسلمانوں کی فلاح و بہبود، مساجد کی واگزاری، ان کی تعمیر و مرمت، مسلمانوں کے مختلف فرقوں میں اتحاد و اتفاق قائم کرنے اور ان میں عربی تعلیم کا ذوق و شوق پیدا کرنے میں شاندار خدمات انجام دی ہیں۔ عربی تعلیم کے فروغ اور ترقی کیلئے شاہی مسجد میں "مدرسہ عربیہ" کا اجرا اور اسلام کی نشر و اشاعت کے لیے "انجمن تبلیغ الاسلام" کا قیام عمل میں آیا۔ علاوہ ازیں شاہی مسجد، سنہری مسجد، مسجد دائی لاڈو، مسجد ٹکسالی دروازہ، مسجد گمٹی بازار، مسجد حمام والی، مسجد شہید، مسجد شاہ چراغ وغیرہ کا انتظام و انصرام اور تعمیر و مرمت بھی انجمن اسلامیہ پنجاب کے ذمے رہی ہے۔

انجمن اسلامیہ پنجاب، کے قیام کے آٹھ سال بعد برعظیم پاک و ہند میں مسلمانوں کی نشاۃ الثانیہ کے علمبردار سرسید احمد خان میدانِ عمل میں اُترے۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھے کہ مسلمانانِ ہند کو ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت ذلیل و خوار کیا جا رہا ہے اور ان کی قومی بقا کا راز اسی میں مضمر ہے کہ وہ خوابِ غفلت سے بیدار ہو کر اپنی ترقی کے لیے تن من دھن کی بازی لگا دیں۔ جنگ آزادی کے بعد سرسید پہلے بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی واماندہ قوم کی اصلاح اور مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو واپس لانے کے لیے ایک پُرامن، آئینی اور تعلیمی و اصلاحی جدوجہد کا آغاز کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کی تعلیمی اور معاشرتی ترقی کا بہت بڑے پیمانے پر منصوبہ بنایا۔ وہ چاہتے تھے کہ مسلمانوں کا تعلیم یافتہ طبقہ، جس کا دائرہ روز بروز تنگ ہوتا جا رہا ہے، از سرِ نو وسعت اختیار کرے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ "علی گڑھ تحریک" ہے۔ اسے عموماً ایک سیاسی اور تعلیمی تحریک سمجھا جاتا ہے، مگر حقیقت میں یہ ایک علمی و ادبی اور فکری تحریک بھی تھی، جس کے زیر اثر فکر و نظر میں اہم انقلاب رونما ہوا اور مغربی تصانیف سے استفادہ کرنے کا جو میلان پیدا ہوا وہ نہ صرف انداز نظر پر اثر انداز ہوا بلکہ موضوعات میں بھی تغیر و تبدل نمودار ہوا۔

سرسید ایک عظیم دینی مفکر بھی تھے —— ان معنوں میں نہیں کہ انہوں نے دینی ادب کی گہرائی اور گیرائی تک پہنچ کر اس کے حقائق و معارف کو از سرِ نو بیان کیا، بلکہ اس اعتبار سے کہ انہوں نے اس پر ایک نئے زاویے سے نظر ڈالی۔ ان کا عقیدہ یہ تھا کہ مذہب کو علوم جدیدہ کی رُوح اور ان کے اصول سے ہم آہنگ ہونا چاہیئے۔ اس لحاظ سے ان کی اصلاحی تحریک اس تحریک سے بالکل مختلف تھی جس کے علمبردار سید احمد شہید، مولانا محمد قاسم نانوتوی

---

[1] رسالہ انجمن اسلامیہ پنجاب، جولائی ۱۹۳۶ء تا جون ۱۹۳۷ء، صفحہ ۱

اور مولانا عبدالقدوس تھے۔

سرسید کے افکار و نظریات نے ان کے زمانے کی تقریباً تمام تحریکوں کو متاثر کیا۔ اہلِ پنجاب نے بھی آگے بڑھ کر لبیک کہا اور سرسید سے "زندہ دلانِ پنجاب" کا خطاب پایا۔

علی گڑھ تحریک کے آغاز کے ٹھیک سات سال بعد ۱۸۸۴ء میں "انجمن حمایت اسلام، لاہور" کا قیام عمل میں آیا۔ علی گڑھ تحریک کا دائرہ محدود تھا۔ انجمن نے اس کام کو آگے بڑھایا اور بالخصوص اسلام اور اسلامی اقدار کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں وہ خدمات انجام دیں جو علی گڑھ تحریک انجام نہ دے سکی تھی۔ اس لحاظ سے نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے ایشیا میں ایسا کوئی ادارہ آج تک قائم نہیں ہوا جس نے اسلام اور حمایتِ اسلام کا بیڑہ اٹھایا ہو۔ یہ فخر صرف انجمن حمایتِ اسلام کو حاصل ہے!

مارچ ۱۸۸۴ء کا واقعہ ہے۔ باغ بیرون دہلی دروازہ، لاہور میں ایک پادری عیسائیت کی حمایت میں تقریر کر رہا تھا۔ تقریر کے دوران میں اس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ اقدس میں بعض نازیبا کلمات کہے۔ سامعین میں ایک غیرت مند مسلمان منشی چراغ دین بھی تھے۔ انہوں نے پادری کی اس حرکت پر اسے ٹوکا اور کہا کہ مسلمان سب کچھ برداشت کر سکتا ہے، مگر اپنے پیارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔ یہ زمانہ انگریزوں کی طاقت اور قوت کے شباب کا تھا اور ہزاروں افراد خوف اور لالچ کے تحت عیسائیت قبول کر چکے تھے، جن کی بڑی تعداد خاکروبوں اور موچیوں پر مشتمل تھی۔ اس مجمع میں بھی بہت سے ایسے لوگ شامل تھے۔ انہیں منشی چراغ دین کی یہ جرأت رندانہ ناگوار گزری اور انہیں دھکے دے کر جلسہ سے نکال دیا۔ منشی چراغ دین دل پر زخم کھا کر وہاں سے منشی محمد کاظم (بعد ازاں خان بہادر منشی محمد کاظم، ڈپٹی پوسٹ ماسٹر جنرل) کے مکان پر آئے اور یہ دردناک واقعہ بیان کیا۔ بعد ازاں انہوں نے اپنے حلقۂ احباب میں مختلف لوگوں سے اس موضوع پر گفت گو کی، جن میں اس زمانے کے مشہور فاضل شمس العلماء شمس الدین شائق اور حاجی میر شمس الدین کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ یہ بزرگ بلا ناغہ جمع ہوتے اور اسلام کے خلاف اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کے بارے میں تبادلۂ خیال کرتے۔ ان مجالس میں مخالف و موافق دونوں قسم کی آرا کا اظہار کیا جاتا۔ بعض اصحاب پادریوں کے خلاف محاذ بنانے کی سعی لاحاصل قرار دیتے۔ بعض کے نزدیک مسلمانوں کی عام بے حسی اور پسماندگی کے پیش نظر صورت حال میں کسی خوشگوار تبدیلی کا رونما ہونا خارج از امکان تھا۔ کچھ

دردمند بزرگ ایسے بھی تھے جو اپنے عہد کے عظیم قومی رہنما سر سید احمد خاں کی کوششوں کو بار آور ہوتے دیکھ چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اگر مسلمانوں کو مذہبی، سیاسی اور تعلیمی پسماندگی سے نجات دلانے کی کوشش کی جائے تو کامیابی کا امکان موجود ہے۔

آخر چھ ماہ کی بحث و تمحیص کے بعد ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کو مسجد بکن خان، اندرون موچی دروازہ، لاہور میں ایک اجتماع ہوا۔ شرکا کی تعداد ڈھائی سو کے لگ بھگ تھی۔ عام مسلمانوں کے علاوہ لاہور کے بعض با اثر اور نامور بزرگ بھی اس جلسے میں موجود تھے، مثلاً خان بہادر محمد کاظم، حاجی میر شمس الدین، شمس العلما شمس الدین شائق، خلیفہ حمید الدین، میاں کریم بخش، مولوی غلام اللہ قصوری، خلیفہ عماد الدین، شیخ پیر بخش، مرزا عبدالرحیم دہلوی، مولوی سید احمد علی دہلوی، مرزا ارشد گورگانی، مولوی احمد دین وکیل، شیخ ایزد بخش، مولوی عبداللہ، مولوی دوست محمد، میاں محمد جیتو، ڈاکٹر محمد دین ناظر، منشی محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار، بابا نجم الدین اور بہادر الدین۔ اس اجتماع میں ایک ادارہ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا جس کے بنیادی مقاصد حسب ذیل قرار پائے:-

(۱) عیسائیوں کی تبلیغ کا سدباب کرنا۔

(۲) مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا جن میں قدیم و جدید دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جائے۔

(۳) مسلمانوں کے یتیم و لاوارث بچوں کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا جن میں پرورش کے علاوہ ان کی تعلیم و تربیت بھی کی جائے۔

(۴) اسلامی لٹریچر کی اشاعت۔

اس ادارے کا نام ”انجمن حمایت اسلام“ تجویز کیا گیا۔

انجمن کے قیام میں سب سے زیادہ سرگرمی کا مظاہرہ منشی چراغ دین نے کیا۔ اس کا تخیل بھی سب سے پہلے ان ہی کے ذہن میں آیا تھا۔ وہ ایک سرکاری دفتر میں ملازم تھے، لیکن مارچ ۱۸۸۴ء کے واقعے نے ان کے جذبات میں ہلچل پیدا کر دی۔ اسی روز سے ان کی زندگی میں انقلاب رونما ہوا۔ انہوں نے جلد ہی اپنی ملازمت ترک کر دی اور انجمن کے قیام کے لیے شب و روز کام کرنے لگے۔

انجمن کے قیام کے ساتھ ہی عہدیداروں کا انتخاب بھی کر لیا گیا۔ قاضی خلیفہ محمد حمید الدین صدر،

مولوی غلام اللہ قصوری دبیر اعلیٰ، منشی چراغ دین اور منشی پیر بخش نائب دبیران اور منشی عبدالرحیم خاں خازن منتخب ہوئے۔ اسی روز سے مشہور و معروف عالم سید احمد علی شاہ دہلوی کی خدمات شہر کے مختلف محلوں میں وعظ کرنے اور عیسائی مشنریوں کے ساتھ بحث و مباحثہ کے لیے حاصل کر لی گئیں اور ان کے لیے ایک قلیل رقم بطور وظیفہ منظور کی گئی۔ ان کے علاوہ ایک تنخواہ دار نقیب بھی ملازم رکھا گیا۔ چندہ ممبری چار آنے مقرر کیا گیا۔

انجمن حمایت اسلام کا آغاز چوّن روپے کے حقیر سرمائے سے ہوا جو ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء ہی کو مسجد بکن خان کے اجتماع میں جمع کر لیے گئے تھے۔ اس وقت کا سرمایہ اور کل کائنات یہی تھی۔ پہلا دفتر حویلی سکندر خاں، واقع ڈبی بازار، کے ایک کمرے میں کھولا گیا جو ڈھائی روپے ماہوار کرائے پر حاصل کیا گیا تھا۔ یہاں انجمن کے ہفتہ وار اجلاس ہوتے تھے اور رائے عامہ کو مقاصدِ انجمن کا ہم خیال بنانے کے لیے مختلف برادریوں کے اکابرین سے تبادلۂ خیال کیا جاتا تھا۔

انجمن نے اپنی تعلیمی کوششوں کا آغاز دو پرائمری سکولوں سے کیا، جو ۱۸۸۴ء میں لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اندرون موچی دروازہ قائم کیے گئے تھے۔ انجمن کا پہلا سالانہ میزانیہ صرف ۴۶۷ روپے تھا، (۱۹۶۹-۷۰ء میں یہ ۵۶ لاکھ سے متجاوز تھا) ۱۸۸۵ء میں مدرسوں کی تعداد پانچ اور ۱۸۹۴ء میں پندرہ ہو گئی۔ ان مدارس میں مروجہ تعلیم کے علاوہ چار سال میں قرآن کریم کی تعلیم مکمل کرائی جاتی تھی، نیز ابتدائی دینی علوم بھی پڑھائے جاتے تھے۔

شہر لاہور کی مسلمان خواتین بھی خراجِ تحسین کی مستحق ہیں جو دونوں وقت آٹا گوندھنے سے پہلے مٹھی بھر آٹا انجمن کے نام پر مٹی کے برتن (چٹوری) میں ڈال دیا کرتی تھیں۔ یہ انوکھا طریقہ بانیانِ انجمن نے ایجاد کیا تھا۔ آٹا جمع کرنے والے تنخواہ دار ملازم یا رضا کار نہیں، بلکہ خود بانیانِ انجمن ہوا کرتے تھے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا کہ انجمن کے قابلِ احترام بانی تھیلے اٹھائے شہر کا چکر لگا رہے ہیں اور گلی کوچے اس شعر سے گونج رہے ہیں:۔

آٹا پا چٹوری صدقہ جان پیاری دا

یہ شعر وہ بزرگ مل کر گاتے تھے، جو جاگیر دار تھے نہ صنعت کار، امیر کبیر تھے نہ اثر و رسوخ کے حامل۔ ہاں! ان کے سینے ایمان کی روشنی سے منوّر تھے، ان کے دلوں میں خدمت قوم کی سچی لگن تھی، ان کے پاس اعمال صالح اور صاف ستھرے کردار کی دولت تھی۔ یہ غریب مگر مخلص بزرگ، اللہ پر بھروسہ رکھے، میدان عمل میں اتر آئے تھے۔

اس میں شک نہیں کہ انجمن حمایت اسلام کے قیام کی اصل غرض و غایت تبلیغ اسلام تھی، مگر اس کے حقیقی جوہر تعلیمی اور سماجی میدان کھلے۔ اس نے اپنی تعلیمی سرگرمیوں کا آغاز لڑکیوں کی تعلیم سے کیا اور دو سال بعد،

۱۸۸۶ء میں، کرائے کا ایک مکان حاصل کرکے "مدرسۃ المسلمین" کے نام سے ایک مردانہ سکول کی بنیاد رکھی۔ شروع میں اس مدرسے کے طلبہ کی کل تعداد تیس تھی، لیکن تین سال کے اندر اس نے اتنی ترقی کی کہ ۱۸۸۹ء میں اسے ہائی سکول کا درجہ حاصل ہوگیا اور آئندہ تین سال یعنی ۱۸۹۲ء میں کالج کا۔ ۱۹۰۶ء تک یہ کالج اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ، میں قائم رہا۔ پھر برانڈرتھ روڈ پر ایک وسیع قطعۂ اراضی حاصل کرکے نئی عمارت تعمیر کی گئی۔ افغانستان کے حکمران امیر حبیب اللہ خان نے لاہور تشریف لاکر اس کا سنگِ بنیاد رکھا، چنانچہ کالج کا حبیبیہ ہال انہیں کے نام سے موسوم ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بانیانِ انجمن کے ارادوں میں برکت عطا فرمائی۔ انہوں نے اپنی کوششوں کا آغاز دو پرائمری سکولوں کے اجراء سے کیا تھا۔ اس وقت کون کہہ سکتا تھا کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا کہ ان کے قائم کردہ ادارے کے زیرِ اہتمام دو مردانہ ڈگری کالج، ایک زنانہ ڈگری کالج، ایک لاء کالج، ایک طبیہ کالج، چھ مردانہ ہائی سکول، دو زنانہ ہائی سکول، دو کنڈرگارٹن سکول، ایک مردانہ اور ایک زنانہ دارالشفقت (یتامیٰ کے لیے)، ایک ملی دارالاطفال، ایک دارالامان (گم کردہ راہ عورتوں کے لیے) پیشہ وارانہ تربیت کا ایک مرکز (محمد امین ووکیشنل سنٹر، یتیم بچوں کو دستکاری کی تربیت دینے کے لیے)، ایک کتب خانہ، جدید آلات طباعت سے آراستہ ایک چھاپہ خانہ اور علمی و ادبی ہفت روزہ (حمایت اسلام) نہایت خوش اسلوبی سے ملک وملت کی تعلیمی، علمی، ادبی، سماجی، ثقافتی اور دینی خدمت میں مصروف ہوں گے!

انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے ایک تہذیبی روایت کے حامل رہے ہیں۔ ایک زمانے میں ان کی حیثیت قومی میلے کی سی ہوتی تھی۔ اس میں شریک ہونے کے لیے لوگ دُور دُور سے لاہور پہنچتے اور انجمن ان کے قیام وطعام کا انتظام و انصرام کرتی تھی۔ میاں ایم۔ اسلم نے ابتدائی دَور کے سالانہ جلسوں کا نقشہ یوں کھینچا ہے:-

"انجمن کا سالانہ جلسہ جو پنجاب اور بیرون پنجاب والوں کے لیے ایک علمی و ادبی میلہ متصور ہوتا تھا، اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ گیٹ کے وسیع میدان میں منعقد ہوا کرتا تھا۔ سکول کی عمارت دو منزلہ تھی۔ اُوپر، نیچے، چاروں طرف کمرے تھے۔ اُوپر کے کمروں کے آگے ایک خوبصورت گیلری تھی۔ نیچے کی منزل اور اُوپر کی منزل کے کچھ حصّے میں سکول تھا اور کچھ کمرے اسلامیہ کالج کے لیے مخصوص تھے۔ ابھی کالج کی علیحدہ عمارت نہیں بنی تھی۔ جلسے کے موقع پر صحن میں دریاں بچھادی

جائیں۔ کرسیاں صرف سٹیج پر نظر آتیں .... انجمن کے جلسوں میں ہندو اور سکھ مسلمانوں کے دوش بدوش نظر آتے تھے۔" [1]

ان جلسوں سے برعظیم کے ممتاز علما، ادبا، شعرا، سیاست دان اور قومی رہنما خطاب کرتے اور مسلمانوں کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی مسائل میں ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ ان میں مولانا حالی، مولانا شبلی، ڈپٹی نذیر احمد، اکبر الہ آبادی، علامہ اقبال، مولانا ابوالکلام آزاد، مولانا عبداللہ ٹونکی، مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی، مولانا ظفر علی خان، سر شیخ عبدالقادر اور چودھری خوشی محمد ناظر کے نام خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ انجمن حمایت اسلام ہی ایک ایسا ادارہ تھا جہاں عام ہنگامہ آرائیوں سے الگ تھلگ رہ کر قوم کی تعمیری سرگرمیاں نشوونما پا رہی تھیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین رقمطراز ہیں:-

"اس پلیٹ فارم پر سرسید، نواب وقار الملک، مولانا شبلی، مولانا حالی، مولوی نذیر احمد کے علاوہ سر فضل حسین، سر محمد شفیع، سر ذوالفقار علی خان مسلمانوں کی تعلیمی اور ثقافتی ترقی کے لیے کوشاں تھے۔ انہیں کوششوں کی برکت سے انجمن شمالی ہندوستان کے مسلمانوں کی امیدوں کا مرکز بن گئی تھی اور جو لوگ ملت کے تعمیری مفاد سے دلچسپی رکھتے تھے وہ اپنی سرگرمیوں کے لیے اس کے پلیٹ فارم ہی کو منتخب کرتے تھے۔ انجمن حمایت اسلام شمالی ہندوستان میں وہی کام سرانجام دے رہی تھی جو سرسید نے تحریک علی گڑھ کے ذریعے انجام دیا تھا۔ البتہ یہ امتیاز ضرور تھا کہ انجمن متوسط طبقے اور عوام سے زیادہ قریب تھی اور اس کی خدمات کا دائرہ زیادہ تر ان ہی طبقوں کو محیط کیے ہوئے تھا۔" [2]

انجمن کے پلیٹ فارم پر جو بزرگ سالہا سال جلوہ افروز ہوتے اور اپنے روح پرور خطبات اور ایمان افروز نظموں سے لوگوں کے دلوں کو گرماتے اور انہیں حیاتِ تازہ بخشتے رہے، ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کی تفصیل کے لیے ایک پورا باب درکار ہوگا۔ ابتدائی دور کے بزرگوں میں شمس العلماء مولوی نذیر احمد اور مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ مرزا ارشد گورگانی انجمن کی اولین مجلس مشاورت کے رکن اور ایک نغز گو شاعر تھے۔ ۲۴ ستمبر ۱۸۸۴ء کے اجلاس میں انہوں نے نظم کے بجائے ایک مضمون بعنوان "ارکان خمسہ اسلام" پڑھا۔ ازاں بعد ۱۹۰۷ء تک وہ ہر سال سالانہ جلسوں میں اپنی نظموں سے عوام کو محظوظ کرتے اور انجمن کے لیے

---

[1] حمایت اسلام لاہور، ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

[2] حمایت اسلام لاہور، ۲۴ مارچ ۱۹۶۷ء

چندہ جمع کرنے میں معاون ثابت ہوتے رہے۔ مولوی نذیر احمد نے ۱۸۸۶ء میں پہلی بار سالانہ جلسے میں شرکت فرمائی اور آخر دم تک بالعموم ہر سال جلسے سے خطاب فرماتے رہے۔ کئی موقعوں پر انہوں نے انجمن کو گراں قدر عطیات سے بھی نوازا۔ ۱۸۹۳ء میں سر میاں محمد شفیع انجمن کے سٹیج پر تشریف لائے اور انہوں نے اپنی پوری زندگی انجمن کی خدمت میں صرف کر دی۔ وہ ہر سال معقول مالی اعانت فرماتے تھے۔ اسی سال ایک اور بزرگ یعنی سر عبدالقادر بھی سپہر انجمن پر نمودار ہوئے اور عمر بھر ان کا اور انجمن کا چولی دامن کا ساتھ رہا۔ انہوں نے ہر مصیبت اور مشکل کے وقت انجمن کی رہنمائی کی۔ ہر سال وہ اپنے پُر از معلومات لیکچروں سے سننے والوں کو مسحور اور انجمن کی امداد کے لیے مجبور کرتے رہے۔ ۱۹۰۰ء میں اسلامیہ کالج میں بی اے کی جماعتیں شروع کرنے کی اجازت تو مل گئی مگر انجمن کو قلیل تنخواہ پر حسب منشا قابل اور لائق پروفیسر دستیاب نہ ہوئے۔ سر عبدالقادر نے، جو اس وقت پنجاب آبزرور اور مخزن کے ایڈیٹر تھے، اس دقت کو محسوس کرتے ہوئے اپنی خدمات بطور اعزازی پروفیسر پیش کر دیں اور اپنے خاص معاون شیخ عبدالعزیز (بعد ازاں آنریری جنرل سیکرٹری، انجمن حمایت اسلام) اور اپنے عزیز دوست میاں عبدالعزیز (بعد ازاں فنانشل کمشنر پنجاب) کو بھی اس خدمت کے لیے آمادہ کر لیا چنانچہ عرصہ دراز تک یہ بزرگ اس قومی خدمت کو نہایت خوش اسلوبی سے سرانجام دیتے رہے۔ سر عبدالقادر کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ وہ علامہ اقبال کو انجمن کے پلیٹ فارم پر لے آئے۔ علامہ نے ۱۹۰۰ء کے سالانہ جلسے میں اپنی فکر انگیز اور رقت آمیز نظم "نالۂ یتیم" اپنے مخصوص رنگ اور درد انگیز آواز میں پڑھی، اور اس کے بعد سالہا سال تک ان جلسوں میں متواتر نظمیں پڑھتے رہے۔ انجمن کے پلیٹ فارم پر آنے سے پہلے علامہ اقبال عوامی حلقوں میں غیر معروف تھے۔ انہیں عوام الناس سے روشناس یقیناً انجمن حمایت اسلام ہی نے کرایا۔ جناب جسٹس سجاد احمد جان "انجمن کی ادبی خدمات" کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"یہ بات ناقابل فراموش ہے کہ انجمن کے پلیٹ فارم سے ہی انجمن کے سالانہ جلسوں میں مولانا حالی، اکبر الہ آبادی، چودھری خوشی محمد ناظر، سائل دہلوی، سیماب اکبر آبادی، مولانا ظفر علی خان اور علامہ اقبال جیسے بلند پایہ شعرا نے اپنا حیات افروز کلام سنا کر ملت اسلامیہ کے دل میں زندگی کا نیا ولولہ پیدا کیا اور اسے سیرت و کردار کی تفسیر کا درس دیا۔ یہ حقیقت کسی ثبوت کی محتاج نہیں کہ شاعر اسلام اور شاعر مشرق علامہ اقبال کو دُنیا سے روشناس کرانے کا سہرا انجمن حمایت اسلام کے سر ہے۔" [1]

---

[1] حمایت اسلام (انجمن نمبر) ۲۶ اپریل ۱۹۶۸ء

۲۳ دسمبر ۱۹۳۸ء کو انجمن کے جلسے کی صدارت کرتے ہوئے راجہ محمد امیر احمد، والی ریاست محمود آباد، نے فرمایا :۔

"یہ فخر آپ کی انجمن ہی کو حاصل ہے جس کے ایک سالانہ جلسے میں دنیا اس مفکرِ اعظم سے روشناس ہوئی اور انجمن ہی کے ذریعے سے اس نے شکوہ، جواب شکوہ، خضر راہ اور طلوع اسلام جیسے رُوح پرور پیغام ہمیں دیے جنہیں مسلمان ایک مدت تک اپنا حرز جان بنائیں گے۔" [1]

مولانا غلام رسول مہر برِعظیم کے ممتاز صحافی، مصنف اور مؤرخ تھے۔ وہ "انجمن کے سالانہ اجلاس اور اقبال" کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں :۔

"اسلامیت کے احیا میں انجمن کے کارناموں کا ...... ایک اور پہلو بھی ہے، جس میں انجمن کو یگانہ حیثیت حاصل ہے۔ وہ اس کے سالانہ اجلاس ہیں۔ یہ اجلاس دینِ حق، اسلامی اقدار، اسلامی علوم اور اسلامی ثقافت کے فروغ اور نشر و اشاعت کا ایک بہت بڑا ذریعہ بن گئے۔ پاک و ہند کے تمام بڑے بڑے عالم، خطیب، شاعر اور محقق ان جلسوں میں شریک ہونے لگے۔ مولانا حالی، مولانا شبلی، مولانا سلیمان پھلواری، مولانا اصغر علی روحی، مولانا ابراہیم میر سیالکوٹی، مولانا ثناء اللہ، مولانا نذیر احمد دہلوی اور سینکڑوں دوسری ممتاز ہستیاں یہاں آتی تھیں اور ہر سال تین دن تک مسلمانوں کا بہت بڑا اجتماع عوام اور خواص میں زندگی کی تازہ رُوح پھونکنے کا باعث بنا رہتا تھا۔

پھر یہی سالانہ اجلاس ہیں جن میں حضرت علامہ اقبال نے نظمیں پڑھیں اور ان کی ابتدا صدی کے پہلے سال سے ہوئی۔ گویا انجمن کے سالانہ اجلاسوں کے سٹیج نے ایک طرف علامہ اقبال کے لیے دعوت کا اچھا مرکز مہیا کر دیا (اور دوسری طرف) خود انجمن کے یہ اجتماعات رونق اور چہل پہل میں ترقی کر گئے اور علامہ اقبال کے لیے وسیع شہرت کا انتظام ہو گیا، جو ان کی دعوت کے دائرے کی توسیع کے لیے ناگزیر تھا۔ ابتدا میں علامہ اقبال کے ذریعۂ دعوت، یعنی شاعری کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے دو وسیلے بہت کارگر ہوئے۔ اول، انجمن کے سالانہ اجلاس۔ دوم، رسالہ مخزن۔ دونوں نے علامہ اقبال سے فائدہ اٹھایا اور دونوں نے علامہ اقبال کی خدمت انجام دی۔ دونوں کی وجہ سے علامہ کی شاعری کو فروغ حاصل ہوا اور دونوں کے لیے علامہ کا گراں مایہ کلام زیب و زینت

---

[1] روداد گولڈن جوبلی انجمن حمایت اسلام، ۱۹۳۸ء۔ صفحہ ۱۴

اور شہرت کا باعث بنا۔" [1]

گویا انجمن بھی سر شیخ عبدالقادر کی ہم نوا ہو کر یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ :-

اوّل آں کس کہ خریدار شُدت ، من بودم

باعث گرمیٔ بازار شُدت ، من بودم [2]

انجمن حمایت اسلام کے چوہترویں سالانہ جلسے منعقدہ ۱۲ اپریل ۱۹۷۰ء کی صدارت نوابزادہ محمد شیر علی خان نے فرمائی، جو ان دنوں پاکستان کے وزیر اطلاعات و نشریات تھے۔ انہوں نے صدر پاکستان کی طرف سے انجمن کے لیے دو لاکھ روپے کے عطیے کا اعلان کیا اور انجمن کے سالانہ جلسوں کی اہمیت و افادیت پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:-

"انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسے قوم کی تاریخ میں خاصی اہمیت رکھتے ہیں۔ یہاں ان ہستیوں نے مسلم قوم کو اتحاد اور عمل کے درس دیے، جن کے نام لینے سے ہمارے سر عقیدت و احترام سے جھک جاتے ہیں۔ قوم کی پوری تاریخ ان ہی ناموں سے عبارت ہے، مثلاً سر سید احمد خاں، مولٰنا حالی نواب وقار الملک، مولوی نذیر احمد دہلوی، سر عبدالقادر، علامہ اقبال اور قائد اعظم محمد علی جناح۔ ان سب ہستیوں کے سکھائے ہوئے سبق ہم کبھی نہیں بھلا سکتے۔ ان کی حیات بخش تعلیم قدم قدم پر ہماری رہنمائی کرتی ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ انجمن کی سرگرمیاں تحریک پاکستان کو مسلسل تقویت پہنچاتی رہی ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہنا غلط نہیں کہ پاکستان کا قیام انجمن کے مقاصد کی وسیع تر تکمیل ہے۔ پاکستان کا بنیادی تصور بھی وہی ہے جو انجمن حمایت اسلام کا اوّلیں مقصد ہے۔ یعنی حمایت اسلام"۔ [3]

قیام پاکستان کے بعد انجمن کے سالانہ جلسوں سے جن اکابر ملت نے خطاب کیا اور جن کی آمد پر انجمن نے خصوصی اجلاس منعقد کیے ان میں جمال عبدالناصر اور شاہ فیصل کے اسمائے گرامی سر فہرست ہیں۔

---

[1] حمایت اسلام (انجمن ایڈیشن)، ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

[2] نذرِ اقبال، صفحہ ۵

[3] حمایت اسلام، ۲۴ اپریل ۱۹۷۰ء

انجمن کی دینی اور تبلیغی خدمات سنہری حروف میں لکھی جاسکتی ہیں۔ انجمن کی بنیاد خالصتہً دینی اور اسلامی امور کی ترویج وترقی اور غیر مسلم مبلغین کی معاندانہ سرگرمیوں کی روک تھام کے لیے رکھی گئی تھی۔ چنانچہ انجمن نے قیام کے روز ہی ایک مشہور عالم دین مولوی سید احمد دہلوی کی خدمات مسلمانوں کو وعظ ونصیحت کرنے اور مشنریوں کے ساتھ مذہبی بحث کرنے کے لیے حاصل کریں۔

ستمبر ۱۸۸۴ء ہی میں انجمن کے ایک معزز رکن مولانا غلام دستگیر قصوری نے عیسائیوں کے ایک رسالے تحریف القرآن کے جواب میں ایک رسالہ تصنیف کیا اور ان کے سوالات کا مدلل جواب دیا۔

۱۸۸۶ء میں پنجاب کے مشہور پادری نیوٹن کے ساتھ مقدمہ بازی کے باعث انجمن کی شہرت صوبے سے باہر پہنچ گئی۔ بیرونی شہروں سے کئی بزرگوں نے مذہبی اور دینی معاملات میں انجمن کے اعزازی وکیل بنائے جانے کے لیے اپنی خدمات پیش کیں، جو بصد تشکر یہ قبول کر لی گئیں۔ انجمن نے یہ مقدمہ جیت لیا۔

انجمن کے جلسوں میں مختلف اسلامی موضوعات پر مضامین بالالتزام پڑھے جاتے تھے۔ اس کا آغاز انجمن کے اولین اجتماع میں شہزادہ مرزا ارشد گورگانی نے کیا۔ شمس العلماء مولوی نذیر احمد دہلوی نے جتنے بھی لیکچر دیے وہ سب اسلام پر ہیں۔ ۱۸۹۳ء میں سر عبد القادر نے "کلمہ طیبہ" پر ایک معلومات افزا مضمون سنایا۔

اپنے قیام کے ایک سال بعد انجمن نے اسلام کی ترویج واشاعت کے لیے ایک ماہنامہ حمایت اسلام جاری کیا، جس میں مخالفین اسلام کے اعتراضات کے جواب اور اسلام کی خوبیوں پر نہایت مفید مضامین شائع ہوتے تھے۔ یہ رسالہ مفت تقسیم کیا جاتا تھا۔ ۱۹۲۶ء میں اسے ہفت روزہ کر دیا گیا اور یہ اب تک علمی، ادبی، صحافتی، سیاسی، ثقافتی اور دینی خدمات انجام دے رہا ہے۔

اس رسالے کے اجراء کے ساتھ ہی انجمن نے مبلغین مقرر کیے، جن میں ایک نہایت پاکباز بزرگ صوفی غلام محی الدین تھے۔ ان مبلغین کی بروقت کوششوں سے سینکڑوں مسلمان جو عیسائیت کے پنجے میں گرفتار ہو چکے تھے، دوبارہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ اس ضمن میں افغانستان کے جلا وطن شاہی خاندان کی دو لڑکیوں کا ذکر ضروری ہے جو بدقسمتی سے عیسائی ہو گئی تھیں۔ انہیں انجمن کے مبلغ دوبارہ دائرہ اسلام میں لانے میں کامیاب ہو گئے۔ انجمن کے یتیم خانوں کا قیام بھی اسی تبلیغی سلسلے کی ایک کڑی ہے[1]

---

[1] مختصر تاریخ انجمن حمایت اسلام لاہور۔ صفحہ ۳۲

۱۸۸۶ء میں انجمن نے درسی کتابوں کا ایک سلسلہ شروع کیا، جس میں مذہبی تعلیم کا خاص طور پر خیال رکھا گیا۔ اس کے علاوہ دینیات کے رسالے الگ مرتب کیے۔ مدرسۃ المسلمین کے قیام پر ان کتابوں کی تعلیم شروع کی گئی اور یہ اس قدر مقبول ہوئیں کہ ہندوستان کے تمام اسلامی مدارس میں پڑھائی جانے لگیں۔ یہ کتابیں متعدد صوبوں اور ریاستوں کے سرکاری مدارس میں بطور اضافی کتب منظور ہوئیں۔

انجمن کے مدارس میں چوتھی جماعت تک دینیات اور اس سے اُوپر کی جماعتوں میں قرآن مجید ترجمے کے ساتھ پڑھایا جاتا رہا۔

۱۸۸۶ء ہی میں ایک مدرسۂ تعلیم القرآن جاری کیا گیا، جس میں انجمن کے پہلے صدر قاضی خلیفہ محمد حمید الدین ہر روز دو گھنٹے درس دیا کرتے تھے۔ قاضی صاحب کی وفات کے بعد ۱۸۹۷ء میں یہ مدرسۂ حمیدیہ کے نام سے موسوم ہوا۔ یہاں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تعلیم دی جاتی تھی اور دنیوی تعلیم کے ساتھ ساتھ چھ سال میں طالب علم عالم دین بن جاتا تھا۔ ۱۹۱۱ء میں انجمن اسلامیہ پنجاب کے ایماء پر اس مدرسے کو شاہی مسجد کے مدرسے سے ملحق کر دیا گیا۔ مدرسۂ حمیدیہ کے طلبہ کے جملہ اخراجات انجمن برداشت کرتی تھی۔

۱۹۳۰ء میں فتنۂ ارتداد کے پیش نظر اشاعت اسلام کالج کا قیام عمل میں آیا، جس میں انگریزی تعلیم یافتہ نوجوانوں کو مذہبی اور دینی تعلیم دی جاتی تھی۔ اس کا مقصد ایسے مبلغین پیدا کرنا تھا جو ہندوستان اور ہندوستان سے باہر اسلام کی خدمت اور تبلیغ کر سکیں۔

انجمن نے اسلامی لٹریچر کی طباعت اور اشاعت میں بھی قابل قدر حصہ لیا۔ اس میں سرِفہرست قرآن مجید کا وہ شہرۂ آفاق نسخہ ہے جو ہر غلطی سے مبرّا ہے۔

اس سلسلے میں ایک معاصر اخبار کا یہ بیان قابل غور ہے کہ :۔

"وہ انجمن جسے عوام نے قائم کیا اور جو عوام ہی کے ذریعے مستحکم ہوئی، ہمیشہ نچلے درجے کے لوگوں کی خدمت میں مصروف رہی اور اس نے اپنا منتہائے نظر ہمیشہ یہی رکھا کہ مسلمانوں کے مذہبی عقائد کو درست کیا جائے اور علم کی روشنی سے ان پسماندہ اور غریب مسلمانوں کے سینوں کو منور کیا جائے جن کی حفاظت کرنے والا تو کوئی نہ تھا البتہ انہیں جسمانی، معاشی اور روحانی لحاظ سے کمزور کرنے والوں اور اپنے مقاصد کے لیے بطور آلۂ کار استعمال کرنے والوں کی کمی نہ تھی۔ انجمن کی یہ خدمت آبِ زر سے لکھی جائے گی کہ اس نے مفلس مسلمانوں کو ایسے وقت میں دشمنانِ اسلام

کی مذموم خواہشوں کا شکار ہونے سے بچایا جبکہ ہماری قوم اخلاقی لحاظ سے بڑے نازک دور سے گزر رہی تھی اور معمولی سی بہتری کی اُمید بھی باقی نہ تھی"۔

انجمن حمایت اسلام کی پنجاہ سالہ (گولڈن) جوبلی (۱۹۳۸ء) کے موقع پر مولوی عبدالقاسم فضل الحق، وزیر اعظم بنگال، نے انجمن کی خدمات کے اس پہلو کا ان الفاظ میں اعتراف فرمایا:۔

"کوئی شخص، جس کی رگوں میں اسلامی خون کا ایک قطرہ بھی موجود ہے، انجمن حمایت کی ان بے مثال سرگرمیوں سے ناواقف نہیں رہ سکتا جو یہ انجمن مذہب اسلام اور نوع انسانی کی خدمت کے لیے بجا لا رہی ہے"۔ [1]

انجمن کی تعلیمی خدمات اتنی ہیں کہ اس بارے میں پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہاں ان کا مختصراً ہی ذکر کیا جا سکتا ہے:۔

(الف) تعلیم نسواں:۔ ابتدا میں عیسائی مشنریوں کی توجہ زیادہ تر عورتوں کی طرف تھی۔ مشنری عورتیں بظاہر علاج معالجے کی غرض سے شریف گھرانوں میں جاتیں اور اپنی فریب کاریوں سے کسی نہ کسی کمسن بچی کو ورغلا لیتیں۔ ان حالات کے پیش نظر انجمن نے سب سے پہلے تعلیم نسواں کی طرف توجہ دی۔ ۱۸۸۴ء میں دو پرائمری سکول کھولے گئے۔ ۱۸۸۵ء میں ان مدرسوں کی تعداد پانچ، ۱۸۸۶ء میں دس اور ۱۸۹۴ء میں پندرہ تک جا پہنچی۔ ان مدرسوں میں مروجہ تعلیم کے علاوہ چار سال میں قرآن مجید ختم کرایا جاتا۔ پانچویں سال چیدہ چیدہ سورتوں کا ترجمہ پڑھایا جاتا اور ضروری دینی مسائل سے پوری طرح واقفیت کرائی جاتی۔ پھر جب لڑکیوں کو انگریزی تعلیم دینے کا رجحان پیدا ہوا تو ایک مدرسے کو ۱۹۲۵ء میں مڈل کا درجہ دے کر انگریزی تعلیم بھی شروع کر دی گئی۔ ۱۹۳۶ء میں یہاں ہائی کلاسز بھی جاری ہو گئیں۔ ۱۹۳۸ء میں گولڈن جوبلی کی یادگار میں اسلامیہ کالج کو پریڈ قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

اکتوبر ۱۹۴۱ء میں اسلامیہ گرلز ہائی سکول کے ساتھ ایک ٹریننگ سنٹر قائم کر کے معلمات کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا گیا۔ اسی سکول میں ۱۹۴۰ء میں سائنس اور ۱۹۴۶ء میں ہوم اکنامکس کی جماعتوں کا اجرا ہوا۔

۱۹۳۹ء میں کریسنٹ ہوسٹل کے کمروں اور میدان میں خیمے نصب کر کے ۷۵ طالبات اور دس اساتذہ کے ساتھ

---

[1] روداد گولڈن جوبلی ۱۹۳۸ء، صفحہ ۷

اسلامیہ کالج (زنانہ) کا قیام عمل میں آیا۔ تعلیم نسواں کا یہ پہلا ادارہ تھا جہاں عربی کی تدریس بحیثیت الگ انتخابی مضمون کے کی گئی تھی۔ کالج کے قیام کے چار روز بعد ہوسٹل بھی جاری کر دیا گیا۔ ۱۹۴۲ء میں آنرز کی اور ۱۹۴۳ء میں ایم اے عربی اور ایم اے جغرافیہ کی کلاسیں بھی شروع ہوگئیں۔ اعلیٰ تعلیمی معیار قائم کرنے کے علاوہ قیام پاکستان سے قبل اور بعد اس کالج نے جو شاندار دینی، علمی و ادبی اور سیاسی و ثقافتی خدمات انجام دی ہیں وہ تعلیم نسواں کے ضمن میں ہماری تاریخ کا ایک نہایت روشن باب ہیں۔

اس سلسلے میں جن خواتین کی اعانت سے انجمن کی مساعی بروئے کار آئیں، ان میں لیڈی عبدالقادر، لیڈی شفیع، بیگم شاہنواز، بیگم گیتی آرا، بیگم عظیم اللہ، بیگم ذوالقرنین اور ڈاکٹر مس خدیجہ فیروزالدین قابل ذکر ہیں۔

(ب) مردانہ تعلیم: انجمن حمایت اسلام کے اغراض و مقاصد میں "مسلمانوں کی تعلیم کے لیے ایسے ادارے قائم کرنا" بھی شامل تھا" جن میں جدید و قدیم دونوں قسم کے علوم کی تعلیم دی جائے"۔ سر سید احمد خان کی کوششوں سے جب کچھ تعلیمی بیداری پیدا ہوئی تو انجمن نے قدیم تعلیم کے ساتھ ساتھ جدید علوم و فنون کی طرف بھی توجہ دی۔ بانیانِ انجمن کی تمنا تھی کہ مسلمان تعلیمی میدان میں پسماندہ نہ رہیں۔ ۱۸۸۶ء میں تیس طلبہ کی قلیل تعداد کے ساتھ کرائے کے ایک مکان میں مدرسۃ المسلمین کی بنیاد رکھی گئی۔ اس مدرسے نے ترقی کے مراحل اس تیزی سے طے کیے کہ ۱۸۸۸ء میں مڈل، ۱۸۸۹ء میں ہائی اور ۱۸۹۲ء میں کالج کے درجے تک پہنچ گیا۔ تعلیم کی تاریخ میں یہ ایک بے نظیر واقعہ ہے۔ مدرسۃ المسلمین طویلہ شاہنواز، حویلی کرنل سکندر خاں اور حویلی راجہ دھیان سنگھ سے ہوتا ہوا شیرانوالہ دروازہ میں منتقل ہوا۔ انجمن کے ابتدائی سالانہ جلسے یہیں منعقد ہوتے تھے۔ اس کا نام اسلامیہ ہائی سکول شیرانوالہ دروازہ اس وقت رکھا گیا جب طلبہ کی کثرت کے پیش نظر یکم جنوری ۱۹۱۲ء کو یہاں سے ۴۰۲ طلبہ کو منتقل کر کے ایک دوسرے ہائی سکول کی بنیاد رکھی گئی۔ ۱۹۱۵ء میں تیسرا اور ۱۹۲۲ء میں چوتھا سکول جاری ہوا۔

۱۹۰۰ء میں کالج کا آغاز ہوا تو اس کے لیے شیرانوالہ سکول کے شمالی حصے پر بالائی منزل تعمیر کرنی پڑی۔ مرزا ارشد گورگانی نے بطور تفنن اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:

یار لوگوں نے ہے کوٹھے پہ بٹھایا کالج

۱۹۱۲ء میں جس دوسرے ہائی سکول کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا، وہ آج کل اسلامیہ ہائی سکول بھاٹی دروازہ کہلاتا ہے۔ شروع میں یہ موچی دروازے کے باہر ڈاکٹر بوس کی کوٹھی میں کھولا گیا تھا۔ بعد میں ریلوے روڈ پر زبدۃ الحکماء حکیم غلام نبی کی کوٹھی میں منتقل ہوا، جو انجمن کے پاس رہن تھی۔ پھر میاں نصیر الدین نے ایک وسیع قطعہ اراضی انجمن

کو دیا، جہاں ایک عالی شان عمارت تعمیر کرکے ۱۹۱۴ء میں اس سکول کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔

تیسرے ہائی سکول کا افتتاح اسلامیہ کالج کی پرانی عمارت کے قریب، موچی دروازے سے باہر، کرائے کی ایک کوٹھی میں ۱۵ ستمبر ۱۹۱۵ء کو ہوا، لیکن تھوڑے عرصے بعد اسے وطن بلڈنگ، بیرون اکبری دروازہ میں منتقل کر دیا گیا۔ شروع میں یہ مڈل سکول تھا۔ ۱۹۲۰ء میں پرائمری حصہ علیحدہ کرکے یہاں صرف مڈل کلاسیں رہنے دی گئیں اور جولائی ۱۹۲۱ء میں اسے ہائی سکول بنا دیا گیا۔ اپریل ۱۹۲۴ء میں اسلامیہ کالج سے ہیلی ہوسٹل کی عمارت مستعار لے کر اسے وہاں منتقل کرنا پڑا۔ وطن بلڈنگ کی نسبت سے یہ وطن اسلامیہ ہائی سکول کے نام سے معروف ہے۔

چوتھے سکول کی سرگزشت یہ ہے کہ ۱۹۲۱ء کے آخر میں انجمن مردانہ یتیم خانہ کے لیے نواں کوٹ کے قریب ملتان روڈ پر موضع پکی ٹھٹھی کی اراضی میں ایک عمارت خریدی اور ۱۹۲۲ء کے شروع میں یتامیٰ کو وہاں منتقل کر دیا گیا۔ یہاں کرائے کی کوٹھی میں مڈل سکول کا افتتاح کیا گیا جس میں ۱۴۱ یتامیٰ کے علاوہ ملحقہ دیہات کے لڑکے بھی داخل ہوئے۔ ۱۹۲۳ء میں اسے ترقی دے کر ہائی سکول بنا دیا گیا۔ ۱۹۲۶ء میں اس کی پرائمری جماعتیں ڈسٹرکٹ بورڈ کی تحویل میں چلی گئیں تو مڈل اور ہائی جماعتوں میں طلبہ کی بہت معمولی تعداد باقی رہ گئی، چنانچہ ہائی جماعتیں بند کر دی گئیں۔ ادھر اچھرہ کے چند مخیر حضرات نے مدرسے کے لیے انجمن کو چار کنال اراضی دے دی۔ وہاں انجمن کے زیر اہتمام ایک پرائمری سکول پہلے سے چل رہا تھا۔ اب اسے مڈل سکول بنا کر ملتان روڈ کے سکول کے طلبہ وہاں منتقل کر دیئے گئے۔ اس زمین پر انجمن نے ایک شاندار عمارت تعمیر کرائی جس کا افتتاح سر میاں محمد شفیع نے کیا۔ ۱۹۳۸ء میں اسے دوبارہ ملتان روڈ پر منتقل کر دیا گیا اور ۱۹۵۰ء میں اسے ہائی سکول کا درجہ مل گیا۔

۱۹۱۲ء میں چند مخلص مسلمانوں نے اسلامیہ پرائمری سکول کی بنیاد رکھی۔ مقصد یہ تھا کہ غیر مسلم سکولوں کے مقابلے میں مسلمان بچوں کی تعلیم و تربیت کا انتظام ہو سکے۔ ۱۹۱۷ء میں اسے مڈل اور ۱۹۲۱ء میں ہائی سکول بنا دیا گیا۔ بدقسمتی سے مسلمانوں میں پھوٹ پڑ گئی۔ سکول تباہی کے غار کے دہانے تک پہنچ گیا۔ ۱۹۲۷ء میں حکومت نے دخل اندازی کی اور گرانٹ وغیرہ کی واپسی کا تقاضا کیا۔ مجلس منتظمہ نے انجمن حمایت اسلام سے اس سکول کو مع جائیداد کے اپنی تحویل میں لینے کی درخواست کی، جسے انجمن نے بخوشی قبول کر لیا۔ علاقے کے ہزاروں نوجوان اس قومی درس گاہ سے تعلیم پا کر مختلف اداروں، خصوصاً پاک فوج میں، ملک و ملت کی خدمات سر انجام دے رہے ہیں۔

۱۸۹۱ء میں انجمن کی جنرل کونسل نے اسلامیہ کالج کے قیام کی تجویز منظور کر لی اور اسی سال کالج کا اجرا ہو گیا۔ ۱۸۹۲ء میں سر میاں محمد شفیع کی کوششوں سے پنجاب یونیورسٹی نے اس کالج کو

منظور کر لیا۔[1] جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، شروع میں یہ کالج شیرانوالہ سکول کے دو کمروں میں قائم کیا گیا تھا اور اس میں صرف انٹرمیڈیٹ تک تعلیم دی جاتی تھی۔ ایک کمرہ تعلیم کے لیے تھا اور دوسرا پرنسپل، سٹاف اور دفتر کے لیے۔ اگلے سال ایک اور کمرہ سیکنڈ ایر کے لیے لیا گیا۔ ۱۹۰۰ء تک یہی تین کمرے "اسلامیہ کالج" کے نام سے موسوم تھے۔ ۱۹۰۵ء میں انجمن نے پچاس کنال اراضی خریدی اور ۱۹۰۷ء میں امیر حبیب اللہ خان نے اسلامیہ کالج کا سنگِ بنیاد رکھا۔ ۱۹۰۸ء میں ریواز ہوسٹل کی عمارت مکمل ہوئی تو اس کے مغربی حصے میں کالج کی جماعتیں منتقل کر دی گئیں۔ جون ۱۹۱۳ء میں کالج کی عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی، تاہم اس میں برابر توسیع ہوتی رہی۔ کالج کی ابتدائی عمارت کا نقشہ بانیانِ انجمن میں سے ایک بزرگ میاں محمد عبداللہ انجنیئر کا بنا ہوا ہے اور ان ہی کی نگرانی میں تعمیر بھی ہوئی۔ یہ کالج اپنی شاندار تعلیمی خدمات کے باعث ایک منفرد اہمیت کا حامل ہے۔ اسے مشہور ماہرینِ تعلیم کی خدمات میسر آئیں۔ مسٹر ہنری مارٹن، مسٹر ولسن، علامہ عبداللہ یوسف علی اور خواجہ دل محمد جیسی عالم و فاضل ہستیاں اس کالج کی پرنسپل رہیں۔ اساتذہ میں سر عبدالقادر، علامہ اقبال، شیخ عبدالعزیز، میاں عبدالعزیز فلک پیما، ڈاکٹر نذیر احمد، سید عبدالقادر، مولانا اصغر علی روحی، پروفیسر ایم۔ اے۔ غنی، ڈاکٹر محمد دین تاثیر، پروفیسر علم الدین سالک، پروفیسر حمید احمد خان اور خواجہ محمد اسلم قابلِ ذکر ہیں۔

کالج کی تاریخ میں وہ دن بھی طلوع ہوا کہ طلبہ کی کثرتِ تعداد کے پیشِ نظر ڈی۔ اے۔ وی کالج کی متروکہ عمارت میں اسلامیہ کالج سول لائنز کا اجراء لازمی ہو گیا۔ پھر یہیں حمایتِ اسلام لاء کالج بھی کھول دیا گیا۔

یہ عظیم درسگاہیں مسلمانانِ پنجاب کی گراں قدر خدمات سرانجام دے رہی ہیں اور ان سے فارغ التحصیل ہو کر لاکھوں افراد مختلف حیثیتوں میں وطنِ عزیز کی خدمت میں مصروف ہیں۔ اگر جائزہ لیا جائے تو زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ ہوگا جس میں انجمن حمایتِ اسلام کے اداروں کے تعلیم یافتہ افراد اعلیٰ اور کلیدی اسامیوں پر فائز نہ ہوں۔

انجمن کی طبی خدمات میں سرفہرست طبیہ کالج کا قیام ہے۔ ۱۹۰۷ء تک یونانی طب کی تعلیم میڈیکل کالج کے زیرِ انتظام دی جاتی تھی۔ ۱۹۰۷ء میں ان جماعتوں کو میڈیکل کالج کو علیحدہ کر کے انجمن کے سپرد کر دیا گیا۔ فروری ۱۹۲۰ء تک یہ جماعتیں پرنسپل اسلامیہ کالج کے ماتحت ایک سپرنٹنڈنٹ کے زیرِ اہتمام رہیں۔ اس وقت

---

[1] حمایتِ اسلام، ۱۰؍ اپریل ۱۹۷۰ء

صرف ایک لیکچرار تھا جو ہفتے میں دو تین بار شام کے وقت دو گھنٹے لیکچر دیا کرتا۔ دوسرے کاموں سے فراغت پاکر انجمن نے اب طبی تعلیم کی طرف توجہ کی اور کالج کمیٹی کے ماتحت ایک سب کمیٹی تشکیل دی، جس نے سٹاف میں اضافے اور عملی تعلیم کے لیے ابتدائی انتظام کیا۔ ۱۹۲۶ء میں ان جماعتوں کو اسلامیہ کالج سے علیحدہ کر کے باقاعدہ طبیہ کالج کمیٹی بنا دی گئی اور طبیہ کالج میں باقاعدہ تدریس کا آغاز ہو گیا۔ ایک مکمل کیمیاوی لیبارٹری اور دو شفاخانے (ایک یونانی اور ایک ڈاکٹری) کھولے گئے۔ اساتذہ کی تعداد پانچ کر دی گئی۔ پرنسپل کی حیثیت سے شفاءالملک حکیم محمد حسن قرشی کی خدمات حاصل کی گئیں۔ یونانی شفاخانہ ریاست بھوپال کے سابق طبیب اوّل پروفیسر حکیم محمد زکریا کی تحویل میں دے دیا گیا۔ ایک میوزیم اور ایک دارالادویہ بھی قائم ہوا۔ ۱۹۲۹ء میں تشریحی تعلیم کے لیے ضروری آلات مہیا کیے گئے اور لائبریری میں بہت سی ضروری کتب کا اضافہ کیا گیا۔ ۱۹۳۱ء میں ایک بورڈنگ ہاؤس کا انتظام کیا گیا۔ ۱۹۳۲ء میں اوقات تعلیم میں اضافہ کر دیا گیا۔ اسی سال فرسٹ ایڈ اور ریکوں وغیرہ کی تربیت کا بندوبست بھی ہو گیا۔ ۱۹۳۴ء میں زبدۃ الحکماء کی جماعت کو پوسٹ گریجویٹ کلاس کا درجہ دے دیا گیا۔

مرکزی دواخانے میں مفرد اور مرکب یونانی ادویات مہیا کی گئی ہیں۔ اس دواخانے میں مفرد ادویہ کی شناخت اور مرکبات کی تیاری کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔ انجمن کے زیر اہتمام خیراتی شفاخانے میں غریب اور نادار مریضوں کو مفت طبی مشورہ اور ادویہ فراہم کی جاتی ہیں۔

اس ادارے سے شفاءالملک حکیم محمد حسن قرشی، پروفیسر حکیم نیر واسطی اور حکیم حافظ جلیل احمد جیسے ممتاز اور جید اطبا وابستہ رہے ہیں۔ یہ بات بلا خوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ پنجاب میں طب اسلامی کی حفاظت اور ترقی بڑی حد تک طبیہ کالج کی مرہونِ منت ہے۔

انجمن کی سماجی خدمات میں سب سے پہلے دارالشفقت کا ذکر ضروری ہے۔

۱۸۸۶ء میں ایک نادار مسلمان بیوہ لدھیانہ کے مشن ہسپتال میں بغرض علاج داخل ہوئی۔ اس کے ساتھ تین بچے تھے۔ ہسپتال کے عیسائی عملے نے اس کی بے کسی اور مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اسے عیسائی بنا لیا۔ تھوڑے عرصے بعد ایک نیک دل مسلمان عالم کے وعظ و نصیحت سے متاثر ہو کر وہ تائب ہو گئی اور دوبارہ دائرۂ اسلام میں آ گئی۔ پادریوں نے اسے تو جانے کی اجازت دے دی، مگر اس کے بچوں کو چھپا لیا۔ اس پر لدھیانے کے مسلمانوں

میں غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ دادرسی کے لیے عدالت سے رجوع کیا گیا، مگر پادریوں کا اثر ورسوخ آڑے آیا اور عدالت نے غریب عورت کی درخواست مسترد کر دی۔ چیف کورٹ میں اپیل دائر کی گئی، لیکن روپیہ نہ ہونے کے باعث مقدمے کی پیروی نہ ہو سکی۔ انجمن حمایت اسلام کے ارباب اختیار کو اس امر کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے تمام اخراجات اپیل برداشت کر کے مقدمے کی پیروی کی اور عدالتِ عالیہ سے بچّوں کی واپسی کی ڈگری حاصل کر لی۔ ۱۸۸۷ء کے آخر میں بصد مشکل تین میں سے دو بچے ——— ایک لڑکا اور ایک لڑکی ——— انجمن کی تحویل میں دے دیے گئے۔ ان بچّوں کے علاوہ دو اور یتیم بچّوں کو، جو مدرسۃ المسلمین میں انجمن کے وظیفے پر پڑھتے تھے، یکجا کر کے دسمبر ۱۸۸۷ء میں یتیم خانے کی بنیاد رکھی گئی۔ لدھیانے کی بیوہ ان چاروں بچّوں کے لیے کھانا پکاتی اور ان کی نگہداشت کرتی تھی۔ اس خبر کا پھیلنا تھا کہ مختلف مقامات سے درخواستیں آنے لگیں۔ ۱۸۸۸ء میں ہوشیار پور کی ایک تعلیم یافتہ سیدزادی کی درخواست موصول ہوئی جو گردشِ زمانہ سے دو بچّوں سمیت عیسائیت کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔ اس خاتون کو بھی لاہور لایا گیا اور زنانہ مدارس کا نگران مقرر کر دیا گیا۔

انجمن کو جہاں بھی ایسے واقعات کا پتا چلتا، کسی نہ کسی رکن کو بھیج کر حالات کی اصلاح کی جاتی۔ عیسائیت کے دامِ فریب میں پھنسے ہوئے بیکس ونادار بچّوں، بچیوں کو مسلمان بنا کر اپنے سایۂ عاطفت میں جگہ دیتی۔ ۱۸۸۷ء سے ۱۸۹۵ء تک یتامیٰ ایک کرائے کے مکان میں اکٹھے رکھے جاتے تھے، لیکن جب لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہو گئی تو زنانہ یتیم خانہ علیحدہ کر دیا گیا اور لڑکے مدرسۃ المسلمین کے بورڈنگ ہاؤس میں منتقل کر دیے گئے۔ ۱۹۲۲ء میں انجمن نے ملتان روڈ پر موضع پکی ٹھٹھی کی حدود میں ساڑھے بارہ گھماؤں اراضی خریدی اور وہاں مردانہ یتیم خانے کی عمارت تعمیر کی گئی۔ ۱۹۶۳ء میں اس کی موجودہ عمارت پایۂ تکمیل کو پہنچی اور اس کا نام دارالشفقت مردانہ رکھا گیا۔ اسی طرح لڑکیوں کا یتیم خانہ بھی زنانہ دارالشفقت کے نام سے موسوم ہے۔

ان اداروں نے ہر نازک مرحلے پر قوم کی مخلصانہ اور ٹھوس خدمات انجام دی ہیں۔ موپلہ تحریک میں شہید ہونے والے مسلمان بچّوں کو یہاں پناہ ملی۔ کوئٹے کے زلزلے میں یتیم ہونے والے بچے یہیں محفوظ و مامون ہوئے۔ پھر قیامِ پاکستان کے موقع پر مشرقی پنجاب، دہلی، بہار اور دوسرے صوبوں سے آنے والے یتیم بچّوں اور بیواؤں کو انجمن نے اپنے سینے سے لگایا۔

مردانہ دارالشفقت میں پانچ سو یتامیٰ کے قیام کا انتظام ہے، جہاں وہ نہایت شریفانہ اور اسلامی ماحول میں تعلیم وتربیت حاصل کر رہے ہیں۔ یہاں ایک دارالصنعت بھی قائم ہے، جس میں خواہشمند بچّوں کو خیاطی، نجاری

اور بجلی کے کام کی تربیت دی جاتی ہے تاکہ فارغ التحصیل ہو کر وہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو سکیں اور باعزت زندگی گزار سکیں۔ ذہین، محنتی اور اعلیٰ تعلیم کے متمنی طلبہ کو کالج میں بھی تعلیم دلوائی جاتی ہے۔

زنانہ دارالشفقت میں سوا سو کے قریب یتیم بچیاں اور بیوائیں تعلیم و تربیت اور پرورش پا رہی ہیں۔ اس ادارے کی نگرانی نیک دل اور تعلیم یافتہ خواتین کے سپرد ہے۔ سن بلوغ کو پہنچنے اور فارغ التحصیل ہونے پر، انجمن یتیم لڑکیوں کے لیے مناسب رشتے تلاش کرتی ہے اور انہیں معقول جہیز دے کر رخصت کرتی ہے۔ یہاں زنانہ انڈسٹریل ہوم بھی کام کر رہا ہے۔ مزید تعلیم حاصل کرنے کی خواہشمند لڑکیوں کو کالج میں بھی داخل کرایا جاتا ہے۔ ہز ہائی نس پرنس کریم آغا خان کی بیگم شہزادی سلیمہ نے ۲۰ جنوری ۱۹۷۰ء کو زنانہ دارالشفقت کا معائنہ فرمایا اور اسے ان الفاظ میں خراجِ تحسین پیش کیا کہ "ایشیا بھر میں صرف کوریا کے ایک تربیتی ادارے کو انجمن کے دارالشفقت سے تشبیہہ دی جا سکتی ہے"۔

انجمن کی قومی خدمات بھی اس کی مذہبی، تعلیمی اور سماجی خدمات سے کسی طرح کم نہیں۔ اس میدان میں بھی اس کی کارکردگی کے نقوش جادواں قدم قدم پر ثبت ہیں۔ انجمن کے سیاسی جلسوں نے مسلمانوں میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں بڑا شاندار کردار ادا کیا ہے۔ دو قومی نظریے کے بارے میں سرسید اور دوسرے اکابر قوم اپنے خیالات کا اظہار کر چکے تھے۔ ایک طرح سے دیکھا جائے تو ایم۔ اے۔ او۔ کالج علی گڑھ کی طرح اسلامیہ کالج لاہور بلکہ خود انجمن حمایت اسلام کا قیام ہی اس نظریے کا مرہونِ منت تھا۔ اسلامیہ کالج کی فضا پر مسلمانوں کی قومی انفرادیت کا رنگ ہمیشہ غالب رہا اور یہاں کے طلبہ مسلمانانِ ہند کی تمام سیاسی تحریکوں میں فکری یا عملی طور پر حصہ لینے میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

تحریکِ خلافت میں اسلامیہ کالج کے طلبہ نے جو تاریخ ساز کردار ادا کیا اسے ہمارا کوئی بھی مورخ نظرانداز نہیں کر سکتا۔ ۱۹۲۰ء میں جب ترکِ موالات کی تحریک نے زور پکڑا تو جمہور مسلمانوں کی رائے عدم تعاون کے حق میں تھی۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد نے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کے اجلاس، منعقدہ ۱۲ اکتوبر ۱۹۲۰ء، میں ترکِ موالات پر زور دیا اور کہا کہ "جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں ان سے ترکِ موالات کیا جائے"۔ جمہور مسلمانوں نے یہ قرار دادیں منظور کیں کہ "اسلامیہ کالج کا یونیورسٹی سے الحاق ختم کیا جائے" اور "سرکار کی طرف سے کالج کو ملنے والی گرانٹ قبول نہ کی جائے"۔ اسلامیہ کالج کے پرنسپل مسٹر ہنری مارٹن نے

ترک موالات کے خلاف سول ملٹری گزٹ میں ایک بیان شائع کرایا جو اسلام اور ملت اسلامیہ کے منافی تھا۔ اس کا ردِ عمل یقینی تھا، چنانچہ مسلمان عوام اور بالخصوص کالج کے طلبہ بھڑک اٹھے۔ جنرل کونسل اور مسلمانانِ لاہور کے متعدد جلسے ہوئے، جن میں ان امور پر غور و خوض کیا گیا۔ طلبہ نے ترک موالات جاری رکھا۔ حکومت کے پٹھوؤں نے ترک موالات کے خلاف فتوے دیے اور طلبہ کی اسلام دوست سرگرمیوں پر نکتہ چینی کی۔ جنرل کونسل کے فیصلے کے مطابق (الحاق قائم رکھنے اور گرانٹ جاری رکھنے کے ساتھ) کالج دوبارہ کھول دیا۔ پرنسپل نے ترک موالات کے حامی طلبہ کے ساتھ نہایت نامناسب اور غیر شریفانہ رویّہ اختیار کرتے ہوئے انہیں کالج سے معطل اور بورڈنگ ہاؤس سے خارج کر دیا۔ احتجاجی جلسے ہوئے، جلوس نکلے، طلبہ کی اسلام دشمن طاقتوں کے خلاف جنگ جاری رہی۔ بالآخر فتح و کامرانی نے ان کے قدم چومے۔ ان کی قربانی رنگ لائی۔ پرنسپل معزول اور غلط فتویٰ دینے والے پروفیسر مولوی حاکم علی کالج سے معطل کر دیے گئے۔ آہستہ آہستہ یہ تحریک پورے ہندوستان میں پھیل گئی، لیکن اسلامیہ کالج لاہور نے جو خدمات انجام دیں انہیں ہمیشہ اوّلیت کا فخر حاصل رہے گا۔

7350

لفظ پاکستان کے خالق چودھری رحمت علی ۱۹۱۱ء میں اسلامیہ کالج میں داخل ہوئے تھے۔ ۱۹۳۵ء میں انہوں نے کیمبرج سے تحریک پاکستان کا پہلا منشور اپنے قدیم کالج کے طلبہ کو ارسال کیا۔ ۱۹۳۷ء میں اسی منشور کی روشنی میں مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کی تشکیل ہوئی، جس کے صدر حمید نظامی اور مولانا عبدالستار نیازی، میاں محمد شفیع (م۔ش) اور شیخ انوار الحق (آج کل جج، سپریم کورٹ) اس کے سرگرم رکن تھے[1]۔ تحریک پاکستان کو رضاکاروں اور کارکنوں کا جو پہلا ہراول دستہ دستیاب ہوا وہ اسلامیہ کالج ہی نے فراہم کیا۔ اسے یہاں کے چند دردمند، پُرجوش اور باشعور طلبہ کی پُرخلوص سعی کہنا چاہیئے۔ قائداعظم، علامہ اقبال اور نواب شاہنواز نے اس کی سرپرستی اور رہنمائی فرمائی۔ یہ اسی حوصلہ افزائی کا نتیجہ تھا کہ اس تنظیم نے تحریک پاکستان میں اپنا ناقابل فراموش کردار ادا کیا۔

۱۹۴۰ء میں مسلم لیگ کا لاہور میں وہ تاریخی جلسہ ہوا جس میں قرارداد لاہور پیش ہوئی۔ اس جلسے کا انتظام و انصرام مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن نے کیا جو زیادہ تر اسلامیہ کالج کے طلبہ پر مشتمل تھی۔ سب سے پہلی پاکستان کانفرنس کا لاہور میں انعقاد مسلم سٹوڈنٹس فیڈریشن کے زیر اہتمام ہوا اور قائداعظم نے اس میں شرکت کی دعوت بلاتامل قبول فرمائی۔ اسلامیہ کالج کے وسیع و عریض میدان میں قائداعظم نے اس کا افتتاح فرمایا اور پروفیسر مرزا عبدالحمید نے خطبۂ

[1] حمایت اسلام، ۱۰؍اپریل ۱۹۷۰ء

استقبالیہ پیش کیا۔ یہ پہلا موقع تھا کہ لاہور ریزولیوشن کو قرارداد کا نام دیا گیا۔ [۱]

اسی سال قائدِ اعظم نے اسلامیہ کالج کے جلسہ تقسیم اسناد کی صدارت فرمائی اور طلبہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"قوم کی تمام امیدیں آپ سے وابستہ ہیں۔ آپ ہی قوم کے اصل معمار ہیں۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ اپنے ملی فرائض کو نہ بھولیے۔" [۲]

قائد کے ان الفاظ نے طلبہ میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کر دیا۔ فیڈریشن کے صدر میاں بشیر احمد نے ڈاکٹر الیاس مسعود اور ظہور الحسن ڈار سے مل کر طلبہ کے لیے ایک پروگرام مرتب کیا، جس کے تحت وہ تعطیلات گرما میں ملک کے گوشے گوشے میں پھیل گئے اور ہر شہر اور قصبے میں مسلم لیگ کی شاخیں قائم ہو گئیں۔

۱۹۴۵ء کے انتخابات کی سرگرمیوں اور اس کے بعد پنجاب میں یونینسٹ حکومت کے خلاف سول نافرمانی کی تحریک میں مسلم لیگ کی کامیابی مسلمان طلبہ کی سرتوڑ مساعی کی مرہونِ منت تھی۔ ان میں اسلامیہ کالج کے طالب علم پیش پیش تھے، جن میں سے آفتاب احمد قریشی اور سید محمد قاسم رضوی کی شاندار خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے کالج نے انہیں "رول آف آنر" کا مستحق قرار دیا۔ پھر قیام پاکستان کے بعد لاکھوں مہاجرین کا ریلا آیا تو ان کو سہارا دینے کے لیے انجمن اور انجمن کے اداروں سے تعلق رکھنے والے نوجوان آگے بڑھے اور ان کی آبادکاری کے کٹھن کام میں اپنی نوزائیدہ حکومت کا ہاتھ بٹایا۔

مختصر یہ کہ تحریک پاکستان، تحریک مسلم لیگ اور قائدِ اعظم کے پیغام کی اشاعت اور کامرانی کا سہرا ایک بڑی حد تک انجمن حمایت اسلام کے سر ہے، جس نے قوم کے نوجوانوں کو صرف تعلیم کے زیور ہی سے آراستہ نہیں کیا بلکہ انہیں سیاسی شعور بخشا اور ملی تحریکوں میں عملی طور پر حصہ لینے میں ان کی حوصلہ افزائی کی۔ خود انجمن کے عہدیداروں میں پنجاب کے ان مسلمان زعما کی ایک کثیر تعداد نظر آتی ہے جنہوں نے برعظیم بالخصوص پنجاب کے مسلمانوں کی سیاسی بیداری کے سلسلے میں تاریخ ساز کردار ادا کیا۔ ان میں خلیفہ محمد حمید الدین، نواب فتح علی خان قزلباش، نواب ذوالفقار علی خان، سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، ڈاکٹر سر محمد اقبال، سر فضل حسین، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، نواب مظفر خان، مولوی غلام محی الدین قصوری، سید محسن شاہ، شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی، شیخ مقبول احمد، خواجہ غلام دستگیر، مولانا غلام مرشد، شیخ محمد لطیف اور آغا ذوالقرنین خان کے علاوہ انجمن کے موجودہ صدر میاں امیر الدین خصوصیت سے ممتاز ہیں، جنہوں نے جذبۂ

---

[۱] حمایت اسلام، ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء، صفحہ ۱۰

[۲] حمایت اسلام، ۱۰ اپریل ۱۹۷۰ء

قومی سے سرشار ہوکر، انتہائی خلوص کے ساتھ، انجمن کی دامے۔ درمے۔ سخنے، ہر طرح اور مدت العمر خدمت سر انجام دی ہے۔

انجمن کی علمی وادبی خدمات کے سلسلے میں بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ پاکستان کی قومی زبان اُردو کو فروغ دینے اور اسے عملی طور پر قومی زبان کا درجہ دلوانے میں اہل پنجاب ہمیشہ پیش پیش رہے ہیں۔ آزادی سے قبل پنجاب میں اُردو کی ترویج واشاعت کا سب سے بڑا مرکز لاہور اور لاہور میں انجمن حمایت اسلام کے تعلیمی اور اشاعتی ادارے اور اس کے سالانہ جلسے تھے۔ یہ سالانہ جلسے اپنی دیگر خصوصیات کے علاوہ اُردو کے فروغ اور اشاعت کے بہت بڑے گہوارے تھے جہاں سے ملک بھر کے ممتاز ترین علما، فضلا اور مقررین اُردو زبان میں اپنے خیالات وافکار کا اظہار فرماتے تھے۔ اردو زبان وادب کا یہ گراں بہا خزانہ سالانہ رودادوں اور حمایت اسلام کے پرچوں میں محفوظ ہے۔

۱۸۸۵ء میں انجمن کے کتب خانے کی بنیاد پڑی۔ مولوی غلام دستگیر کے رسالے کی اشاعت کے بعد ۱۸۸۶ء میں انجمن نے اُردو کا قاعدہ اور ۱۸۸۷ء میں پہلی، دوسری اور تیسری جماعت کی اُردو ریڈرز شائع کیں۔ اس سلسلۂ کتب کو ملک بھر میں سراہا گیا تو اُردو کی چوتھی اور پانچویں کتابیں شائع کرنے کے بعد دینیات کی عربی کتابیں، رسائل اور فارسی کی کتابیں، انگریزی کی پرائمر، دو ابتدائی درسی کتابیں اور عربی علم الصرف کی کتابیں چھاپی گئیں۔ ۱۹۰۱ء میں جغرافیہ کی ابتدائی کتابیں بھی شائع ہوئیں۔ ۱۹۲۰ء میں محکمہ تعلیم پنجاب نے اپنے نصاب میں ترمیم کی تو انجمن نے ایک "جدید کتب اُردو" کا نیا سلسلہ، عربی کی کتابیں اور تاریخ ہند کی کہانیاں شائع کیں۔ یہ تمام کتابیں اضافی درسی کتب کے طور پر منظور ہوئیں۔ ۱۹۲۴ء میں زنانہ مدارس کے لیے اُردو ریڈرز کا مکمل سیٹ تیار کیا گیا، جو محکمہ تعلیم نے منظور کیا۔ اسلام اور تاریخ اسلام پر الامین، اخلاق محمدی اور طلوع اسلام جیسی مستند کتابیں پیش کیں۔ ۱۹۲۷ء کے بعد اعلیٰ جماعتوں کا سلسلۂ کتب جاری ہوا۔ پروفیسر شیخ غلام حسین کی مصنفہ تاریخ ہند، تاریخ انگلستان، اکنامکس، منطق اور خواجہ دل محمد کی معروف انگریزی و اُردو میں ریاضی کی کتابیں شائع کی گئیں۔

انجمن حمایت اسلام کے کتب خانے کی عظیم الشان خدمت قرآن مجید کے صحیح ترین نسخے کی اشاعت ہے۔ اسے پروفیسر مولوی ظفر اقبال نے انتہائی محنت اور عقیدت سے مرتب کیا اور انجمن نے اس کی عکسی اشاعت پر

تقریباً ایک لاکھ روپیہ صرف کیا۔ اس نسخے کی جلدیں بطور ہدیہ مسلمان فرمانرداؤں، مثلاً شاہ افغانستان، شاہ مصر، صدر ترکیہ، امیر بحرین، نظام دکن، نواب بہاولپور اور نواب بھوپال وغیرہ کو بھیجی گئیں۔ اس کارنامے پر ملک اور بیرون ملک کے علما نے انجمن کو خراج تحسین ادا کیا۔ ان کا متفقہ فیصلہ تھا کہ "یہ دنیا میں صحیح ترین نسخہ ہے"۔[1] مشہور عالم دین سید سلیمان ندوی نے فرمایا: "یہ اسلام کی وہ خدمت ہے جو شہنشاہوں اور بادشاہوں کا حصہ تھی"۔[2]

۱۸۸۵ء میں انجمن نے ایک ماہانہ مجلہ جاری کیا جسے ۱۹۲۷ء میں ہفتہ وار کر دیا گیا۔ پنجاب کا یہ واحد مجلہ ہے جو گزشتہ نوے سال سے مسلسل شائع ہو رہا اور تعلیمی، علمی، ادبی اور صحافتی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ اس سے ملک کے بلند پایہ ادیب، شاعر اور صحافی وابستہ رہے ہیں۔

انجمن کے سالانہ جلسوں کے ضمن میں انجمن کے زیر اہتمام منعقد ہونے والے مشاعروں کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اردو ادب اور اردو شاعری کی ترویج و ترقی میں ان مشاعروں نے اہم کردار ادا کیا ہے۔ ۱۹۶۷ء میں انجمن کی ڈائمنڈ جوبلی کے موقع پر ایک کل پاکستان مشاعرہ منعقد ہوا تھا۔ اس میں جسٹس سجاد احمد جان نے اپنے خطبۂ صدارت میں انجمن کی ادبی خدمات کا ایک جامع اور مبسوط جائزہ لیتے ہوئے فرمایا: "اردو ادب اور اردو شاعری کے فروغ میں ان مشاعروں کا ایک خصوصی حصہ ہے، جو ناقابل فراموش ہے...... انجمن حمایت اسلام کے سٹیج پر یہ مشاعرہ ان لطیف یادوں کو تازہ کرتا ہے جو انجمن کی ہمہ گیر تعلیمی مجلسی اور ادبی کارگزاری سے وابستہ ہیں۔[3]

آگے چل کر آپ نے اُردو ادب پر انجمن کے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

"بہت سے باکمال شاعر انجمن کے سٹیج سے دُنیائے ادب سے روشناس ہوئے اور ان کی بہت سی نظمیں، جو اُردو ادب کا مایۂ ناز سرمایہ ہیں، انجمن کے پلیٹ فارم سے پڑھی گئیں۔ آج سے اسی سال پہلے ہندوستان میں انگریزی زبان کا تسلط مضبوط ہوتا چلا جا رہا تھا اور اُردو کسمپرسی کی حالت میں تھی تو انجمن نے سہارا دیا۔ انجمن نے اپنے دفتری کاروبار اور بیرونی مراسلات کے لیے اُردو زبان

---

[1] مختصر تاریخ انجمن حمایت اسلام لاہور، صفحہ ۴۴

[2] حمایت اسلام، ۱۳ر جون ۱۹۷۳ء، صفحہ ۱۵

[3] حمایت اسلام، ۲۶ر اپریل ۱۹۶۸ء، صفحہ ۱

کو اپنایا۔" [1]

انجمن کی رودادیں اس بات کا زندہ ثبوت ہیں۔ ان میں خطبات، لیکچرز اور نظموں کی صورت میں جو گنج مخفی محفوظ ہے، اسے کتابی صورت میں چھاپ کر عوام الناس کے سامنے پیش کرنا اردو ادب کی بہت بڑی خدمت ہو گی۔ جسٹس سجاد احمد جان کی یہ رائے بالکل درست ہے کہ "انجمن کی تعلیمی اور سماجی سرگرمیوں سے تو واقف کار روشناس ہے جو گزشتہ تراسی برس سے جاری و ساری ہیں۔ لیکن میرے خیال میں اس کی خالص ادبی خدمات کو ابھی کما حقہ پذیرائی حاصل نہیں ہوئی۔ [2]

میں سمجھتا ہوں کہ انجمن کی ادبی خدمات کو صحیح پذیرائی اسی وقت حاصل ہو گی جب ۱۸۸۴ء سے ۱۹۷۴ء تک کے سالانہ جلسوں کے صدارتی خطبات، لیکچرز، نظموں، مشاعروں کی تفصیلات، وغیرہ کو مرتب کر کے منظرِ عام پر لایا جائے گا۔

انجمن کی علمی و ادبی خدمات کے ضمن میں حمایت اسلام پریس کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو گزشتہ چھیالیس سال سے قابل قدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ کتب خانۂ انجمن حمایت اسلام کی ضروریات جب دوسرے چھاپہ خانوں میں کام کرانے سے حسب منشا پوری نہیں ہوتی تھیں، نیز جب انجمن نے اپنے ماہنامہ حمایت اسلام کو ہفت روزہ بنایا تو ۱۹۲۸ء کے شروع میں انجمن نے اپنا پریس لگالیا، جو جدید آلاتِ طباعت سے آراستہ ہے۔

انجمن نے کمیاب اور بعض نامور مصنفین کی دینی، اصلاحی اور تاریخی کتابیں شائع کرنے کا جو سلسلہ شروع کیا تھا، اس کے تحت اب تک ڈاکٹر لائٹنر کی تاریخ اسلام، مولانا شبلی نعمانی کی الفاروق، سیرۃ النعمان اور شعر العجم اور شفیق عہدی پوری کی اسلامی جنگیں چھپ کر خراج تحسین وصول کر چکی ہیں۔ دوسری کتابوں میں بحضور سرور کائنات، اقبال، الغزالی، ہادیٔ برحق، قصص ہند، سید المرسلین، شاہراہ اسلام، خالد بن ولید، قرآن اور ہماری بول چال، تاریخ نظریۂ پاکستان، اسوۂ حسنہ اور سنین الاسلام شامل ہیں۔ یہ کتابیں ارزاں ہونے کے علاوہ صوری اور معنوی خوبیوں سے آراستہ ہیں۔

---

[1] حمایت اسلام، ۲۶ اپریل ۱۹۶۸ء، صفحہ ۱

[2] ایضاً

اقبال اور انجمن

ڈاکٹر علامہ محمد اقبال بحیثیت صدر انجمن حمایتِ اسلام لاہور

(سنہ ۱۹۳۴ء تا سنہ ۱۹۳۷ء)

اقبال اور انجمن

رُکنیّت سے صدارت تک

علامہ اقبال کی شہرت کا آغاز حقیقی معنوں میں انجمن حمایت اسلام کے ساتھ ان کے تعلق کا رہین منت ہے۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین اس ضمن میں لکھتے ہیں:

"انجمن حمایت اسلام کے ساتھ اقبال کا تعلق محض حسن اتفاق یا حادثہ نہیں۔ یہ ایک باشعور اور ذی حس فرد کا ایک فعّال قومی ادارے کے ساتھ ایک ایسا تعلق تھا جسے ؏

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

کی عملی تفسیر کہہ سکتے ہیں۔ انجمن حمایت اسلام کے ساتھ اقبال کی وابستگی ہماری قومی تاریخ کا ایک اہم اور زرّیں باب ہے۔ یہ عزت اور سعادت انجمن حمایت اسلام کی قسمت میں لکھی تھی کہ وہ اقبال کو دُنیا سے روشناس کرائے جسے قدرت نے شاعرِ مشرق اور حکیم الامت بننے کے لیے نامزد کر رکھا تھا۔"

علامہ انجمن حمایت اسلام کے رکن کب بنے؟ اس کی صحیح تاریخ تلاش بسیار کے باوجود دستیاب نہیں ہو سکی۔ البتہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ پچھلی صدی کے آخری عشرے میں وہ انجمن کے باقاعدہ رکن بن چکے تھے اور یہ رکنیت محض انجمن کے اغراض و مقاصد سے زبانی ہمدردی تک محدود نہ تھی۔ چنانچہ جنرل کمیٹی کی روداد سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲ر نومبر ۱۸۹۹ء کو انہیں مجلس منتظمہ کا رکن منتخب کر لیا گیا تھا۔ [۱]

انجمن حمایت اسلام کی مختلف کمیٹیوں کی قلمی رودادوں اور انجمن کے ترجمان حمایت اسلام کی پرانی فائلوں

---

[۱] قلمی روداد جنرل کمیٹی، ۱۴ر ستمبر ۱۸۸۴ء تا ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۱ء

کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ علامہ نے انجمن کی علمی، قومی اور انتظامی سرگرمیوں میں ہمیشہ بڑے ذوق وشوق سے حصہ لیا اور یہ سلسلہ تادمِ آخر جاری رہا۔ اس کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے:۔

۶ مئی ۱۹۰۰ء کے اجلاس میں اسلامیہ کالج میں بی۔اے کلاس جاری کرنے کی نسبت فیصلے پر مکرر غور کیا گیا اور اس ضمن میں علامہ اقبال کی قرارداد زیرِ بحث آئی۔ [۱]

۲۶ فروری ۱۹۰۵ء کو مجلسِ انتظامیہ برائے ۱۹۰۵ء کا انتخاب عمل میں آیا۔ علامہ اقبال رکن منتخب کیے گئے۔ [۲]

۱۶ مارچ ۱۹۰۵ء کو انجمن کی جنرل کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں انجمن کے قواعد مرتب کرنے کے سلسلے میں مولوی محبوب عالم وغیرہ نے قراردادیں پیش کیں، طے پایا کہ قواعد میں ترمیم و اضافہ کے لیے ایک سب کمیٹی بنائی جائے۔ ایک پنج رکنی سب کمیٹی مقرر کی گئی اور علامہ اقبال اس کے رکن منتخب ہوئے۔ [۳]

ستمبر ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال حصولِ تعلیم کے لیے یورپ چلے گئے۔ ۱۹۰۸ء میں واپس تشریف لائے تو ایک بار پھر انجمن کے امور میں دلچسپی لینے لگے۔

۲۴ جنوری ۱۹۰۹ء کو مجلسِ انتظامیہ کے ارکان سہ سالہ کا انتخاب عمل میں آیا۔ علامہ اقبال اس کے رکن منتخب ہوئے۔ [۴]

۲۰ فروری ۱۹۱۰ء کو گریجویٹ ارکان کے انتخاب کے لیے جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں علامہ اقبال کو جنرل کونسل کا رکن منتخب کیا گیا۔ [۵]

اسی زمانے میں کارکنانِ انجمن میں کچھ اختلافات پیدا ہو گئے۔ امورِ متنازعہ میں دستور العمل بھی شامل تھا۔ ۲۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو جنرل کونسل کے اجلاس میں صدر جلسہ نے سات افراد پر مشتمل ایک ثالثی مجلس (کورٹ آف آربی ٹریشن) مقرر کیے جانے کی تجویز پیش کی۔ علامہ اقبال کثرتِ رائے سے اس مجلس کے رکن منتخب

---

[۱] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۱۴ ستمبر ۱۸۸۴ء تا ۱۵ دسمبر ۱۹۰۱ء

[۲] ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام لاہور: فروری، مارچ ۱۹۰۵ء

[۳] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۲۸ جون ۱۹۰۲ء تا ۲۴ جون ۱۹۰۶ء

[۴] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۲ دسمبر ۱۹۰۳ء تا ۶ مارچ ۱۹۱۰ء

[۵] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۲ دسمبر ۱۹۰۳ء تا ۶ مارچ ۱۹۱۰ء

ہو گئے۔ ان کے حق میں ترانوے ووٹ آئے اور صرف ایک ووٹ آپ کے خلاف تھا۔ اس مجلس کو جملہ متنازعہ امور کے تصفیے کا کامل اختیار دیا گیا اور طے پایا کہ اس کا فیصلہ آخری اور قطعی ہو گا۔[۱] دوسرے اراکین نواب فتح علی خان قزلباش، نواب ذوالفقار علی خان، سرمیاں محمد شفیع، حاجی رحیم بخش سی۔ آئی۔ ای، شیخ اصغر علی آئی۔ سی۔ ایس اور میاں فضل حسین تھے۔ اس مجلس نے جو فیصلہ دیا اس کی رو سے مجلس عاملہ کو توڑ کر انجمن کا سارا انتظام ایک جنرل کونسل اور نو ماتحت کمیٹیوں کے سپرد کیا گیا۔ جنرل کونسل کی ہیئت ترکیبی میں بھی کچھ تغیر و تبدل ہوا۔ اس کے ارکان کی کم سے کم تعداد اٹھہتر اور زیادہ سے زیادہ ایک سو گیارہ مقرر کی گئی۔ ان میں سے ایک رکن بطور نمائندہ اولڈ بوائز اسلامیہ کالج اور باقی ارکان مفصلات اور لاہور سے پانچ چھ کے تناسب سے مقرر کیے گئے، جن میں سے پچیس فیصد پنج سالہ یونیورسٹی گریجویٹ اور فیلو پنجاب یونیورسٹی اور کم از کم چھ عالم دین تھے۔[۲] اس اہم مجلس میں علامہ کے انتخاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں ان کی رائے کتنی صائب اور قانونی حیثیت کیسی وقیع سمجھی جاتی تھی۔

میاں فضل حسین، سیکرٹری کالج کمیٹی کی عدم موجودگی میں کام کرنے کے لیے ۲۶ جولائی ۱۹۱۰ء کو کالج کمیٹی کا جو اجلاس منعقد ہوا تھا، اس میں علامہ اقبال سیکرٹری مقرر کیے گئے تھے۔ یہ امر قابل ذکر ہے کہ سر محمد شفیع بار ایٹ لا کالج کمیٹی کے چیئرمین، میاں فضل حسین سیکرٹری اور علامہ اقبال رکن تھے۔ ۱۱ ستمبر ۱۹۱۰ء کو جنرل کونسل کا جو اجلاس انعقاد پذیر ہوا، اس میں اس تقرر کی توثیق کی گئی۔ علاوہ ازیں کالج کی دو برجیاں بنوانے، کتبوں کا مسودہ تیار تیار کروانے اور اسے جنرل کونسل میں پیش کرنے کے لیے ایک نو رکنی سب کمیٹی تشکیل کی گئی جس کے علامہ اقبال رکن نامزد ہوئے۔[۳]

اسلامیہ کالج کمیٹی نے ۱۵ ستمبر ۱۹۱۰ء کو اسلامیہ کالج کی تحقیقات کرنے کے لیے جس نو رکنی سب کمیٹی کے قیام کی سفارش کی تھی، جنرل کونسل نے ۲۵ ستمبر ۱۹۱۰ء کو اس کی توثیق کر دی اور علامہ اقبال اس سب کمیٹی کے رکن مقرر کیے گئے۔ اس سب کمیٹی کا کام کالج کے معاملات کی تحقیقات کرنا اور اس کے ہر پہلو پر غور و خوض کر کے مکمل رپورٹ پیش کرنا تھا۔[۴]

---

[۱] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۶ مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ اگست ۱۹۱۲ء (اسی روداد میں مجلس کا فیصلہ محفوظ ہے)

[۲] حمایت اسلام، ۲ نومبر ۱۹۳۹ء، صفحہ ۶

[۳] قلمی روداد جنرل کونسل، ۶ مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ اگست ۱۹۱۲ء

[۴] ایضاً

۱۷ر دسمبر ۱۰ ۱۹ء کو کارج کمیٹی کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ایک چار رکنی "قواعد کمیٹی" تشکیل کی گئی، علامہ اقبال سیکرٹری مقرر ہوئے۔ جنرل کونسل نے ۱۳ر اکتوبر ۱۹۱۰ء والے اجلاس میں اس تقرر کی توثیق کی۔[۱]

شہنشاہ جارج پنجم اور ملکہ میری کی ہندوستان آمد اور دہلی میں دربار منعقد کرنے کے موقع پر انجمن کی طرف سے اظہار وفاداری اور مبارکبادی کا ایڈریس پیش کرنے کے لیے ۲۲ر اکتوبر ۱۹۱۱ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا، اور ایک سات رکنی سب کمیٹی تشکیل کی گئی، علامہ اقبال اس کے رکن منتخب ہوئے۔[۲]

۱۷ر فروری ۱۹۱۲ء کو مسلمانانِ لاہور کا ایک اجلاس عام علامہ اقبال کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور ہوئی:

"مسلمانانِ لاہور کا یہ عام جلسہ یقین کرتا ہے کہ وقت آگیا ہے کہ مسلمان لڑکوں اور لڑکیوں میں ابتدائی تعلیم عام طور پر پھیلانے کے لیے سابق کی نسبت زیادہ باثر کوشش کی ضرورت ہے اور جلسہ استدعا کرتا ہے کہ انجمن حمایت اسلام بطور مسلمانان پنجاب کی سب سے اعلیٰ تعلیمی جماعت کے مسلمانوں کے تعلیمی پروگرام کے اس حصہ کو نہایت مستعدی اور گرمجوشی سے پورا کرنے کے لیے ایک باضابطہ اور زبردست تحریک چلائے۔"

علامہ اقبال نے مذکورہ بالا قرارداد ایک چٹھی کی صورت میں انجمن کو بھیجی۔ ۱۲ر مئی ۱۹۱۲ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس انعقاد پذیر ہوا جس میں علامہ اقبال کی پیش کردہ قرارداد پر غور کرنے، مناسب تجاویز سوچنے اور رپورٹ پیش کرنے کے لیے بارہ اصحاب پر مشتمل ایک سب کمیٹی مقرر کی گئی، علامہ اقبال بھی اس سب کمیٹی کے رکن مقرر ہوئے۔[۳]

انجمن حمایت اسلام کی نمائندگی کرنے کے لیے حکومت نے انجمن سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنے تین ارکان کے نام بھیجے۔ چنانچہ چناؤ کے لیے ۱۹ر نومبر ۱۹۱۲ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ یہ چناؤ بذریعہ ووٹ عمل میں آیا اور علامہ اقبال (۲۱ ووٹ)، میاں فضل حسین (۲۵ ووٹ) اور ملک عمر حیات خان (۲۰ ووٹ) بطور نمائندہ مقرر کیے گئے۔[۴]

---

[۱] قلمی روداد جنرل کونسل، ۶ر مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۱۲ء

[۲] ایضاً

[۳] ایضاً ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء

[۴] ایضاً

۲۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء کو انجمن کی جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں " یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی " کے جلسہ منعقدہ ۲۷ر دسمبر ۱۹۱۲ء میں انجمن کے وفد کے ارکان نامزد کیے گئے۔ ان ارکان کا کام جلسہ میں شریک ہو کر یونیورسٹی کے معاملات کے بارے میں انجمن کے خیالات کا اظہار کرنا تھا، علامہ اقبال اس وفد کے رکن مقرر ہوئے[۱]۔ ظاہر ہے کہ علامہ اقبال نہ صرف آسمانِ ادب پر درخشندہ ستارے کی مانند فروزاں تھے بلکہ تعلیمی میدان میں بھی وہ اپنی ضیا پاشیوں سے آسمانِ علم کو منور کر رہے تھے۔

علامہ اقبال نے بعض وجوہ کی بنا پر ایجوکیشنل کانفرنس کی سیکرٹری شپ سے استعفےٰ دیدیا۔ ۲ر مارچ ۱۹۱۳ء کو جنرل کونسل کے اجلاس میں بحیثیت سیکرٹری ایجوکیشنل کانفرنس آپ کا استعفےٰ منظور کیا گیا۔ نیز کانفرنس کے مقاصد، اصول اور قواعد پر غور کرنے کے لیے ایک پانچ رکنی سب کمیٹی مقرر کی گئی۔ علامہ اقبال اس کے رکن منتخب ہوئے۔[۲]

علامہ اقبال انجمن کے جلسوں میں شرکت فرمانے، نظمیں پڑھنے اور خطبات دینے کے ساتھ ساتھ جہاں اپنی جیبِ خاص اور نظموں کی آمدنی سے انجمن کی مالی امداد فرماتے تھے وہاں انجمن کے مقرر کردہ وفود میں شریک ہو کر انجمن کے لیے چندہ اور عطیات فراہم فرماتے تھے۔

۲۳ر جولائی ۱۹۱۳ء کو مہاراجہ سرکشن پرشاد شادؔ، وزیرِ اعظم، حیدر آباد دکن لاہور تشریف لائے تو انجمن کا ایک وفد مہاراجہ کی خدمت میں حاضر ہوا تاکہ انجمن کے یتیم خانے کے لیے مہاراجہ سے مالی اعانت کی درخواست کرے اس وفد میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ مہاراجہ نے اس وفد کو ایک ہزار روپے انجمن کے یتیم خانہ کے لیے بطور عطیہ دیا[۳]۔ مہاراجہ کشن پرشاد شادؔ علامہ اقبال کے بے تکلف دوستوں میں سے تھے، علامہ اقبال مارچ ۱۹۱۰ء میں حیدر آباد تشریف لے گئے تھے اور وہاں کے اربابِ فضل و کمال کی صحبتوں سے مستفید ہوئے تھے۔ آپ کی نظم " شکریہ "[۴] اس سفر کی زندۂ جاوید یادگار ہے جس میں علامہ اقبال نے حیدر آباد دکن کے علم دوست اور ہنر پرور وزیرِ اعظم کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔

---

[۱] قلمی روداد جنرل کونسل ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء

[۲] ایضاً

[۳] ایضاً

[۴] مطبوعہ مخزن، جون ۱۹۱۰ء صفحہ ۱ تا ۴، علامہ اقبال اور مہاراجہ کے تعلقات کی تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو "شاد اقبال" و صحیفہ (اقبال نمبر حصہ اول) صفحہ ۱۶۱ تا ۱۸۸

علامہ اقبال نے پنجاب کی تعلیمی ترقی میں گراں بہا اور قابل قدر خدمات انجام دیں ۔ دیگر اداروں کے علاوہ آپ نے انجمن حمایت اسلام کے تعلیمی اداروں کی ترقی میں ذاتی دلچسپی لی، آپ انجمن کی مختلف کمیٹیوں کے رکن رہے جن میں کالج کمیٹی، اشاعت اسلام کمیٹی اور پنجاب ایجوکیشنل کانفرنس قابل ذکر ہیں ۔ جب آپ کی مدت رکنیت ختم ہوئی تو ۲۲ رفروری ۱۹۱۴ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں ان کمیٹیوں کے قواعد وضوابط میں ترمیم و اضافہ کیا گیا اور اراکین کا چناؤ عمل میں آیا ۔ چنانچہ علامہ اقبال کالج کمیٹی، اشاعت اسلام کمیٹی اور پنجاب ایجوکیشنل کانفرنس کے رکن منتخب کیے گئے ۔ [۱]

مئی ۱۹۱۵ء میں علامہ اقبال کی کالج کمیٹی کی رکنیت کی میعاد ختم ہوگئی تو ۲۳ رمئی ۱۹۱۵ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں اس میں مزید توسیع کی گئی ۔ [۲]

علامہ اقبال انجمن حمایت اسلام کی دامے ، درمے ، سخنے اور قلمے خدمات انجام دیتے رہے ۔ جب بھی انجمن کو آپ کی خدمات کی ضرورت پیش آئی آپ نے بخوشی انجمن کی دعوت قبول کی اور اپنے فرائض کو بطریق احسن انجام دیا ۔ ۱۹۱۸ء میں اسلامیہ کالج کے فلسفہ کے پروفیسر ڈاکٹر بیبگ انتقال کر گئے ۔ انجمن کو فوری طور پر کوئی موزوں اور قابل پروفیسر نہ ملا تو علامہ اقبال ایک طویل عرصے تک طلبا کو فلسفہ پڑھاتے رہے ۔

کچھ عرصہ سے انجمن کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اور رہی سہی ساکھ ختم ہونے والی تھی ۔ نتیجتاً ۱۹۱۸ء میں جو سالانہ جلسہ ملتوی ہوا دوبارہ نہ ہو سکا ۔ انجمن کے چندہ میں بھی روز بروز کمی واقع ہوتی جاتی تھی اور انجمن کے کارکنوں اور ہمدردوں میں بددلی اور مایوسی پھیلتی جاتی تھی ۔ یہاں تک کہ انجمن کے کئی پرانے ، پرجوش اور سرگرم کارکن انجمن سے قطع تعلق کر رہے تھے ۔ اس صورت حالات پر غور کرنے کے لیے نواب سر ذوالفقار علی خان ، صدر انجمن کی کوٹھی پر ۴ ردسمبر ۱۹۱۹ء کی شام کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں بہت سے ممبران کونسل کے علاوہ معززین و ہمدردان قوم بھی شریک ہوئے ، متفقہ طور پر قرار پایا کہ

> "خان صاحب شیخ عبدالعزیز ، جائنٹ سیکرٹری ، ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ ، سی آئی ڈی کی بجائے ڈاکٹر محمد اقبال کو سیکرٹری انجمن مقرر کیا جائے ۔"

چنانچہ علامہ اقبال نے ہمدردان انجمن کی اس درخواست کو قبول کر لیا ۔ اس کے بعد ایک وفد جس میں

---

[۱] قلمی روداد جنرل کونسل ۲۹ رستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲ رفروری ۱۹۱۴ء

[۲] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ راپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ ردسمبر ۱۹۲۱ء

سر ذوالفقار علی خاں، مولوی رحیم بخش اور کپتان نواب ملک مبارز خاں ٹوانہ شامل تھے، شیخ عبدالعزیز کے مکان پر گیا اور انہیں کونسل کے فیصلے سے آگاہ کیا پہلے تو شیخ صاحب نے استعفیٰ دینے سے انکار کیا لیکن جب انہیں وہ یادداشت دکھائی گئی جس میں ممبران کونسل کی کثیر تعداد نے ان کے عہدہ سیکرٹری سے سبکدوش ہونے کی درخواست کی تھی اور اس پر اپنے دستخط ثبت کیے تھے، تو شیخ صاحب نے اسے دیکھنے کے بعد مندرجہ ذیل استعفیٰ لکھ دیا :

مکرم بندہ جناب آنریبل نواب سر ذوالفقار علی خاں، سی۔آئی۔ای، صدر انجمن حمایت اسلام، لاہور

بعد سلام علیکم کے گزارش ہے کہ بعض حالات کی وجہ سے میں انجمن حمایت اسلام کے آنریری سیکرٹری کے عہدے سے استعفیٰ دیتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کا تقرر کر کے مجھے سبکدوش فرمایا جائے گا۔

نیاز مند

عبدالعزیز

۴ دسمبر ۱۹۱۹ء [1]

انجمن حمایت اسلام کی ناگفتہ بہ حالت پر غور کرنے کے لیے مسلمانانِ لاہور کا ایک جلسہ عام ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا جس میں مولانا ظفر علی خان نے دو قراردادیں پیش کیں جو متفقہ طور پر منظور ہوئیں۔ دوسری قرارداد میں تحریر تھا :

"مسلمانانِ لاہور کا یہ جلسہ ان سنگین بدعنوانیوں کو جو انجمن حمایت اسلام کی کارفرما جماعت کے بعض افراد سے سرزد ہو کر انجمن کے اغراض و مقاصد کو خطرناک نقصان پہنچا رہی ہیں، نہایت تشویش اور اضطراب کی نظر سے دیکھتا ہے اور بدرجہ مجبوری اپنے اس آخری اختیار کو کام میں لا کر جو انجمن حمایتِ اسلام کی امانت کے امین اعلیٰ ہونے کے لحاظ سے اس کو حاصل ہے، انجمن کے کارفرماؤں سے مطالبہ کرتا ہے کہ عہدہ داران مجلس نظم و نسق انجمن کے انتخاب آئندہ میں حسب ذیل حضرات کو جن پر قوم کا پورا اعتماد ہے، منتخب کرے۔

پریذیڈنٹ	نواب ذوالفقار علی خان
جنرل سیکرٹریاں	ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، حاجی شمس الدین

---

[1] پیسہ اخبار، ۷ دسمبر ۱۹۱۹ء، صفحہ ۲

صدر مجلس انتظامیہ اسلامیہ کالج   میاں فضل حسین

چنانچہ اس قرارداد پر غور و خوض اور اس پر عمل درآمد کرنے کے لیے جنرل کونسل کا ایک اجلاس ۳۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو نواب ذوالفقار علی خاں کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں ممبران کی واضح تعداد نے شرکت کی۔

ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کی تحریک اور دیگر ارکان کی تائید سے نواب ذوالفقار علی خاں صدر انجمن منتخب ہوئے۔ سردار حبیب اللہ خاں بیرسٹر نے علامہ اقبال کا نام عہدۂ آنریری سکرٹری انجمن کے لیے پیش کیا۔ اس تجویز کے مقابلہ میں کوئی اور تجویز پیش نہ ہوئی لہٰذا علامہ اقبال بلامقابلہ آنریری سکرٹری منتخب ہوئے۔ [1]

علامہ اقبال اور نواب ذوالفقار علی خان کا تقرر چونکہ عوام کی آرزوؤں اور اُمنگوں کے پیش نظر ہوا تھا، لہٰذا اسے بنظر استحسان دیکھا گیا۔ انجمن حمایت اسلام کا پینتیسواں سالانہ جلسہ ۲ تا ۴ اپریل ۱۹۲۰ء کو منعقد ہوا۔ ۲ اپریل والے اجلاس کی صدارت نواب ذوالفقار علی خاں نے کی۔ صدر جلسہ نواب ذوالفقار علی خاں نے علامہ اقبال کو آنریری سکرٹری منتخب ہونے پر زبردست خراج عقیدت پیش کیا۔ آپ نے فرمایا:-

"صاحبان! میں انجمن کے عہدہ داروں کے جدید انتخاب کی بابت کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ دو دن ہوتے کہ انجمن کے صدر اور آنریری سکرٹری کا سہ سالہ انتخاب ہوا ہے جو آپ سے پوشیدہ نہیں۔ اس سے جو تبدیلیاں ہوئی ہیں خدا ان کو موجب برکت کرے اور وہ اہل اسلام کی ترقی اور بہبودی کا موجب ہوں۔ میں خود تو ناچیز ہوں مگر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب جو آنریری سکرٹری ہوئے ہیں اور ان کی نظیر ہندوستان بھر میں نہیں ملتی۔ ڈاکٹر صاحب میں جو طاقت اور علم ہے وہ کسی اور میں نہیں پائے جاتے۔ ہماری دعا ہے کہ وہ اپنی لیاقت، اپنے بنی نوع انسان کی خدمت اور بہبودی میں صرف کریں۔ واقعات ایسے پیش آئے کہ تبدیلی ہونا ضروری تھی۔ اگر حالت ویسی بھی رہتی تو راستی کو فروغ نہ ہوتا۔ اس تبدیلی سے ظاہر ہو گیا کہ سچ بلند ہوتا ہے اور جھوٹ گرتا ہے۔"

اور اسی سلسلے میں سید محمد شاہ صاحب وکیل ممبر جنرل کونسل نے فرمایا:-

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

"میں نواب صاحب پریذیڈنٹ انجمن اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب آنریری سکرٹری کا اپنی اور پبلک کی طرف سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اپنے عہدوں کو قبول فرمایا۔ سکرٹری شپ کو ڈاکٹر صاحب کے ہونے سے فخر ہے۔"

اور سکرٹری انجمن نے کہا :۔

"جو شکریہ سید محمد شاہ صاحب وکیل نے ابھی پبلک کی طرف سے ڈاکٹر صاحب کا ادا کیا ہے وہ زبانی شکریہ تھا۔ اسلامیہ کالج کے طلبا جو چند روز سے فراہمی چندہ میں سرگرم کار ہیں عملی شکریہ ادا کرتے ہیں اور اس امر کے اعلان کرنے کی مجھے خواہش کرتے ہیں کہ وہ پانچسو روپیہ اور ڈاکٹر صاحب کے سکرٹری انجمن ہونے کے شکریہ میں دیں گے۔" [1]

علامہ اقبال نے ملی اور ملی جو شاندار خدمات انجام دیں، پوری قوم نے ان کا اعتراف کیا۔ علامہ اقبال نے بھی قومی خدمات کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ مئی ۱۹۲۹ء میں ہائیکورٹ میں ججی کی جگہ خالی ہوئی تو بعض حلقوں نے علامہ اقبال کے تقرر کے لیے تحریک پیش کی۔ لیکن بعض نے مسلمانانِ کشمیر کی تعلیمی پستی دُور کرنے کے لیے محکمہ تعلیم کی سربراہی کے لیے علامہ اقبال کا نام پیش کیا۔ حمایت اسلام اس ضمن میں رقمطراز ہے :۔

"جب پنجاب ہائی کورٹ میں ججی کی جگہ خالی ہوئی تو اس پر ڈاکٹر سر محمد اقبال کے تقرر کی تحریک بعض حلقوں سے پیش کی گئی۔ اب سر محمد حبیب اللہ کے ریٹائر ہونے پر وائسرائے کی ایگزیکٹو کونسل کی ممبری کے لیے ڈاکٹر صاحب کا نام پیش کیا جا رہا ہے۔ ایک معاصر نے حال میں یہ تجویز پیش کی ہے کہ مسلمانانِ کشمیر کی تعلیمی پستی کے رفع کرنے کی غرض سے محکمہ تعلیم کشمیر کی زمام ڈاکٹر صاحب کے قابل ہاتھوں میں دی جائے۔

ڈاکٹر سر محمد اقبال کی سی قابلیت، علمیت، استعداد اور عالمگیر شہرت کے انسان کے متعلق اس قسم کی تجاویز کا پیش ہونا اور ان کا تشنۂ تکمیل رہ جانا ایک اچنبہ ہے۔ حکومت کی نگاہ نکتہ رس کو تو ایسی زبردست شخصیت کو مدتوں پہلے نظام حکومت کی کل کا ایک اہم پرزہ بنا لینا چاہیئے تھا۔ اگر حکومت ہند یا حکومتِ کشمیر نے جناب ممدوح کی خدمات حاصل کر لیں تو اس میں خود اسی حکومت کا فائدہ ہے جو ان کی خدمات حاصل کرے گی۔" [2]

---

[1] روداد پینتیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲ تا ۴ اپریل ۱۹۲۰ء۔ [2] حمایت اسلام ۹ مئی ۱۹۲۹ء، صفحہ ۲

لیکن مقامِ افسوس ہے کہ ایک کٹر متعصب ہندو سر شادی لال (جو علامہ اقبال کا ہم جماعت تھا) آڑے آیا، وہ ان دنوں پنجاب ہائی کورٹ کا چیف جسٹس تھا۔ حکومت نے اس سے رائے طلب کی تو اس نے لکھا:

''We know him as a Poet, but we do not know him as a lawyer'' [۱]

شادی لال نے آپ کے تقرر کی مخالفت کی جس کے باعث علامہ اقبال جج نہ بن سکے۔

علامہ اقبال کی قانونی حیثیت مسلّم تھی۔ لوگ دور دراز سے اپنے مقدمات کی پیروی کے لیے آپ کے پاس تشریف لاتے مگر یہ درویش خدامست اپنی گھریلو ضروریات کے پیشِ نظر مقدمات لیتا، باقی لوگوں کو انتہائی معذرت کے ساتھ جواب دے دیا جاتا۔ آپ مقدمات کی پیروی کے سلسلے ہندوستان کے تقریباً تمام بڑے بڑے شہروں ـــــ کانپور، فیروزپور، شملہ، پٹیالہ، کشمیر، کرنال، بہاولپور، بمبئی، دہلی، کلکتہ وغیرہ تشریف لے جاتے تھے۔ جس سے مترشح ہوتا ہے کہ آپ بہت زیادہ کامیاب بیرسٹر تھے۔ آپ کی انہی خدمات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انجمن حمایت اسلام نے اپنا قانونی مشیر مقرر کیا۔ چنانچہ آپ انجمن کے اوقاف کے سلسلے میں مقدمات کی پیروی کرتے رہے۔ آپ نے گوجرانوالہ وقف کے ضمن میں انجمن کے مقدمے کی پیروی فرمائی۔ [۲]

مثال کے طور پر مسماۃ عمر بی بی مرحومہ کی جائداد کے سلسلے میں عطا الٰہی اور فضل الٰہی نے سب جج گوجرانوالہ کی عدالت میں اپیل کر رکھی تھی جس میں انجمن حمایت اسلام ریسپانڈنٹ تھی۔ ۲۳ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو عدالت عالیہ ہائی کورٹ میں پیشی تھی۔ اپیلانٹ کی طرف سے ڈاکٹر گوکل چند نارنگ پیروکار تھے جبکہ انجمن کی طرف سے علامہ اقبال اور میاں فضل حسین پیش ہوئے۔ مقدمہ ساڑھے گیارہ بجے شروع ہوکر ساڑھے تین بجے ختم ہوا۔ اپیل خارج ہوگئی اور ثلث (⅓) جائداد کی ڈگری جو عدالت ماتحت نے ۱۴ر اپریل ۱۹۱۶ء کو بحق انجمن صادر کی تھی، بحال رہی۔ اس کارنامہ کا سہرا علامہ اقبال اور میاں فضل حسین کے سر تھا۔ چنانچہ ۱۱ر جنوری ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس مولوی فضل الدین نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں فیصلہ کیا گیا کہ علامہ اقبال اور میاں فضل حسین کا شکریہ ادا کیا جائے۔ [۳]

---

[۱] روزگار فقیر (جلد اوّل)، صفحہ ۱۱۴

[۲] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء

[۳] ایضاً

ایک کامیاب بیرسٹر اور ماہر تعلیم کی حیثیت سے علامہ اقبال نے گراں قدر خدمات انجام دیں تو انجمن نے آپ کو ایک اور ذمہ داری سونپ دی، یعنی ۳۱ مارچ ۱۹۲۰ء کو آپ انجمن کے آنریری جنرل سکرٹری مقرر کیے گئے۔[۱]

۱۸ اپریل ۱۹۲۰ء کے اجلاس جنرل کونسل میں مقامی ممبران کونسل کا انتخاب عمل میں آیا۔ علامہ اقبال کونسل مذکور کے رکن منتخب کئے گئے۔ علاوہ ازیں ارکین کے انتخاب کے لیے جو سب کمیٹی تشکیل دی گئی، علامہ اقبال اس کے سکرٹری مقرر ہوئے۔[۲] چنانچہ ۲۱ اپریل ۱۹۲۰ء کو سب کمیٹی مذکور کا اجلاس آپ کے دولت کدے پر آپ ہی کی صدارت میں منعقد ہوا اور کالج کمیٹی، سکولز کمیٹی، زنانہ مدارس کمیٹی، ابتدائی تعلیم کمیٹی، فنانس کمیٹی، یتیم خانہ کمیٹی، تالیف و طبع کمیٹی، بلڈنگ کمیٹی اور اشاعت اسلام کمیٹی کے ارکین کا انتخاب عمل میں آیا۔ علامہ اقبال نے بحیثیت آنریری جنرل سکرٹری کارروائیوں پر اپنے دستخط ثبت فرمائے۔[۳]

پراونشل ایجوکیشنل کانفرنس کے قیام اور مکمل سکیم تیار کرنے کے لیے ۱۶ مئی ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ ایک چار رکنی کمیٹی قائم کی گئی، علامہ اقبال اس کمیٹی کے رکن منتخب کیے گئے۔[۴]

علامہ اقبال کو یتیموں سے کس قدر انس، محبت اور پیار تھا، اس کا واضح ثبوت آپ کی بے عدیل نظم "نالۂ یتیم" ہے۔ آپ ہمیشہ یتیموں کے معاملات میں خصوصی دلچسپی لیتے اور انہیں حل کرنے کے لیے اپنی تمام مساعی بروئے لاتے۔ یتیم خانہ کے لیے اراضی کا ایک وسیع ٹکڑا مہیا کرنے کی غرض سے ۴ جولائی ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا اجلاس ہوا جس میں ایک چھ رکنی سب کمیٹی تشکیل دی گئی، آپ اس کمیٹی کے رکن قرار پائے۔ اس کمیٹی کا کام بھاٹی گیٹ سکول کے نزدیک اراضی کے بارے میں بات چیت کرنا اور اس کے حصول کے لیے خصوصی انتظام کرنا تھا۔ یہ زمین میاں شاہنواز بیرسٹر ایٹ لاء کی ملکیت تھی۔[۵]

۳ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں بلڈنگ کمیٹی، سکولز کمیٹی، ابتدائی تعلیم تالیف و طبع کمیٹی، یتیم خانہ کمیٹی اور کالج کمیٹی کے جلسوں کی قراردادیں پیش ہوئیں۔

علامہ اقبال نے بحیثیت آنریری سکرٹری مندرجہ ذیل قراردادیں پیش کیں:

○ خان بہادر شیخ نصیر الدین صاحب لائف آنریری پریذیڈنٹ کے انتقال پر ملال کے دردناک

۱۔ قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء ۲۔ قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

۳۔ ایضاً ۴۔ ایضاً

۵۔ ایضاً

واقعہ کا نہایت رنج وافسوس سے ذکر کیا اور تحریک کی کہ اس حادثہ کی نسبت جنرل کونسل کی طرف سے اظہار افسوس کیا جائے اور ان کے پسماندگان کی خدمت میں تعزیت نامہ بھیجا جائے۔
یہ تحریک بالاتفاق منظور کی گئی اور قرار پایا کہ مرحوم کی یادگار میں اسلامیہ ہائی سکول بیرون بھاٹی گیٹ کی عمارت میں کتبہ لگایا جاوے۔

- قواعد وضوابط پنجاب مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کے متعلق حاجی شمس الدین نے نوٹ پڑھ کر سنائے۔ بعد غور قرار پایا کہ قواعد ہذا سب کمیٹی کے پاس واپس بھیجے جاویں کہ سب کمیٹی ان پر مکرر غور کرے۔
- سب کمیٹی متعلق تحقیقات یتیم خانہ کی رپورٹ پڑھ کر سنائی۔ کونسل نے رپورٹ کے پہلے حصے سے کلی اتفاق کیا۔ رپورٹ کے دوسرے حصے یتیم خانہ کے عام انتظام کے متعلق بالاتفاق قرار پایا کہ رپورٹ یتیم خانہ کمیٹی کو واپس بھیجی جائے کہ تجاویز مندرجہ رپورٹ کو منظور کرنے سے کس قدر مزید خرچ ہو گا۔ موجودہ اخراجات سے اس کا مقابلہ کرکے رپورٹ کی جائے۔
- آپ نے کہا کہ سردار عالی جناب محمود طرزی امیر ہیئت مذاکرات دولت علیہ افغانستان کے منصوری سے واپسی کے وقت انجمن نے ایک ایڈریس دینے کا انتظام کیا تھا لیکن وہ بوجوہ لاہور میں قیام نہ کر سکے۔ کیونکہ ایڈریس کا مسودہ مکمل ہے لہذا کونسل فیصلہ کرے کہ اس کے متعلق کیا کارروائی کی جائے۔
قرار پایا کہ داخل دفتر کیا جائے [1]

اسلامیہ کالج ہوسٹل کے لیے اراضی کی خرید کا مسئلہ درپیش تھا۔ اس سلسلے میں ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا، علامہ اقبال نے فرمایا:

"آج کا خاص اجلاس صرف اس غرض سے منعقد کیا گیا ہے کہ ہوسٹل کے لیے جس اراضی کے خریدے جانے کا گزشتہ اجلاس کونسل میں ذکر آیا تھا اور بوجہ کمی سرمایہ کے جس کا خریدنا سردست ملتوی کیا گیا تھا، مزید غور کے لیے آپ کے سامنے دوبارہ پیش کیا جاتا ہے۔ تحریک اس امر کی ہے کہ گراؤنڈ کا وہ حصہ جو کیلیانوالی سڑک سے ملحق ہے اور جس کا رقبہ تین کنال بنتا ہے، فروخت کی جائے اور زرِ فروخت اور کچھ رقم سرمایۂ انجمن سے لے کر میاں دین محمد خلف الرشید میاں غلام رسول، سوداگر چوب کٹھ والی زمین ہوسٹل کی توسیع کے لیے خریدی جائے"۔

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ راپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

اس تحریک پر کافی بحث ومباحثہ ہوا۔ بعض اراکین کا خیال تھا کہ گراؤنڈ والی زمین فروخت کرنے سے گراؤنڈ اور کالج کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہے، اس لیے گراؤنڈ کا کوئی حصہ فروخت نہ کیا جائے بلکہ اراضی مطلوبہ سرمایۂ انجمن سے خرید لی جائے۔

بالآخر کثرت رائے سے قرار پایا کہ گراؤنڈ والی زمین فروخت نہ کی جائے اور مطلوبہ تین کنال زمین خرید لی جائے۔ تمام اخراجات متعلقہ خرید زمین منظور کیے گئے۔ [1]

تحریک خلافت اور ترک موالات کے دوران مسلمانانِ ہند کے اتحاد کا مثالی نمونہ دیکھنے میں آیا۔ لیکن جب اسلامیہ کالج لاہور کے پرنسپل ہنری مارٹن نے اسلام اور مسلمانانِ لاہور کے خلاف بیان داغ دیے تو مسلمان بھی دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ اسلامیہ کالج کے طلبہ عدم تعاون کی حمایت پر تلے ہوئے تھے۔ پرنسپل کے اسلام اور ملت اسلام دشمن بیانات نے جلتی پر تیل کا کام کیا اور فیصلہ کیا کہ وہ کالج سے اپنا تعلق قائم نہیں رکھیں گے اور ترک موالات کی تحریک کو جاری رکھیں گے۔ ادھر لاہور کے تمام ٹرسٹیاں اسلامیہ کالج عدم تعاون کے سخت مخالف تھے اور یونیورسٹی سے قطع تعلق کرنے اور سرکاری امداد چھوڑ دینے کے خلاف تھے۔ علامہ اقبال کی سکرٹری شپ کے زمانے میں انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے متعدد اجلاس منعقد ہوئے تھے جن میں اس تاریخ ساز واقعے پر غور وخوض کیا گیا۔ خود علامہ اقبال جمعیت علمائے ہند کے فیصلے کے منتظر تھے اور ترک موالات کے ہم خیال تھے۔ یہ کھینچا تانی جاری رہی۔ علامہ اقبال نے اس سلسلے میں تقاریر کیں اور بیانات بھی دیے جن کی تفصیل آگے پیش کی جا رہی ہے۔ ادھر مولوی حاکم علی بی۔ اے پروفیسر اسلامیہ کالج نے جو فتویٰ دیا وہ اسلامیہ کالج کے یونیورسٹی سے الحاق قائم رکھنے اور سرکاری امداد نہ چھوڑنے کے بارے میں تھا، انہوں نے اپنے فتوے میں لکھا:

"میں فتویٰ دیتا ہوں کہ یونیورسٹی کے ساتھ الحاق جاری رکھنا اور سرکاری امداد لینا جائز ہے"۔ [2]

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل نے اپنے ہنگامی اجلاس میں کالج کا الحاق یونیورسٹی سے قائم رکھنے اور امداد جاری رہنے کا فیصلہ کیا اور اس فیصلے کی رو سے پرنسپل ہنری مارٹن نے کالج کھول دیا۔ جو طلبہ ترک موالات کے حامی اور اس تحریک میں پیش پیش تھے، پرنسپل نے ان میں سے آٹھ طلبا کو سرٹیفکیٹ دے کر کالج چھوڑنے کا حکم دیا لیکن سب نے انکار کر دیا۔ اس پر پرنسپل نے کالج کمیٹی کی منظوری سے ان کو معطل کر دیا۔ معطل ہونے والے

---

[1] نقل روداد جنرل کونسل ۵ را پریل ۱۹۱۴ء تا ۴ ر دسمبر ۱۹۲۱ء

[2] پیسہ اخبار، ۲ ر نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

طلبہ میں عبدالسمیع، محمد امین، سلطان احمد اور نذیر احمد نیازی قابل ذکر ہیں۔ پرنسپل نے ان طلبہ کے ساتھ نہایت ناروا سلوک کیا اور انہیں بازوؤں اور کپڑوں سے پکڑ کر، دھکے دے کر باہر نکال دیا۔ جناب نظام الدین سپرنٹنڈنٹ بورڈنگ ہاؤس نے احتجاجاً استعفیٰ دے دیا۔ پرنسپل کے اس غیر شائستہ اور ناروا سلوک کے پیش نظر طلبہ نے زبردست مظاہرہ کیا۔ کالج میں سٹرائیک ہوگئی اور فیصلہ ہوا

"جب تک ہنری مارٹن اسلامیہ کالج کے پرنسپل رہیں گے، طلبہ کالج میں نہیں جائیں گے۔ ہنری مارٹن کو کالج سے علیحدہ کیا جائے۔" [۱]

۱۶ر نومبر کو مسلمانانِ لاہور کا ایک اہم جلسہ عام منعقد ہوا جس میں فیصلہ ہوا کہ

ا۔ یہ جلسہ عام ان ممبران انجمن کے خلاف سخت ناراضگی کا اظہار کرتا ہے جنہوں نے ۱۴ر اکتوبر کے جلسہ میں الحاق قائم رکھنے کے حق میں رائے دی اور مطالبہ کرتا ہے کہ شرع اسلام کے مطابق الحاق کا فیصلہ کیا جائے۔

ب۔ ان ممبران کی تعریف کرتا ہے جنہوں نے جلسہ میں صدائے حق بلند کی۔

ج۔ پرنسپل کی اس کارروائی کو ناراضگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے کہ اس نے تیس طلبہ کو بورڈنگ ہاؤس سے نکال دیا اور سول اخبار میں عدم تعاون کے خلاف چٹھی لکھی۔

د۔ مسٹر ہنری مارٹن کو کالج سے علیحدہ کیا جائے کیوں کہ وہ ایک مسلم کالج کے سربراہ بننے کے قابل نہیں [۲]

اسی روز مسلمانانِ لاہور کا ایک اور جلسہ بیرون دہلی دروازہ لاہور میں منعقد ہوا۔ جس میں ایک وفد مقرر کیا گیا کہ وہ سکرٹری کالج کونسل کے پاس جا کر دریافت کرے کہ کیوں ہنری مارٹن نے کچھ طلبا کو "تحریک خلافت" سے ہمدردی کے باعث کالج سے معطل کر دیا۔

۱۷ر نومبر کو یہ وفد علامہ اقبال کی خدمت میں پہنچا اور ان سے اس معطلی کی کارروائی کے متعلق پوچھا۔ انہوں نے فرمایا "یہ اندرونی معاملہ ہے میں اس میں مداخلت نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں ذاتی طور پر میں پرنسپل مارٹن کی اس حرکت کو سخت ناواجب خیال کرتا ہوں۔" چنانچہ انہوں نے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے ایک خط میاں فضل حسین سکرٹری کالج کمیٹی کے نام تحریر فرمایا کہ وہ اس بیجا کارروائی کے متعلق مناسب کارروائی کریں۔ علامہ اقبال کا یہ خط لے کر وفد میاں فضل حسین کے پاس پہنچا اور ان سے گفتگو کی جو نہایت مایوس کن

---

[۱] پیسہ اخبار، ۱۹ر نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[۲] پیسہ اخبار، ۲۰ر نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۴

ثابت ہوئی۔ وفد ناکام ہو کر واپس لوٹ آیا [1]

طلبہ کی عدم تعاون کی تحریک جاری رہی۔ ان کا مطالبہ تھا کہ اگر کالج کا پنجاب یونیورسٹی سے الحاق نہ توڑا گیا تو وہ کالج نہیں کھلنے دیں گے اور کلاسوں کا بائیکاٹ جاری رکھیں گے۔ کونسل کے فیصلے کی رُو سے دوبارہ کالج کھلا تو حالات بے قابو ہو گئے۔ کالج کے ہال پر حامیان عدم تعاون نے قبضہ کر لیا جن کی تعداد پانچسو سے متجاوز تھی۔ ان کا مطالبہ زور پکڑ چکا تھا اور اب ان کی جنگ "ان مسلمانوں سے تھی جو دشمنان دین تھے"۔

بالآخر طلبہ کی قربانی رنگ لائی۔ ادھر جمعیت علمائے ہند کے اجلاس منعقدہ دہلی نے عدم تعاون کے حق میں فیصلہ دیتے ہوئے کہا:

"قومی اوقاف، قومی کالجوں اور سکولوں کے ایسے کارپرداز جنہوں نے ترک موالات اور عدم الحاق سے انکار کر کے پابندیٔ مذہب سے انحراف کیا ہے، مسلمانوں سے علیحدہ رہنے والے اور دشمنوں کی طرف سے دوستی کا ہاتھ بڑھانے کے مجرم ہیں۔ اس لیے جب تک وہ اپنے طرز عمل سے تائب نہ ہوں مسلمانوں کو ان کی امداد و اعانت سے سروکار نہ رکھنا چاہیئے۔ اسی طرح طلبہ اپنے سرپرستوں سے اور اساتذہ اپنے سکولوں یا کالجوں سے کچھ تعلق نہ رکھیں گے۔" [2]

آخر کار مسلمانوں اور طلبہ کی خواہش کے مطابق مسٹر ہنری مارٹن معزول اور مولوی حاکم علی معطل کر دیے گئے اس طرح یہ ڈرامہ اختتام پذیر ہوا۔

۲۱ نومبر ۱۹۲۰ء کو انجمن حمایت اسلام لاہور کا ایک ہنگامی جلسہ منعقد ہوا جس میں انجمن کی کونسل کے تقریباً بیس ممبر شامل ہوئے۔ مولانا محمد علی، مولانا شوکت علی اور مولانا ابوالکلام آزاد بھی جلسہ میں موجود تھے۔ مولانا آزاد نے اپنی تقریر میں ترک موالات پر زور دیا اور کہا کہ "جو لوگ مسلمانوں کے دشمن ہوں ان سے ترک موالات کیا جائے۔" شیخ عبدالقادر نے اپنی تقریر میں ترک موالات سے مسلمانوں کو تعلیمی نقصان پہنچنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ "ترک موالات نہیں ہونا چاہیئے۔" بعد ازاں مولانا محمد علی نے ایک طویل تقریر کی اور بعض ممبران کونسل کی طرف سے یہ تحریک قلم بند کی گئی کہ کونسل میں حسب ذیل ریزولیشن بغرض منظوری پیش کیا جائے۔

۱۔ سرکار سے تیس ہزار سالانہ امداد نہ لی جائے جو اسلامیہ کالج لاہور کو ملتی ہے اور اس قدر مالی بوجھ

---

[1] پیسہ اخبار ۲۰ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۵

[2] پیسہ اخبار ۲۶ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۷

قوم اٹھائے۔

ب۔ اگر طلبا نے کثرت رائے سے منظور کر لیا تو کالج کا الحاق یونیورسٹی سے نہ رہے۔

علامہ اقبال چونکہ آنریری جنرل سیکرٹری تھے۔ آپ نے اس حیثیت میں رپورٹ پیش کی۔ آپ نے بھی مذکورہ بالا قراردادوں کے حق میں رائے دی اور ترک موالات پر زور دیتے ہوئے فرمایا کہ

"میں ہمیشہ ہر معاملے کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور جب تک کسی امر پر پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا، قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی۔"[1]

ترک موالات کے سلسلے میں مسلمان دو گروہوں میں بٹ گئے۔ ایک گروہ اس بات کا حامی تھا کہ ترک موالات نہ کیا جائے جبکہ دوسرے گروہ کا یہ خیال تھا کہ ترک موالات جاری رکھا جائے۔ میاں فضل حسین، سکرٹری کالج کمیٹی چاہتے تھے کہ

"اسلامیہ کالج اور سکولوں کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے قائم رکھا جائے۔"

اس معاملے پر غور کرنے کے لیے ۴ / نومبر ۱۹۲۰ء کو جنرل کونسل کا اجلاس انعقاد پذیر ہوا۔ اکثر ارکین نے اس تجویز کی تائید کی کہ فیصلہ کرنے سے پہلے علماء سے استصواب کرنا ضروری ہے۔ علامہ اقبال مؤخر الذکر خیال کے حامی تھے۔[2] تفصیلات کے لیے ترجمان انجمن (صفحہ ۹۸) ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ اقبال نہ صرف انجمن کی مختلف کمیٹیوں کی روح رواں تھے بلکہ جلسوں کے انتظام و انصرام میں بھی پیش پیش ہوتے تھے۔ ۲۳ / جنوری ۱۹۲۱ء کو جنرل کونسل کا جو اجلاس منعقد ہوا اس میں ۲۷ / مارچ ۱۹۲۱ء کو ہونے والی ایجوکیشنل کانفرنس کے اہتمام کے لیے ایک دس رکنی کمیٹی مقرر کی گئی جس کے علامہ اقبال رکن منتخب ہوئے۔ اسی طرح انجمن کے چھتیسویں سالانہ جلسے کے بارے میں فیصلہ ہوا کہ وہ ۲۴ تا ۲۶ / مارچ ۱۹۲۱ء کو منعقد ہو۔ سالانہ جلسے کے انتظام و اہتمام کے لیے بھی چودہ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی اور علامہ اقبال اس کے رکن بنائے گئے۔[3]

اسلامیہ کالج ہوسٹل کی تعمیر کے لیے قطعہ اراضی خریدنے کی خاطر جو سب کمیٹی قائم ہوئی تھی، اس نے اپنی رپورٹ

---

[1] پیسہ اخبار، ۲۲ / اکتوبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[2] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ / اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ / دسمبر ۱۹۲۱ء

[3] ایضاً

پیش کردی تو اس پر غور و خوض کرنے کے لیے ۷ فروری ۱۹۲۱ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا، علامہ اقبال نے بحیثیت سیکرٹری انجمن رپورٹ پیش کی جو بالاتفاق منظور ہوئی اور چھ رکنی سب کمیٹی بنائی گئی جس میں علامہ اقبال بھی شامل تھے۔ کمیٹی کو اختیار دیا گیا تھا کہ کوئی اور قطعہ زمین خریدنے کا انتظام کرے۔ [1]

۳۱ جولائی ۱۹۲۲ء کو آپ نے بعض ناگزیر وجوہات کی بنا پر آنریری جنرل سکرٹری شپ سے استعفیٰ دے دیا۔ انجمن نے استعفیٰ واپس لینے کے سلسلے میں آپ کی خدمت میں وفود بھیجے، آپ نے ناسازیٔ طبع اور دیگر مصروفیات کے پیشِ نظر معذوری کا اظہار فرمایا لیکن انجمن نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔ بالآخر ۸ جولائی ۱۹۲۳ء کو آپ دوبارہ آنریری جنرل سکرٹری مقرر کیے گئے۔ آپ نے تقریباً دس ماہ تک بحیثیت سکرٹری خدمات انجام دیں اور ۱۹ مئی ۱۹۲۴ء کو مستعفی ہو گئے۔ مستعفی ہونے کے بعد آپ نے انجمن کو یقین دیا کہ آپ اگرچہ انجمن کے عہدیدار نہیں رہے لیکن حسب سابق انجمن کی خدمت بجالاتے رہیں گے۔ جنرل کونسل نے آپ کا استعفیٰ منظور کر کے آپ کو دائمی صدر مقرر کر دیا۔

۱۹ جنوری ۱۹۳۰ء کو گرانٹ کے سلسلے میں ریاست بہاولپور جانے کے لیے ایک وفد مقرر کیا اور علامہ اقبال کو اس وفد کا سربراہ بنایا۔ ۲۳ مارچ ۱۹۳۰ء کو آپ کالج کمیٹی کے رکن منتخب کیے گئے۔ ۲۷ دسمبر ۱۹۳۰ء کو نواب بہاولپور نے انجمن کے سالانہ جلسے کی صدارت فرمائی۔ علامہ اقبال نے "لائف پریذیڈنٹ" کی حیثیت سے نواب صاحب کی خدمت میں "سپاسنامہ" پیش کیا جس کی تفصیل ترجمان انجمن (صفحہ ۱۲۱) پر درج کی گئی ہے۔

جون ۱۹۳۴ء میں سر شیخ عبدالقادر، صدر انجمن، ممبر انڈیا کونسل کی حیثیت سے لندن تشریف لے گئے تو کرسیٔ صدارت خالی ہو گئی۔ چنانچہ یکم جولائی ۱۹۳۴ء کو علامہ اقبال کو انجمن کا صدر منتخب کیا گیا۔[2] آپ کے چناؤ کا ملک بھر میں خیر مقدم کیا گیا۔ پیسہ اخبار نے آپ کے تقرر پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے لکھا:

"مسلمانانِ پنجاب اس خبر کو سن کر بے حد مسرور ہوں گے کہ انجمن حمایت اسلام لاہور نے علامہ سر محمد اقبال کو اپنا صدر منتخب کیا ہے۔ سر عبدالقادر چونکہ انڈیا کونسل کے رکن مقرر کیے گئے ہیں اور وہ اپنے نئے عہدے کا چارج لینے کے لیے لندن چلے گئے ہیں۔ اس لیے انجمن کی صدارت خالی پڑی تھی حکیم ملت اقبال سے بڑھ کر اس عہدہ کے لائق کوئی دوسرا شخص نہیں ہو سکتا۔ وہ اعلیٰ پایہ کے

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء

[2] ایضاً یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

فلاسفر، مشرق کے مایہ ناز شاعر، بلند پایہ مقنن اور قومی کاموں میں گہری دلچسپی لینے والے بزرگ ہیں"۔[1] اور حمایت اسلام لاہور نے "انجمن حمایت اسلام کی صدارت" کے عنوان سے مندرجہ ذیل نوٹ شائع کیا:۔

"اسلامیان پنجاب کی ہر دل عزیز اور سب سے پرانی انجمن کی کرسی صدارت خان بہادر شیخ عبدالقادر کے ولایت تشریف لے جانے پر خالی ہوگئی تھی۔ اراکین انجمن موصوف کی نظر انتخاب کی کس زبان سے داد دی جائے کہ انہوں نے اس عہدۂ جلیلہ کے لیے دُنیائے اسلام کی اس ممتاز شخصیت کا انتخاب کیا جس کی قابلیت کا سکہ آج متمدن دُنیا کے تمام اکناف پر چھایا ہوا ہے۔ ڈاکٹر سر شیخ محمد اقبال عالم اسلام کی ایک نہایت مقتدر ہستی ہیں۔ جب سے جناب ممدوح نے سیاسیات میں دخل دیا ہے، اسلامی ہند میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ایک نہایت نغز گو اور عدیم النظیر شاعر ہی نہیں بلکہ آپ کا تبحر علمی اور واقفیت عامہ اس درجہ تک پہنچی ہوئی ہے کہ آپ بہمہ وجوہ فرزانۂ روزگار ہیں۔ دعا ہے کہ آنجناب کی صدارت میں وہ تمام تجاویز و عزائم جو پنجاب کی واحد انجمن چند در چند وجوہ کی بنا پر پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا سکی، تشنۂ تکمیل نہ رہیں گے اور آپ کی صدارت کا زمانہ ان تمام خوبیوں کا متحمل ہو جن کی توقع آپ کی ذات والا صفات سے ہے"۔[2]

---

[1] پیسہ اخبار، ۱۲ر جولائی ۱۹۳۴ء

[2] حمایت اسلام، ۱۹ر جولائی ۱۹۳۴ء

شاعرِ انجمن

شاعرِ انجمن

تاریخ شاہد ہے کہ آج سے چھہتر سال پہلے علامہ اقبال شہرت کی ابتدائی منزلیں طے کر رہے تھے۔ اس زمانے میں گنے چنے لوگ آپ کے نام سے واقف تھے۔ انجمن حمایت اسلام کے لیے آپ کا نام بالکل اجنبی تھا۔ اس سلسلے میں ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین رقم طراز ہیں :-

انجمن حمایت اسلام نے ابھی زندگی کی ابتدائی منزلیں ہی طے کی تھیں اور اس کا وہ مشن جسے چند بہی خواہانِ قوم نے محض اللہ کے بھروسے پر شروع کیا تھا، عوام میں مقبولیت حاصل کرنے لگا تھا۔ اس وقت انجمن کے سالانہ جلسے شیرانوالہ سکول کے اندرونی میدان میں منعقد ہوا کرتے تھے۔ حکیم الامت علامہ اقبال جو اس وقت محض "شیخ محمد اقبال" تھے، انجمن کے پلیٹ فارم پر پہلی مرتبہ ۱۸۹۹ء[1] میں جلوہ افروز ہوئے اور "نالۂ یتیم" کے عنوان سے اپنی نظم پڑھی۔

اس ضمن میں ایک دلچسپ واقعہ قابل ذکر ہے جو میں نے والد ماجد مرحوم و مغفور سے سنا۔ ان دنوں ایک انگریزی لیکچر انجمن کے جلسوں کا مستقل فیچر ہوا کرتا تھا۔ "شیخ محمد اقبال، ایم۔ اے" کا نام پروگرام کمیٹی میں پیش ہوا اور یہ طے پایا کہ ان کو نظم کے لیے وقت دیا جائے۔ مولوی علی محمد مرحوم جو انجمن کے ایک نہایت مخلص کارکن تھے اور سالانہ اجلاس سے متعلق لکھنے پڑھنے کا کام انجام دیا کرتے تھے، جب کمیٹی کے فیصلوں کے مطابق پروگرام مرتب کرنے لگے تو یہ خیال کرتے ہوئے کہ انگریزی خواں نوجوان انگریزی میں ہی کوئی نظم پڑھے گا، انہوں نے "شیخ محمد اقبال" کے نام کے سامنے "انگلش پوئٹری" لکھ دیا۔ یہ واقعہ ظاہر کرتا ہے کہ ان دنوں کارپردازانِ انجمن میں سے بھی بعض اصحاب کو یہ گمان تک نہ تھا کہ جو شخص اپنی عمر میں پہلی مرتبہ انجمن کے سٹیج کے ذریعے پبلک کے سامنے آ رہا ہے، وہ تھوڑے ہی عرصہ میں اپنے لیے ایک بلند مقام پیدا کر لے گا لیکن اس اجلاس کی روئداد سے پتہ چلتا ہے کہ "نالۂ یتیم" کے نفسِ مضمون اور شاعر کے دل کش لہجے نے وہ سماں باندھا

---

[1] ۱۸۹۹ء درست نہیں۔ "نالۂ یتیم" ۲۴ فروری ۱۹۰۰ء کے سالانہ جلسے میں پڑھی گئی۔ (مؤلف)

کہ حاضرینِ جلسہ ہمہ تن گوش تھے اور ان کی آنکھیں اشک بار تھیں۔ ساری محفل پر ایک وجد کی سی کیفیت طاری تھی۔ یہ نظم سراپا سوز و گداز اور مجسّم درد اثر ہونے کے باعث اس قدر مقبول ہوئی کہ حاضرین نے اکثر بند بار بار پڑھوائے جس کا نفسیاتی اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے اشک فشانی کے ساتھ ساتھ زر افشانی بھی خوب کی۔ نظم کے دوران میں واہ واہ کے ڈونگروں کے ساتھ ہر طرف سے آہ آہ کی دردناک صدائیں بھی بلند ہوتی رہیں نظم کے خاتمہ پر شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے فرمایا :-

"میں ان کانوں سے انیسؔ و دبیرؔ کے مرثیے سُنے مگر جس پایہ کی نظم آج سننے میں آئی اور جو اثر اس نے میرے دل پر کیا وہ اس سے پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔"

اس نظم نے اقبال کی شہرت کراچی سے رنگون اور کشمیر سے راس کماری تک پھیلا دی [1]

"مولانا نذیر احمد اور اقبال ان بزرگانِ قوم میں سے ہیں جن کی سخنوری کی سحر آفرینی اور جن کے قلم کی جادو نگاری، مسلمانوں بلکہ دوسری اقوام کو بھی انجمن کے اجلاس میں جوق در جوق کشاں کشاں لے آتی تھی اور ان کے ایک ایک فقرہ پر، ایک ایک شعر پر تحسین و آفرین کے نعروں میں سینکڑوں ہزاروں روپے انجمن کے خزانوں میں بن مانگے چلے آتے تھے۔ مولانا نذیر احمد خدا انہیں غریقِ رحمت کرے پہلے بزرگ ہیں جن کی زبان نے، جن کے کلام نے عامۂ خلائق کو انجمن کے اجلاسوں میں شامل ہونے اور دلچسپی لینے کا شوق دلایا اور انجمن کی رونق روز بروز بڑھائی۔ انجمن کے اجلاسوں میں خلقت کا وہ ہجوم نظر آنے لگا جو کسی اور مجلس کو نصیب نہیں ہوا۔ ان کی حیات میں ان کے ساتھ ساتھ اور ان کی وفات پر تن تنہا اقبال کی ترنم ریزیوں نے، ہندو مسلمانوں کو، بوڑھوں اور جوانوں کو اور بالخصوص کالجوں کے طلبا کو اس مقناطیسی کشش سے کھینچا کہ بعض اوقات انجمن والوں کو اپنے اجلاس کی احاطہ بندی جو میدان میں قناتوں اور شامیانوں سے کی ہوتی تھی توڑنی پڑتی تھی اور سننے والوں کا اژدھام اس قدر ہو جاتا تھا کہ کارکنانِ انجمن اس کا انتظام مشکل سے کر سکتے تھے لیکن جب اقبال کھڑے ہوتے سناٹا سا ہو جاتا۔ اقبال پڑھتے تھے اور سننے والے مسحور ہو جاتے تھے۔ روپوں کا مینہ برستا تھا۔ چندہ دینے میں ہر ایک دوسرے پر سابقت کرتا تھا۔ یہ پڑھتے پڑھتے تھک جاتے یا کارکنانِ انجمن کو وصولی چندہ کے قلمبند کرنے کے لیے مہلت دینے کی غرض سے، چند

---

[1] حمایت اسلام (ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نمبر) ۲۴ مئی ۱۹۵۶ء، صفحہ ۱۳ تا ۱۴

منٹوں کے لیے خاموش ہو جاتے تھے، لوگ بے تاب ہو جاتے۔ یہ پھر پڑھنا شروع کرتے اور سامعین کے جیب خالی کرا لیتے۔" ؎

انجمن کے ان جلسوں میں برصغیر پاک و ہند کے ممتاز علماء، شعرا، سیاست دان اور قومی رہنما شریک ہوتے اور خطاب کرتے اور مسلمانوں کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی مسائل کے سلسلے میں ان کی رہنمائی کرتے تھے۔ ان قابل ذکر اور قابل قدر ہستیوں میں شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالیؔ، شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی، شمس العلماء مفتی عبداللہ ٹونکی، شمس العلماء مولوی عبدالحکیم، ابوالوفا ثناء اللہ امرتسری، مولانا ابوالکلام آزادؔ، مولانا ظفر علی خان، اکبر الہ آبادی، چودھری خوشی محمد ناظرؔ، سید ناظر حسین ناظمؔ، شہزادہ عبدالغنی ارشد گورگانی وغیرہ شامل ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو انجمن کا تنہا یہی کارنامہ اس کی عظمت کے ثبوت کے لیے کافی ہے کہ اس نے اقبالؔ جیسے مفکر، فلسفی اور عظیم شاعر کو دنیا سے متعارف کرایا۔ اس سلسلے میں شفاء الملک حکیم محمد حسن قرشی لکھتے ہیں :-

"انجمن حمایت اسلام کے اجلاس ان دنوں بہت مقبول تھے...... محسن الملک خواجہ الطاف حسین حالیؔ، ڈپٹی نذیر احمد، شاہ سلیمان پھلواری، مرزا ارشد گورگانی اور ناظمؔ جیسے سحر بیان، خطیب اور مقرر مجلس میں شریک ہوتے اور پرستاران علم و ادب ہندوستان کے ہر گوشے سے کھنچ کر چلے آتے۔ اقبالؔ نے "نالۂ یتیم" کے عنوان سے نہایت سوز و گداز کے ساتھ نظم پڑھی۔ جب شاعر نے یتیموں کی بے کسی کا نقشہ کھینچا تو تمام آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔ اس کے بعد جب شاعر یتیم کو دربارِ نبویؐ میں لے گیا تو لوگوں کی چیخیں نکل گئیں۔ ہر شخص دھاڑیں مار مار کر رو رہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام اُمت دربارِ رسالتؐ میں مجرموں کی حیثیت سے کھڑی ہے اور درد و کرب سے کراہ رہی ہے۔ پھر جب رسالت مآب نے یتیم کی معرفت اُمت کو ان کی امداد کا پیغام دیا تو سب لوگوں نے جیبیں الٹ دیں اور جس کے پاس کچھ نہیں تھا وہ اپنی کوتاہ دامنی پر مضطر تھا ؎

عرصۂ ہستی میں از بہر حصولِ مدعا
اشک صد اکسیر ہوتی ہے یتیموں کی دُعا

؎ اقبال پر ایک نظر، صفحہ ۲

یتیموں پر بہت سی نظمیں لکھی گئی ہیں مگر اس نادر انداز میں کسی نے اس مضمون کو پیش نہیں کیا۔ اسی لیے اس نظم نے قبولِ عام حاصل کیا اور اقبال کی شہرت اطراف ہند میں پھیل گئی"۔ [۱]

علامہ اقبال نے "نالۂ یتیم" انجمن حمایت اسلام کے پندرھویں سالانہ اجلاس (منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ فروری ۱۹۰۰ء) کی تیسری نشست (منعقدہ ۲۴ فروری) میں پڑھی۔ اس کی صدارت شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے فرمائی۔ اس نظم کے بارے میں روداد انجمن میں مذکور ہے:

"نمازِ عصر کے بعد صحن مکان لوگوں سے پُر ہوگیا۔ شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے کی بے بدل نظم الموسوم بہ "نالۂ یتیم" اور شیخ عبد القادر صاحب بی۔ اے کے فصیح اور مفید قوم لکچر سُننے کا شوق ہزار ہا آدمیوں کو کھینچ لایا۔

شیخ محمد اقبال صاحب نے "نالۂ یتیم" جو چھپا ہوا تھا، پڑھنا شروع کیا۔ اس کے ہر ایک شعر پر تحسین و آفریں کے نعرے چاروں طرف بلند ہو رہے تھے اور سینکڑوں آنکھیں تھیں جو دریائے اشک بہا رہی تھیں۔

اس نظم کا ایسا فوری اثر ہوا کہ اس کے پڑھنے کے دوران میں تین سو روپے سے کچھ اوپر نقد چندہ ہوگیا اور کل کاپیاں اس نظم کی فروخت ہوگئیں اور نظم ایسی مقبول ہوئی کہ چار چار روپے کو بھی ایک ایک کاپی بکی۔

نظم پڑھنے کے دوران میں چندہ جمع ہونا شروع ہوگیا اور اسی اثناء میں شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے کی خدمت میں ان کی نظم "نالۂ یتیم" کے جو کل پڑھ چکے تھے پھر پڑھنے کی درخواست کی گئی جس کو انہوں نے قبول کیا اور اپنی نظم دوبارہ پڑھی"۔ [۲]

صرف اسی نظم یعنی "نالۂ یتیم" کی فروخت سے مبلغ عـــہ آمدنی ہوئی [۳]

اس اجلاس میں شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے (بھاٹی دروازہ لاہور) نے صہ روپے چندہ دیا۔ [۴]

---

[۱] حمایت اسلام، ۱۶ اپریل ۱۹۶۸ء

[۲] روداد پندرھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ فروری ۱۹۰۰ء، صفحہ ۳۴

[۳] ایضاً ضمیمہ نمبر ۱۰، صفحہ ۱

[۴] ایضاً صفحہ ۳

علامہ اقبال پہلے ہی مشاعروں میں بہت کم شریک ہوتے تھے کیونکہ وہ مشاعروں کے شاعر نہ تھے۔ اس جلسہ کے بعد انہوں نے اپنی قومی نظموں کے لیے انجمن حمایت اسلام لاہور کے پلیٹ فارم کو ہی منتخب فرمایا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آپ کی نظمیں انجمن کے سالانہ جلسوں کا ایک خاص "فیچر" بن گئیں۔ اس سلسلے میں سر عبدالقادر کا بیان ہے کہ

"جب ان کا نام نکلا اور فرمائشوں کی بھرمار ہوئی تو انہیں اکثر فرمائشوں کی تعمیل سے انکار ہی کرنا پڑا۔ اسی طرح انجمنوں اور مجالس کو بھی وہ عموماً جواب ہی دیتے رہے۔ فقط لاہور کی انجمن حمایت اسلام کو بعض وجوہ کے سبب یہ موقع ملا کہ اس کے سالانہ جلسوں میں کئی سال متواتر اقبال نے اپنی نظم سنائی جو خاص اسی جلسہ کے لیے لکھی جاتی تھی اور جس کی فکر وہ پہلے سے کرتے رہتے تھے۔[1]

اوّل اوّل جو نظمیں جلسۂ عام میں پڑھی جاتی تھیں وہ تحت اللفظ پڑھی جاتی تھیں اور اس طرز میں بھی ایک خاص لطف تھا مگر جب دوستوں نے ایک مرتبہ جلسۂ عام میں شیخ محمد اقبال سے باصرار کہا کہ وہ نظم ترنم سے پڑھیں۔ ان کی آواز قدرتاً بلند اور خوش آئند ہے۔ طرزِ ترنم سے بھی خاصے واقف ہیں۔ ایسا سماں بندھا کہ سکوت کا عالم چھا گیا اور لوگ جھومنے لگے .... اس کشش کے سبب عوام بھی کھنچ آئے۔ لاہور میں انجمن کے جلسہ میں جب اقبال کی نظم پڑھی جاتی ہے تو دس دس ہزار آدمی ایک وقت میں جمع ہو جاتے ہیں اور جب تک نظم پڑھی جائے لوگ دم بخود بیٹھے رہتے ہیں، جو سمجھتے ہیں وہ بھی محو اور جو نہیں سمجھتے وہ بھی محو ہوتے ہیں۔"[2]

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ علامہ اقبال نے اُردو شاعری کے مردہ جسم میں ایک نئی رُوح پھونک دی اور غالبؔ کے تخیّل اور بے مثل انداز کی ترویج و اشاعت کی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نہ صرف اُردو زبان کو فروغ حاصل ہوا بلکہ اساتذہ (جن کے سامنے کسی دوسرے شاعر کا چراغ نہ جلتا تھا) کیا پوری اُردو داں دُنیا کے دلوں پر اقبال کے کلام کا سکّہ بیٹھ گیا۔ سر عبدالقادر نے بالکل بجا فرمایا ہے :۔

"کسے خبر تھی کہ غالبؔ مرحوم کے بعد ہندوستان میں پھر کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو اُردو شاعری کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دے گا اور جس کی بدولت غالبؔ کا بے نظیر تخیّل اور

---

[1] دیباچہ بانگِ درا، صفحہ ک

[2] دیباچہ بانگِ درا، صفحہ ہ

نرالا اندازِ بیاں پھر وجود میں آئیں گے اور ادب اُردو کے فروغ کا باعث ہوں گے مگر زبانِ اُردو کی خوش اقبالی دیکھیے کہ اس زمانے میں اقبال سا شاعر اُسے نصیب ہوا جس کے کلام کا سکّہ ہندوستان بھر کی اردو دان دنیا کے دلوں پر بیٹھا ہوا ہے اور جس کی شہرت رُوم و ایرؔان بلکہ فرنگستان تک پہنچ گئی ہے۔" ؎۱

ابتدا ہی سے علامہ اقبال کا دستور تھا کہ انجمن میں پڑھنے کے لیے جو نظم لکھتے اسے چھپوا لیتے تھے۔ نظموں کی چھپی ہوئی کاپیاں قدر دان اصحاب جلسے ہی میں خاصی بڑی رقمیں دے کر خرید لیتے تھے۔ اس طرح انجمن کو معقول رقم ان مطبوعہ نظموں سے بھی مل جاتی تھی، عام چندہ ان کے علاوہ تھا۔ اس قسم کے واقعات کا ذکر انجمن کی رودادوں میں بھی جا بجا ملتا ہے اور خود علامہ اقبال کی ایک نظم میں بھی ایسے اشارے موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نظمیں پڑھنے سے پیشتر چھپوا لیتے تھے۔ ؎۲

علامہ اقبال نے انجمن کے جلسوں میں نظمیں پڑھنے کی ابتدا ۱۹۰۰ء میں کی اور سب سے پہلے "نالۂ یتیم" پڑھی۔ ۱۹۰۱ء میں "یتیم کا خطاب ہلالِ عید سے"۔ ۱۹۰۲ء میں "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب سے"۔ ۱۹۰۳ء میں "ابرِ گوہر بار" جو "فریادِ اُمت" کے نام سے معروف ہوئی اور ۱۹۰۴ء میں "تصویرِ درد"۔

انجمن حمایت اسلام کا سولہواں سالانہ جلسہ شیخ انعام علی، بی۔ اے، ڈویژنل جج سیالکوٹ کی صدارت میں منعقد ہوا جو ۲۲ تا ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء تک جاری رہا۔ ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء کے دوسرے اجلاس میں علامہ اقبال نے اپنی نظم "دردِ دل" پڑھی۔ اس سلسلے میں روداد میں تحریر ہے:

"شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے جنھوں نے اپنی خداداد لیاقت اور استعداد سے گزشتہ سال سے انجمن کے سالانہ جلسے میں ایک نئی روح پھونک دی ہے، پلیٹ فارم پر تشریف لائے اور اپنی نظم الملقب بہ "ایک یتیم کا خطاب ہلال عید سے" پڑھنی شروع کی نظم گو فی نفسہٖ

؎۱ دیباچہ بانگِ درا، صفحہ ۵

؎۲ مؤلف کے پاس علامہ اقبال کی ایک نظم بعنوان "زبانِ حال" یا "اسلامیہ کالج کا خطاب مسلمانانِ پنجاب سے" موجود ہے۔ پڑھنے سے پہلے یہ نظم علامہ اقبال نے مطبع صدیقی لاہور سے محمد محی الدین تاجر کتب کے اہتمام سے چھپوائی تھی۔ نظم مذکور ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء کے دوسرے اجلاس میں پڑھی گئی۔

ہر ایک حیثیت اور لحاظ سے بے نظیر اور بڑی مؤثر تھی مگر شیخ صاحب کا انداز ادا اور طرز بیان اس کے حسن کو دوبالا کر رہا تھا اور شعر سامعین کے دلوں پر کچھ ایسا ساحرانہ اثر ڈال رہے تھے کہ اکثر بندوں کے دوبارہ پڑھے جانے کی بار بار آرزو کی جاتی تھی۔ نظم جلسے میں چھپی ہوئی موجود تھی چنانچہ اس کے پڑھے جانے کے بعد اس کی کئی سو کاپیاں ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو گئیں اور کئی ایک کاپیاں چار چار روپے فی کاپی کی شرح سے بھی بک گئیں۔ [۱]

اے اہل اسلام! آپ اگر اس نظم کو....... بنظر غور بادل متوجہ پڑھیں اور دیکھیں کہ اس قابل رحم جماعت یتامیٰ کے حالات اور ان کے دلی جذبات اور خیالات کا کیسا صحیح صحیح نقشہ کھینچا گیا ہے تو ممکن نہیں کہ آپ کے دل ان کی امداد اور سرپرستی کے لیے بیقرار اور بے چین نہ ہوں، اور آپ یتیم خانے کے لیے مستقل سرمایہ بہم پہنچانے کی فکر نہ کریں۔ [۲]

علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے سترھویں سالانہ اجلاس (منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء) کی ۲۲ فروری ۱۹۰۲ء کی دوسری نشست میں اپنی نظم "خیر مقدم" پڑھی اور خراج تحسین حاصل کیا۔ اس نشست کی صدارت خان بہادر محمد برکت علی خان، اکسٹرا اسسٹنٹ کمشنر نے فرمائی۔ اس اجلاس کے بارے میں روداد میں مذکور ہے:

"سکرٹری پلیٹ فارم کے ایک کونہ پر ہز آنر کے بائیں طرف کھڑا ہو گیا اور اس نے باجازت ہز آنر ــــ سر میکورتھ ینگ صاحب (سابق لفٹیننٹ گورنر پنجاب) سب سے پہلے شیخ محمد اقبال صاحب ایم اے سے اس نظم کے پڑھنے کی درخواست کی جو شیخ صاحب نے اس موقعہ کے لیے تیار کی تھی۔ چنانچہ شیخ صاحب نے اپنی نہایت ہی پُردرد اور دلگداز لہجہ میں...... اشعار پڑھے جس سے ہز آنر اور ڈائرکٹر صاحب بہادر (سررشتہ تعلیم پنجاب ڈبلیو بیل صاحب) بہت خوش اور محظوظ ہوئے۔" [۳]

---

[۱] روداد سولھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۲ تا ۲۴ فروری ۱۹۰۱ء، صفحہ ۴۶

[۲] ایضاً

[۳] روداد سترھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء، صفحہ ۲۵

گورنر پنجاب کو مخاطب کر کے آپ نے فرمایا :

خوشا نصیب وہ گوہر ہے آج زینتِ بزم — کہ جس کی شان سے ہے آبروئے تاجِ وسریر
وہ کون زیب دہ تختِ صوبۂ پنجاب — کہ جس کے ہاتھ نے کی قصرِ عدل کی تعمیر !

انجمن حمایت اسلام کے سترھویں سالانہ جلسے (۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء) کے ۲۲ فروری ۱۹۰۲ء کے پانچویں اجلاس میں جو خان بہادر شیخ حاجی خدا بخش، ڈسٹرکٹ جج گورداسپور کی صدارت میں نماز مغرب کے بعد شروع ہوا، علامہ اقبال نے ایک اور نظم بعنوان "دین و دُنیا" پڑھی۔ اس اجلاس کے بارے میں روداد میں لکھا ہے :

"شیخ عبدالقادر بی۔ اے کے بعد شیخ محمد اقبال صاحب، ایم۔ اے (جنہوں نے علاوہ دیگر قابلیتوں اور خوبیوں کے فنِ شعرگوئی میں ایک گونہ کمال پیدا کر لیا ہے) کا وقت تھا چنانچہ آپ نے اپنے دلآویز لہجہ میں مذکورہ نظم پڑھی جس سے حاضرین بہت مسرور اور متاثر ہوئے..... خیر خواہان قوم اسے ضرور پڑھیں" [۱]

اس نظم سے بعض صاحبوں کو محض ان کی اپنی خوش فہمی کی وجہ سے کچھ بدگمانی اور ناراضگی سی پیدا ہوئی حالانکہ اس نظم میں چند واقعات کا ذکر ہے جو شیخ صاحب کو پیش آئے، تاہم شیخ صاحب نے نہایت دُور اندیشی اور دانائی سے اس بدگمانی کو دوسرے دن رفع کر دیا جس سے سب خوش ہو گئے۔ [۲]

اسی جلسہ کے ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء بروز اتوار کے دوسرے اجلاس میں جو میاں نظام الدین صاحب سب جج راولپنڈی کی صدارت میں ہوا، شیخ محمد اقبال ایم۔ اے نے شرکت فرمائی اور ایک نظم بعنوان "زبان حال" پڑھی۔ اس سلسلے میں اجلاس مذکور کی روداد کے صفحہ ۳۲ پر لکھا ہے :

"یہ وقت شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے کی قومی نظم کا تھا جس کا عنوان تھا "اسلامیہ کالج کا خطاب پنجاب کے مسلمانوں کو" مگر شیخ صاحب نے اس نظم سے پہلے ایک مختصر سی مگر پُر مغز نظم

---

[۱] روداد سترھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء، صفحہ ۲۵

[۲] ایضاً صفحہ ۲۵ تا ۲۸

صاحب ڈپٹی کمشنر موصوف کے خیر مقدم اور ان کی تشریف آوری کے شکریہ میں پڑھی اور اس کے بعد وہ نظم پڑھنی شروع کی جو درج پروگرام تھی اور جس کے پڑھنے کا اب وقت تھا یعنی شیخ صاحب نے اس نظم کے پڑھنے سے سامعین کو نہایت ہی محظوظ کیا اور ان کے دلوں پر عمدہ اثر ڈالا چنانچہ سامعین نے اس قابلِ قدر نظم کی بڑی قدر کی اور اس کو جلسے ہی میں خریدنا شروع کیا۔ اس کی خریداری میں لوگوں کو اس قدر جوش تھا کہ اس کی ایک ایک کاپی دس دس روپے کو فروخت ہوئی۔ اور اس ذریعہ سے ایک معقول رقم انجمن کے ہاتھ لگی۔

صاحب صدر جلسہ نے اس نظم کے متعلق نہایت عمدہ ریمارک کیے اور شیخ صاحب موصوف کے کمال کی پوری داد دی اور کہا کہ شیخ صاحب کی قابلیت کی تعریف جس قدر کی جائے کم ہے۔ آپ پنجاب کے "ملک الشعراء" ہیں"۔[1]

انجمن حمایت اسلام لاہور کے اٹھارھویں سالانہ جلسہ (۲۷ تا ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء و یکم مارچ ۱۹۰۳ء) کے تیسرے اجلاس میں جو جناب خان بہادر غلام احمد خان صاحب مشیر مال ریاست جموں و کشمیر کی صدارت میں ہوا، شیخ محمد اقبال ایم۔اے نے شرکت فرمائی "فریادِ امت" نظم پڑھی، چنانچہ اس سلسلے میں روداد میں لکھا ہے:

"شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے کی نظم اور بھی اچھی ہو گی جو ہمیشہ ہوتی ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ ان لائق لکچراروں اور شاعروں کی داد میں صرف جزاک اللہ کہنے پر اکتفا نہ کیا جاوے گا بلکہ ان کی عملی طور پر قدر کی جاوے گی"۔[2]

اس کے بعد آگے چل کر یہ عبارت درج ہے:

"اب ہمارے نوجوان اور ہونہار شاعر خدا ان کی عمر میں برکت دے اور ان کا اقبال بڑھائے شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے پلیٹ فارم پر آتے ہیں اور اپنی بیش بہا اور قابل قدر نظم سنا کر اپنی لیاقت کے جوہر دکھلاتے ہیں۔

اقبال صاحب کو جیسی خدا نے لیاقت عطا فرمائی ہے ویسے ہی قدرت نے ان کو گلا بھی عطا کیا

---

[1] رودادِ سترھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ فروری ۱۹۰۲ء، صفحہ ۳۲ و ۳۰۰

[2] رودادِ اٹھارھواں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام منعقدہ ۲۷ تا ۲۸ فروری و یکم مارچ ۱۹۰۳ء، صفحہ ۶۰

ہے اور ایسی بلند اور شیریں اور پُر درد آواز کی نعمت مرحمت کی ہے جو انہیں کا حصہ ہے۔ اس قدرتی عطیہ کی امداد سے ان کے کلام کا جو فی ذاتہٖ نہایت عمدہ اور پُر معنی ہوتی ہے اثر دوبالا ہو جاتا ہے۔ اس نظم کے پڑھے جانے پر بھی لوگوں نے چندہ دیا اور پانچ روپے فی کاپی تک خریدی۔ چنانچہ اس قابل دید نظم کے بہت سے نسخے فروخت ہو گئے...... خواجہ عبدالصمد صاحب ککرو نے شیخ محمد اقبال صاحب کو اس نظم کے صلے میں ایک نقرئی تمغہ پہنایا جو خواجہ صاحب کشمیر سے بنوا کر لائے تھے۔“ [1]

نواب سر ذوالفقار علی خان نے انجمن حمایت اسلام کے بھرے جلسے میں اقبال کو سعدیؒ اور شیکسپیئر سے تشبیہہ دی اور کہا کہ

”اگر یہی اقبال انگلستان میں ہوتا تو اس کی قدر و منزلت شیکسپیئر سے بھی بڑھ کر ہوتی مگر افسوس کہ ہمارے اہلِ ملک اس کی قابلیت سے کم آشنا ہیں۔ اس کی دنیوی زندگی کے بعد معلوم ہوگا کہ اقبال کیا تھا۔“

سر شیخ عبدالقادر نے اسی محفل میں کہا تھا:

”ہم اپنے اساتذہ میں بڑے بڑے نام پاتے ہیں۔ انیسؔ کی شاعری بے شک اس قابل ہے کہ یورپ کو اس سے روشناس کرایا جائے۔ غالبؔ کے فلسفیانہ جذبات ہر طرح قابلِ عزت ہیں۔ مولانا حالیؔ نے سادہ طرز ادا میں زبان کی بڑی خدمت کی ہے۔ داغؔ کی خدمت بھی کم نہیں۔ اکبرؔ الٰہ آبادی کا فلسفیانہ رنگ بڑی عزت کے قابل ہے۔ یہ سب کچھ تو ہے مگر وہ کون ہے جس نے اس عروج رفعت پر جانے کا رُخ کیا جو حقیقی شاعری کی منزل مقصود ہے؟ اور وہ کون ہے جس میں اس کی پوری صلاحیت موجود ہے؟ وہ صرف ایک ہی شخص ہے اور اس کا نام اقبالؒ ہے۔“ [2]

---

[1] روداد اٹھارھواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۷ تا ۲۸ فروری ۱۹۰۳ء و یکم مارچ ۱۹۰۳ء؛ صفحہ ۶۲

[2] حمایت اسلام (خلیفہ شجاع الدین نمبر) ۳ مئی ۱۹۵۶ء، صفحہ ۱۴

انجمن حمایت اسلام لاہور کے انیسویں[19] سالانہ جلسے (یکم تا ۳ اپریل ۱۹۰۴ء) کا ۲ اپریل ۱۹۰۴ء بروز ہفتہ کا چوتھا اجلاس خان بہادر مولوی شیخ انعام علی صاحب بی۔اے ڈویژنل جج ملتان کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں مولوی احمد الدین پلیڈر اور خواجہ حسن نظامی صاحبان نے بھی شرکت فرمائی۔ علاوہ ازیں شیخ عبد القادر اور شیخ محمد اقبال صاحب بھی شریک ہوئے۔ شیخ محمد اقبال نے اجلاس میں "تصویرِ درد" نامی نظم پڑھی۔ رُوداد اجلاس مذکور میں شیخ محمد اقبال کے بارے میں لکھا ہے:

"۸ بجکر ۲۰ منٹ پر مولوی احمد الدین صاحب بی۔اے پلیڈر نے اپنا لکچر شروع کیا جو ابتداء میں حاضرین نے بڑے غور اور توجہ سے سنا مگر جب ان کا وقت ختم ہو چکا اور شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے کی نظم کا وقت آگیا تو حاضرین جلسہ میں سے اکثروں کی یہ خواہش ہوئی کہ لکچر بند کیا جائے ادھر مولوی صاحب بھی اپنا پورا لکچر سنانے پر مُصر تھے مگر آخر کار حاضرین کی رائے غالب آئی اور مولوی صاحب کو اپنا لکچر ناتمام چھوڑنا پڑا ...... حافظ واجد علی صاحب کی تلاوت کے بعد شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور نے اپنی نظم سنانی شروع کی جو شیخ صاحب کی اعلیٰ لیاقت اور ان کی فصاحت و بلاغت کا نمونہ تھی۔ طرزِ ادا دلچسپ اور دلربا تھی [1]

شیخ صاحب کے نظم پڑھتے وقت مولوی حسن نظامی صاحب مہتمم توشہ خانہ درگاہ حضرت نظام الدین اولیا علیہ الرحمۃ نے اپنا عمامہ اتار کر شیخ صاحب کے سر پر رکھ دیا۔ اس پر شیخ عبد القادر صاحب بی۔اے نے فرمایا کہ مولوی حسن نظامی صاحب قومی کاموں سے دلچسپی رکھتے ہیں اور عمدہ انشا پرداز ہیں۔ انہوں نے شیخ صاحب کو جو عزت بخشی ہے وہ ان کے لیے قابلِ فخر ہے مگر میری رائے ہے کہ عمامہ ان کو واپس دیا جائے۔ اس پر حکیم محمد شریف صاحب آئی ڈاکٹر نے عہ عطا کرنے کا وعدہ کیا اور عمامہ مولوی حسن نظامی صاحب کو واپس کیا گیا۔

شیخ صاحب کی نظم دس بجے سے کوئی پانچ منٹ پہلے ختم ہوئی اور اس واسطے بجز اس کے کہ صاحب صدر جلسہ کوئی تقریر کریں جلسہ برخاست ہوا۔ اس اجلاس میں جو رقوم جمع کی گئی ہیں ان کی میزان مالبلغہ ۱۴۷ ہے۔" [2]

---

[1] روداد انیسواں[19] سالانہ جلسہ انجمن منعقدہ یکم تا ۳ اپریل ۱۹۰۴ء صفحہ ۲۵، ۲۶

[2] ایضاً صفحہ ۳۹۳

"تصویر درد" کے بارے میں میاں بشیر احمد اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"مجھے خوب یاد ہے کہ پہلی نظم جو میں نے سنی "تصویر درد" تھی۔ ایک حسین نوجوان، ناک پکڑ عینک لگائے، شلوار اور چاندنی جوتے پہنے گریبان کا بٹن کھلا ہوا اسٹیج پر کھڑا خوش الحانی سے ایک مخصوص لَے میں پڑھ رہا تھا۔ یہاں تک کہ ایک ایک شعر بکنے لگا۔ اقبال اس وقت گورنمنٹ کالج لاہور میں فلسفے کے اسسٹنٹ پروفیسر تھے۔ ایک نوجوان نے بڑھ کر شاید پندرہ روپے میں ایک شعر خرید لیا۔ معلوم ہوا کہ یہ اقبال کا گورنمنٹ کالج کا ایک ہندو شاگرد ہے۔ یہ رقمیں سب انجمن حمایت اسلام کے چندے میں ادا ہوتی تھیں"۔ ؎۱

انجمن حمایت اسلام کے انیسویں سالانہ جلسے (یکم تا ۳ اپریل ۱۹۰۴ء) کے دوران میں شنبہ ۳ اپریل ۱۹۰۴ء کے دوسرے اجلاس کی صدارت خان بہادر میاں محمد شفیع صاحب بیرسٹرایٹ لاء رئیس باغبانپورہ نے کی۔ شیخ عبدالقادر ایڈیٹر آبزرور و مخزن، مسٹر کراس انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور، مسٹر نولٹن سابق انسپکٹر مدارس حلقہ لاہور، مسٹر براؤن پرنسپل میو کالج آف آرٹس لاہور، مسٹر رائٹ پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور، جسٹس بابو پرتول چندر چیٹرجی، جج چیف کورٹ پنجاب نے جلسے کو رونق بخشی۔ علاوہ ازیں مولانا الطاف حسین حالی اور شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے نے اس تاریخی اجلاس میں شرکت فرمائی۔ اس کے بارے میں پروفیسر طاہر فاروقی تحریر فرماتے ہیں:

"ایک اجلاس میں مولانا حالی، ڈاکٹر نذیر احمد، مرزا ارشد گورگانی، میاں سر محمد شفیع، سر عبدالقادر، میاں سر فضل حسین، مولانا ابوالکلام آزاد، خواجہ حسن نظامی وغیرہ جیسے اکابر جمع تھے۔ رسم تھی کہ کسی کا کوئی شعر پسند کیا جاتا تو داد اس طرح دیتے کہ انجمن کو نقد عطیہ پیش کیا کرتے تھے۔ ایک شاعر نے نظم پڑھی۔ مولانا حالی مرحوم نے ایک شعر بہت پسند کیا اور انجمن کو دس روپیہ کا نوٹ عطا فرمایا۔ سارا میدان نعرہ ہائے تحسین سے گونج اٹھا۔ شاعر کی اس سے زیادہ ہمت افزائی اور کیا ہو سکتی تھی کہ خود خدائے سخن حالی اس کے کلام کی داد دے۔

کچھ عرصے بعد مولانا حالی کے پڑھنے کی باری آئی۔ یہ وہ وقت تھا کہ ان کی آواز پر پیری کا اسقدر غلبہ ہو چکا تھا کہ معمولی صحبتوں میں بھی ان کی آواز سننی مشکل ہوتی تھی چہ جائیکہ اس جلسے میں، جہاں

؎۱ ملفوظات اقبال۔ صفحہ ۲۶، ۲۷

لاتعداد انسانوں کا مجمع تھا، لوگ بیقرار تھے کہ خود اس مصلح اعظم کی زبان فیض ترجمان سے اس کا پیغام سنیں۔ اس لیے عجب افراتفری پیدا ہو چلی۔ آخر شیخ عبدالقادر صاحب نے کھڑے ہو کر مجمع کو خاموش کیا اور فرمایا کہ آپ مولانا حالی کی زبان سے تبرکاً جو کچھ بھی سنا جائے سن لیجئے۔ بعد کو یہی نظم اقبال پڑھ کر سنائیں گے۔" لے

مولانا حالی کی نظم سنانے کے لیے شیخ محمد اقبال سٹیج پر تشریف لائے تو نظم سنانے سے پہلے ایک فی البدیہہ رباعی نہایت خوش الحانی سے سامعین کے سامنے پیش کی جسے سنتے ہی سب لوگ پھڑک اٹھے کیونکہ موقع کی چیز تھی اور نہایت ہی ادیبانہ طرز کے ساتھ کہی گئی تھی ؎

مشہور زمانے میں ہے نام حالیؔ معمور مئے حق سے ہے جام حالیؔ
میں کشورِ شعر کا نبی ہوں گویا نازل ہے مرے لب پہ کلام حالیؔ

اس کے بعد انہوں نے نہایت دلکش اور سریلی آواز میں حضرت مولانا کی پوری نظم حاضرین کو سنائی۔

اس اجلاس میں ایک ہزار پانچ سو انتیس روپے ڈھائی آنے چندہ جمع ہوا۔ اس وقت کے لحاظ سے یہ ایک بہت بڑی رقم تھی جو اس نظم کے اعزاز میں انجمن کو ملی ۲ے

ستمبر ۱۹۰۵ء میں علامہ اقبال اعلیٰ تعلیم کے لیے انگلستان تشریف لے گئے اس لیے ۱۹۰۵ء میں آپ نے کوئی نظم نہ پڑھی۔ آپ تین سال تک یورپ میں مقیم رہے اور جولائی ۱۹۰۸ء میں وطن واپس لوٹے۔ یورپ سے واپسی کے بعد انجمن کے تیئسویں (۱۹۰۸ء) اور چوبیسویں (۱۹۰۹ء) جلسوں ——— میں آپ نے کوئی نظم نہیں سنائی بلکہ انگریزی زبان میں لیکچر دیے۔

اپریل ۱۹۱۱ء میں آپ نے اپنی مشہور و معروف نظم "شکوہ" پڑھی اور زبردست خراج تحسین حاصل کیا۔ اس سال انجمن کا سالانہ جلسہ ریواز ہوسٹل کے صحن میں منعقد ہوا تھا...... جلسے کے لیے اسٹیج دائیں جانب کے پچھلے پلاٹ میں بنائی گئی تھی جس کے عقب میں "ہاف ڈارمیٹریاں" تھیں۔ علامہ اقبال نظم پڑھنے کے لیے

لے سیرت اقبال۔ صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸

۲ے روداد انیسواں سالانہ جلسہ انجمن (یکم تا ۳ اپریل ۱۹۰۴ء) صفحہ ۳۹۲

تشریف لائے۔ آپ نے شلوار اور چھوٹا سا کوٹ زیب تن کیا ہوا تھا۔ سر پر ترکی ٹوپی تھی۔ آپ نے سب سے پہلے ایک قطعہ تحت اللفظ پڑھا جس کا آخری شعر یہ تھا ؎

ڈھب مجھے قوم فروشی کا نہیں یاد کوئی
اور پنجاب میں ملتا نہیں اُستاد کوئی

اس کے بعد اصل نظم پڑھی۔ آپ نے انجمن کے جلسوں میں جتنی نظمیں پڑھی تھیں۔ انہیں خود چھپوا کر لاتے تھے لیکن "شکوہ" چھپوایا نہیں تھا۔ سب سے پہلے نظم کی رونمائی کا سوال پیدا ہوا۔ نظم جن کاغذوں پر لکھی گئی تھی ان کے لیے رونمائی کے طور پر مختلف اصحاب نے مختلف رقوم پیش کیں ...... نواب سر ذوالفقار علی خان نے ایک سو روپے کی رقم کا اعلان کیا ...... یہ رقم ادا کرنے کے بعد نواب صاحب نے اصل نظم انجمن ہی کی نذر کر دی۔

علامہ اقبال نظم پڑھنے کے لیے اُٹھے تو مختلف سمتوں سے صدائیں بلند ہوئیں کہ نظم گا کر پڑھی جائے۔ کیونکہ پیشتر ازیں علامہ اقبال نے جتنی نظمیں انجمن کے جلسوں میں پڑھی تھیں، گا کر ہی پڑھی تھیں اور ان کی لے میں جو سحر انگیز جاذبیت تھی اس کی کیفیت بھی بیان میں نہیں آسکتی۔

شیخ عبدالقادر جنہوں نے "شکوہ" اپنے کانوں سے سُنا، جلسے کا آنکھوں دیکھا حال بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

"انجمن کا ایک اجلاس جس میں اقبال نے اپنی مشہور نظم "شکوہ" اپنے خاص انداز میں پڑھی، بہت لوگوں کو یاد ہو گا جب کیف غم کا سماں جلسے پر چھا گیا تھا۔ ان کے بہت سے مدّاح پھولوں سے جھولیاں بھر کر لائے تھے اور جب وہ پڑھ رہے تھے تو اُن پر پھول برسا رہے تھے۔ اس وقت کی ایک اور بات خاص طور پر قابل دید تھی کہ اقبال کا معمر باپ اس نظم کے سننے والوں میں موجود تھا۔ باپ کی آنکھوں میں بیٹے کی کامیابی دیکھ کر خوشی کے آنسو تھے مگر لبوں پر تاثیر کلام سے وہی علامات غم تھیں جو بیٹے کے چہرے پر تھیں۔ درحقیقت یہ خصوصیت بیٹے نے باپ سے ورثے میں پائی تھی۔" [1]

اس اجلاس میں آپ نے صرف نظم ہی نہیں پڑھی بلکہ ایک لیکچر بھی دیا۔ اس ضمن میں حمایتِ اسلام لکھتا ہے:

---

[1] حمایت اسلام، ۶ر اکتوبر ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶

"علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر نے اپنی مشہور و زبان زد خاص و عام نظم "شکوہ" پڑھی اور اس کے علاوہ "اصول تمدن" پر ایک نہایت ہی عالمانہ لیکچر بھی دیا جسے لوگوں نے بہت ہی توجہ اور خلوصِ دل سے سُنا۔" لے

علامہ اقبال نے اس نظم کے مندرجہ ذیل مصرعہ میں ترمیم فرمائی۔

پہلی صورت : پھر پتنگوں کو مذاقِ تپشِ اندوزی دے

ترمیم شدہ صورت : اپنے پروانوں کو پھر ذوقِ خود افروزی دے

علامہ اقبال نے انجمن حمایت اسلام کے ستائیسویں سالانہ اجلاس منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۱۲ء (جو فقیر سید افتخار الدین، سی۔ آئی۔ ای، مہتمم بندوبست ہوشیارپور کی صدارت میں منعقد ہوا) میں اپنی بے مثل اور بے عدیل نظم "شمع اور شاعر" پڑھی۔ اس وقت سامعین کی تعداد بلا مبالغہ کوئی دس ہزار کے لگ بھگ ہوگئی تھی لے

علامہ اقبال نعرہ ہائے تحسین و آفریں میں پلیٹ فارم پر جب اپنی نظم سنانے کے لیے تشریف لائے تو آپ نے نظم پڑھنے سے پہلے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی :

"جو نظم پچھلے سال لکھی تھی وہ "شکوہ" تھا اور اس میں خدا کی شکایت تھی اور بعض لوگوں نے اُسے بُرا خیال کیا اور یہ سمجھا کہ یہ بہت بڑی جسارت ہے۔ میں نے بھی یہی خیال کیا لیکن تو بھی وہ اس قدر مقبول عام ہوئی کہ آج تک کئی ہزار خطوط اس کی تعریف کے میرے پاس آچکے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہی بات جو کہ لوگوں کے دلوں میں تھی وہ ظاہر کر دی گئی لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ میرا "شکوہ" خدا کو بھی پسند آیا۔ خیر اگر وہ نہ بھی بخشے تو میں تو یہی کہونگا ؎

یہ بھی رحمت ہے تیری تُو نے دیا دوزخ مجھ کو
میرے مکافات کی تو یہ بھی جگہ نہ تھی

اس کے لیے میں نے خود ایک سزا تجویز کی ہے کہ میں اپنی شکایت کروں تاکہ معاوضہ ہوجائے۔ میں اپنی نظم پر خاص توجہ انگریزی یافتہ نوجوانوں کو دلاتا ہوں۔ میرا شعر لکھنا خاص خاص احساس کا

لے ملفوظات اقبال ، صفحہ ۳۷

لے روداد ستائیسواں سالانہ جلسہ انجمن منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۱۲ء ، صفحہ ب

ایک نمونہ ہے۔ میری آج کی نظم ایسی جامع ہے جس میں مشکلات کی تصویر اور اس کے حل کرنے کا نسخہ درج ہوگا۔ اس لیے آپ اس کو دونوں حیثیتوں سے دیکھیں۔ ایک شاعرانہ پہلو سے دوسرے تجاویز نسخہ کے لحاظ سے اور اس لیے عرض ہے کہ تعلیم یافتہ خاص کر توجہ فرمائیں۔ یہ زمانہ اہلِ اسلام کی تاریخ میں سخت پولیٹیکل ٹائم ہے۔ خدا کے واسطے تم توجہ کرو اور اسلام کی عزت بڑھانے کے لیے پوری سرگرمی سے کام لو۔ میری نظم کا عنوان "شمع اور شاعر" کا مناظرہ ہے۔" لے

علامہ اقبال نے جس وقت نظم پڑھنی شروع کی تو اس وقت حاضرین کی جو کیفیت تھی اس کا حال رُوداد میں یوں مذکور ہے:

"اس نظم کے پڑھتے وقت حاضرین کی جو کیفیت تھی اس کو لفظوں میں ادا کرنا مشکل ہے۔ فی الحقیقت اس نظم کے پڑھتے وقت ڈاکٹر صاحب تو شاعری کی شمع بنے ہوئے تھے اور حاضرین پروانے۔ رقت اور اس وجدانی کیفیت کی تصویر کا حال وہی خوب جانتے ہیں جو اس مجمع میں اپنے پہلو میں دل اور دل میں درد رکھتے اور ذوقِ سلیم سے بہرہ ور تھے۔" ٢ے

"شمع اور شاعر" چونکہ ایک طویل نظم تھی اس لیے علامہ اقبال نے اس کو دو نشستوں میں سنایا۔ پہلی نشست کی صدارت فقیر سید افتخار الدین اور دوسری نشست کی مرزا سلطان احمد نے کی۔ مرزا صاحب موصوف نے یہ فقرہ چست کر دیا کہ

"اقبال بھی ہرجائی ہے کبھی میری بغل میں اور کبھی فقیر افتخار الدین کی بغل میں"

درمیانِ انجمن معشوق ہرجائی مباش
گاہ با سلطان باشی، گاہ باشی با فقیر!

علامہ اقبال نے نظم کا آغاز کیا تو سامعین نے فرمائش کی کہ ترنم سے سنایا جائے۔ اس سلسلے میں مولانا غلام رسول رقم طراز ہیں:

"علامہ اقبال نے فرمایا کہ میں خود ہی بہتر سمجھتا ہوں کہ نظم گا کر پڑھنی چاہیے یا تحت اللفظ۔ یہ نظم ایسی ہے کہ گا کر پڑھی نہیں جا سکتی یعنی اس کے پڑھنے کا حق اس طرح ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد نظم شروع ہوگئی۔

لے روداد ستائیسواں سالانہ جلسہ انجمن منعقدہ ١٦ اپریل ١٩١٢ء، صفحہ ٦٠، ٦١

٢ے ایضاً

ایک بند سن لینے کے بعد سب کو یقین سا ہوگیا کہ حضرت علامہ کا ارشاد درست تھا کیونکہ پھر گانے کی التجا پر مشتمل کوئی صدا کسی سمت سے نہ اٹھی۔

حضرت علامہ نظم پڑھتے جاتے تھے اور پورا جلسہ جو ہزاروں افراد پر مشتمل تھا، بالکل حیرت زدہ سا معلوم ہوتا تھا۔ وقتاً فوقتاً واہ واہ کی صدائیں بلند ہوتی تھیں اور دل سے اس بابرکت وجود گرامی کے لیے دعائیں نکلتی تھیں جسے خدا نے حیات ملی کے ایک نازک دور میں زندگی نو کی داغ بیل ڈالنے کا کام سپرد کیا تھا۔"

نظر ثانی کے وقت علامہ اقبال نے اس نظم کے ساتویں بند کا یہ شعر حذف فرما دیا

ملک ہاتھوں سے گیا، ملت کی آنکھیں کھل گئیں
سرمہ چشم دشت میں گرد رم آہو ہوا!

انجمن حمایت اسلام لاہور کے اٹھائیسویں [۲۸] سالانہ جلسے کے ۲۳ مارچ ۱۹۱۳ء بروز یک شنبہ کے دوسرے اجلاس میں جو جناب شیخ اصغر علی صاحب بی۔ اے ڈپٹی کمشنر کی صدارت میں ہوا، شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لاء لاہور نے بھی شرکت فرمائی۔ آپ نے اس اجلاس میں ایک فارسی نظم سنائی۔ اس ضمن اجلاس مذکور کی روداد میں لکھا ہے:

"پھر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ بیرسٹرایٹ لاء لاہور کھڑے ہوئے تو حاضرین نے اظہار مسرت میں تالیاں بجا کر وہ شور مچایا کہ الامان ــــــ بعدازاں ڈاکٹر صاحب نے جو کچھ فرمایا اس کا خلاصۂ مضمون یہ ہے کہ

میں اس سال علالت طبع کی وجہ سے کوئی نظم نہیں لکھ سکا۔ مولوی احمدالدین صاحب بی۔ اے جو میرے دوست ہیں مجھے اس وقت گھر سے اٹھا لائے ہیں تاہم میں آپ کو مایوس نہیں کرنا چاہتا۔ ایک فارسی نظم جو ابھی غیر مکمل ہے، آپ کو سناتا ہوں:

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے اس نظم کے مضمون کو اردو میں بیان کرکے اپنی بے بدل فارسی نظم سنائی جس سے حاضرین بہت محظوظ ہوئے۔ [1]

---

[1] روداد اٹھائیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۳ مارچ ۱۹۱۳ء، صفحہ ۲۴، ۲۵

۲۳ اپریل ۱۹۱۶ء کو انجمن حمایت اسلام کا سالانہ جلسہ نواب ذوالفقار علی خان، صدر انجمن کے زیر صدارت منعقد ہوا، علامہ اقبال نے اس اجلاس میں اپنی بے مثل نظم "بلالؓ" پڑھی۔

علامہ اقبال نے انجمن کے بتیسویں سالانہ اجلاس (منعقدہ ۶ تا ۸ اپریل ۱۹۱۷ء) میں بھی ایک نظم پڑھی۔ [1]

علامہ اقبال نے انجمن کے پینتیسویں سالانہ جلسہ کے ۴ اپریل ۱۹۲۰ء بروز اتوار بوقت آٹھ بجے صبح کے پہلے اجلاس میں جو بصدارت آنریبل نواب سر محمد ذوالفقار علی خاں صاحب صدر انجمن ہوا، اس میں "ارتقا" اور "مرد آزاد" کے عنوان سے نظمیں پڑھیں۔ اس اجلاس کی روداد میں مذکور ہے کہ:

"اب حاضرین نے ڈاکٹر محمد اقبال صاحب سے نظم سنانے کے لیے درخواست کی مگر انہوں نے خود پہلوتہی فرما کر جناب گرامی صاحب جالندھری شاعر حضور نظام کو پیش کیا۔ چنانچہ گرامی صاحب نے چند اشعار سنائے۔"

اس کے بعد حکیم احمد شجاع صاحب بی۔ اے نے تقریر کی اور

"اس امر پر زور دیا کہ انجمن کو اس قسم کا جدید نصاب ترتیب دینا چاہیئے اور کہا کہ یہ کام انجمن کے قابل صدر آنریبل نواب سر محمد ذوالفقار علی خاں صاحب بالقابہ اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب بالقابہ جنرل سکرٹری انجمن ہذا کی نگرانی میں سب سے بہتر صورت میں انجام پا سکتا ہے" [2]

آخر میں لکھا ہے:

"بعد ازاں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے پی ایچ ڈی بیرسٹرایٹ لاء آنریری جنرل سکرٹری انجمن حمایت اسلام نے اشعار پڑھ کر حاضرین کو محظوظ کیا" [3]

---

[1] اس سال کی روداد دستیاب نہیں ہو سکی، روزنامہ پیسہ اخبار نے ۲ اپریل ۱۹۱۷ء کو اس اجلاس کا پروگرام شائع کیا لیکن نظم کا نام درج نہیں کیا۔

[2] روداد پینتیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۴ اپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ ۶۲

[3] ایضاً صفحہ ۶۵

اس نظم (ارتقا) کے مندرجہ ذیل اشعار میں اختلاف ہے:

مقام بست و شکست دفتر دہ سوز و گداز[1] میانِ قطرۂ نیسان و آتش عنبی

مغاں کہ دانۂ انگور آب می سازند ستارہ می شکنند و آب می سازند[2]

انجمن حمایت اسلام لاہور کے پینتیسویں سالانہ جلسے (۲ تا ۴ اپریل ۱۹۲۰ء) کے ۴ اپریل ۱۹۲۰ء بروز یکشنبہ بوقت ۲½ بجے بعد دوپہر کے دوسرے اجلاس میں جو بصدارت منشی الہ یار خاں صاحب منصف درجہ اول لاہور ہوا، ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے نے بھی شرکت فرمائی اور اپنے خیالات سے حاضرین جلسہ کو نوازا۔ چنانچہ اس ضمن میں اجلاس مذکور کی روداد میں لکھا ہے:

"پھر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے بیرسٹرایٹ لاء آنریری سکرٹری انجمن حمایت اسلام نے کہا کہ کسی ولایتی اخبار میں لکھا ہوا پڑھا ہے کہ کنٹربری آف انگلینڈ (ولایت کے لاٹ پادری) نے کہا کہ ہم اسلام کے دشمن نہیں۔ اس کے متعلق دو چار شعر[3] جو بار دوم لاہور میں ہی نظم کیے گئے تھے ناظرین سن کر محظوظ ہوں گے۔"[4]

علامہ اقبال کی طویل نظموں میں "خضر راہ" کو انفرادیت حاصل ہے۔ آپ نے یہ نظم انجمن کے سینتیسویں سالانہ جلسے منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء میں پڑھی۔ اس زمانے میں علامہ اقبال انجمن مذکور کے سکرٹری تھے۔ چنانچہ اس جلسے کا پروگرام آپ کی طرف سے اشاعت کے لیے اخبارات کو بھیجا گیا۔ "خضر راہ" کے سلسلے میں پروگرام میں تحریر تھا:

"ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔اے۔ پی ایچ ڈی، بیرسٹرایٹ لاء ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء اتوار کی شام کے آٹھ بجے بعد نماز مغرب ایک اردو نظم "خضر راہ" پڑھیں گے۔"[5]

---

[1] بانگ درا: مقام بست و شکست و فشار و سوز و کشید۔ [2] بانگ درا: ستارہ می شکنند آفتاب می سازند۔

[3] بانگ درا، صفحہ ۲۴۹۔ روداد میں یہ اشعار "لندن کا پادری" کے عنوان سے شائع ہوئے تھے۔

[4] روداد پینتیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲ تا ۴ اپریل ۱۹۲۰ء، صفحہ ۸۱

[5] پیسہ اخبار، ۱۱-۱۲ اپریل ۱۹۲۲ء

حسب پروگرام علامہ اقبال نے یہ نظم پڑھ کر سنائی۔ اس نظم نے " نہ صرف ڈاکٹر صاحب بلکہ تمام سامعین کو بے اختیار رُلا دیئے"۔ علامہ اقبال کی اس نظم کی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے یہ نظم نہ چھپوا کر اور نہ قلمی لکھ کر پڑھی بلکہ حافظے کی مدد سے زبانی سنائی۔ [1]

اجلاس کی کامیابی کے بارے میں پیسہ اخبار لکھتا ہے :

" بلحاظ لکچروں، تقریروں اور واعظوں کے بھی جلسہ اچھا کامیاب رہا...... چودھری شہاب الدین کا "مسدس حالی" کا پنجابی ترجمہ اور ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کی نظم قابل ذکر ہیں۔ گو چودھری صاحب کی نظم نے بھی لوگوں کو خوب متوجہ کیا تھا مگر ڈاکٹر محمد اقبال کی مؤثر قومی نظم نے بہت سے حاضرین کو چشم پُرنم کر دیا تھا"۔ [2]

ڈاکٹر طاہر فاروقی "خضر راہ" کے بارے میں رقم طراز ہیں :

"........ ۱۹۲۲ء میں اپنی تازہ نظم "خضر راہ" سنائی۔ اس وقت کی کیفیت الفاظ میں بیان نہیں کر سکتے۔ جس درد انگیز طرز سے اقبال نے یہ نظم پڑھی اور جو کیفیت و محویت حاضرین پر طاری ہوئی، اس کا اندازہ کرنا بھی دشوار ہے۔ جب اقبال نے یہ شعر پڑھا تو رو پڑے اور سب کو بے چین کر دیا۔

بیچتا ہے ہاشمی ناموسِ دینِ مصطفےٰ
خاک و خون میں مل رہا ہے ترکمانِ سخت کوش

اور جب اس شعر پر پہنچے تو خود بھی رو رہے تھے اور سارا مجمع بھی بے اختیار اشکبار تھا۔

ہو گیا مانندِ آب ارزاں مسلماں کا لہو
مضطرب ہے تو کہ تیرا دل نہیں دانائے راز [3]

انجمن حمایت اسلام لاہور کا اڑتیسواں سالانہ جلسہ ۲۹ تا ۲۱ مارچ ۱۹۲۳ء کو اپنی سابقہ شان و شوکت کے ساتھ منعقد ہوا۔ علامہ سر شیخ محمد اقبال نے اس جلسہ کے آخری اجلاس میں شرکت فرمائی اور اپنی مشہور نظم "طلوعِ اسلام" پڑھی۔ اس ضمن میں ہفت روزہ "حمایت اسلام" لاہور لکھتا ہے :

---

[1] پیسہ اخبار، ۲ مئی ۱۹۲۲ء
[2] پیسہ اخبار، ۱۸ اپریل ۱۹۲۲ء
[3] پیسہ اخبار، ۱۸ اپریل ۱۹۲۲ء
[4] سیرت اقبال، صفحہ ۱۲۹

"آخری اجلاس ترجمانِ حقیقت علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب ایم۔اے بیرسٹرایٹ لاء کی نظم کے لیے مخصوص تھا۔ تلاوتِ قرآنِ پاک کے بعد علامہ موصوف نے اپنی نظم "طلوعِ اسلام" کو اپنے مشہور دلآویز اور پُر درد لہجہ میں پڑھا"۔ لے

انجمن حمایت اسلام لاہور کا ۵۱واں سالانہ جلسہ ۱۰ تا ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء (بروز جمعۃ المبارک تا اتوار) منعقد ہوا۔ ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء والے پہلے اجلاس کی صدارت جناب محمد شاہنواز خان صاحب والیٔ ممدوٹ نے فرمائی۔ اس اجلاس میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کے علاوہ علامہ ابوالنصر سید بشر الطرازی، ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور حفیظ جالندھری نے شرکت فرمائی۔ سید طرازی اقبال کی کوششوں سے جلسہ میں شریک ہوئے۔

علامہ ابوالنصر کی شرکت کے بارے میں ہفت روزہ "حمایت اسلام" لکھتا ہے :۔

"ہم نہایت مسرت کے ساتھ قارئین کرام حمایت اسلام کو یہ مژدۂ جانفزا سناتے ہیں کہ امسال انجمن کے سالانہ اجلاس میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی بدولت علامہ سید ابوالنصر سید بشر الطرازی جو کہ دولت خداداد افغانستان کی ادبی مجلس کے رکن اعلیٰ و شاہی دارالتحریر کے فاضل ترجمان ہیں، شرکت فرمائیں گے"۔ ٢ے

علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی تازہ ترین نظم اور شرکت کے بارے میں "حمایت اسلام" رقمطراز ہے :۔

"اس اجلاس میں علامہ سر ڈاکٹر محمد اقبال مدظلہٗ صدر انجمن کی ایک تازہ ترین اردو نظم بعنوان "نغمۂ سرمدی" پڑھی گئی۔ یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ ایک عرصۂ دراز کے بعد علامہ کا تازہ کلام انجمن کے اسٹیج پر پڑھا گیا ہے اور علامہ محترم بہ نفسِ نفیس اس اجلاس میں رونق افروز تھے"۔ ٣ے

جلسے کی کامیابی پر اظہار خیال کرتے ہوئے روزنامہ انقلاب نے لکھا :۔

"اس سال انجمن حمایت اسلام کا سالانہ اجلاس اللہ کے فضل اور کارکنوں کی ہمت کے باعث بہت کامیاب رہا۔ پنڈال کی وسعت سال گزشتہ کی نسبت دگنی سے بھی زیادہ تھی، خواتین کے لیے

لے حمایت اسلام ۸ دسمبر ۱۹۲۸ء ، صفحہ ۶

٢ے حمایت اسلام لاہور ۱۶ اپریل ۱۹۳۶ء ، صفحہ ۳

٣ے ضرب کلیم (صفحہ ۷،۸) میں یہ نظم "لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ" کے عنوان سے درج ہے۔

بھی پہلے ہی ڈیوڑھا انتظام تھا۔ لیکن مسلمان مردوں اور عورتوں کا اجتماع علی العموم انتظامات کی گنجائش سے متجاوز ہو جاتا تھا۔

پروگرام بھی بہت اچھا تھا کیونکہ اس میں حضرت علامہ اقبال، ڈاکٹر سیف الدین کچلو، مولانا ظفر علی خان، مولانا عبدالحق، حفیظ جالندھری، علامہ مشرؔ الطرازی، پروفیسر ہادی حسن، مولانا احمد علی، مولانا غلام مرشد اور متعدد بزرگانِ ملت کے اسمائے گرامی درج تھے اور ان سب حضرات نے مسلمانوں کو اپنے خیالات سے مستفیض فرمایا...... ہم اس جلسے کی کامیابی پر حضرت علامہ اقبال، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، شیخ عظیم اللہ اور دوسرے مخلص کارکنانِ انجمن کو مستحق تحسین و تبریک سمجھتے ہیں۔" ؎

؎ روزنامہ انقلاب ۱۶؍اپریل ۱۹۳۶ء

ترجمانِ انجمن

ترجمانِ انجمن

علامہ اقبال کی نظمیں انجمن کے سالانہ جلسوں کا ایک خصوصی "فیچر" بن چکی تھیں۔ آپ انجمن کے انتظامی معاملات میں بھی گہری دلچسپی لیتے اور حتی الوسع مقدور بھر خدمات انجام دیتے۔ بعض اوقات تو آپ نظموں کے علاوہ لیکچر بھی دیتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ جس سال نظم نہ پڑھتے اس بار لیکچر دیتے۔ آپ کے بعض لیکچر جو انجمن کی رودادوں میں چھپ کر محفوظ ہو گئے تھے، دستیاب ہو گئے ہیں لیکن بعض ایسے بھی ہیں جو انہوں نے انگریزی زبان میں دیے، کسی دوسرے آدمی نے ان کا ترجمہ کر کے حاضرین کو سنا دیا اور بعد میں وہ لیکچر "آبزرور" میں چھپ کر چھپ گئے۔ چونکہ "آبزرور" کا کوئی شمارہ بھی دستیاب نہیں ہو سکا، اس لیے علامہ اقبال کے وہ گراں بہا لیکچر بھی محفوظ نہیں ہو سکے۔ بہر صورت ان کا تذکرہ ضروری ہے۔

علامہ اقبال جولائی ۱۹۰۸ء میں یورپ سے واپس تشریف لائے۔ انجمن حمایت اسلام کا تئیسواں[۲۳] سالانہ جلسہ منعقد ہوا تو آپ نے اس میں شرکت فرمائی اور انگریزی زبان میں ایک فاضلانہ خطبہ دیا۔ اس ضمن میں حمایت اسلام میں تحریر ہے :-

> "ڈاکٹر شیخ محمد اقبال، ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی نے جو انگلستان سے بیرسٹری کا امتحان پاس کر کے واپس آ چکے تھے، انگریزی میں ایک لیکچر دیا جس کا ترجمہ بزبان اُردو میاں فضل حسین بیرسٹر ایٹ لاء نے حاضرین کو سنایا"۔ [۱]

انجمن کے چوبیسویں[۲۴] سالانہ اجلاس (منعقدہ ۹ تا ۱۱ اپریل ۱۹۰۹ء) کے دوران میں ۱۰ اپریل کا تیسرا جلسہ جو شیخ عبدالحق، بی۔ اے، ایل۔ ایل۔ بی، وائس پریذیڈنٹ میونسپل کمیٹی ملتان کی صدارت میں۔ علامہ اقبال نے اس اجلاس میں بھی لیکچر دیا۔ جس کے بارے میں روداد میں تحریر ہے :-

---

[۱] حمایت اسلام ۶ اکتوبر ۱۹۳۸ء، صفحہ ۶

"صدر جلسہ نے انگریزی میں ایک مختصر سی تقریر کرکے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ...... سے التجا کی کہ وہ اپنا لیکچر شروع کریں۔ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی زبان میں فاضلانہ لیکچر دیا جو انگریزی اخبار "آبزرور" میں چھپ چکا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ اگر مکمل ہو کر مل گیا تو کسی آئندہ رسالہ میں شائع کیا جائے گا۔ حاضرین جلسہ اس لیکچر کے سننے سے بہت محظوظ ہوئے اور ڈاکٹر صاحب کے وسیع خیالات اور اعلیٰ معلومات سے فائدہ اٹھایا اور اس کی داد دی" [1]

نومبر ۱۹۱۹ء میں انجمن کی جنرل کونسل نے علامہ اقبال کو سکرٹری بنانا چاہا۔ یہ بات اخبارات میں بھی شائع ہوئی تو آپ کے بعض احباب نے اس ضمن میں آپ سے خط و کتابت کی۔ دراصل انجمن اپنے طور پر علامہ اقبال کو یہ عہدہ سپرد کرنا چاہتی تھی۔ آپ اس کے خواہاں نہ تھے کیونکہ بعض غلط کار لوگ انجمن میں موجود تھے جو در پردہ انجمن کو نقصان پہنچا رہے تھے۔ اس بات کا علامہ اقبال کو بہت قلق تھا۔ خان نیاز الدین نے آپ سے دریافت کیا تو آپ نے ۹ نومبر ۱۹۱۹ء کو جواب میں تحریر فرمایا :۔

"...... سکرٹری شپ انجمن حمایت اسلام کے لیے میں کوئی کوشش نہیں کر رہا۔ مسلمان پبلک میرے سپرد یہ کام کرنا چاہتی ہے اور میں نے بعض معززین سے وعدہ کیا ہے کہ اگر عبدالعزیز صاحب مستعفی ہو جائیں تو میں یہ کام اپنے ذمے لے لوں گا۔ اس سے زیادہ میری اور کوشش نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ مقصود جاہ طلبی اور نام نمود نہیں۔ اگر عبدالعزیز صاحب نے یہ کام چھوڑ دیا تو میں جہاں تک میرے بس میں ہوگا، کام کروں گا" [2]

چونکہ رائے عامہ عبدالعزیز صاحب کے خلاف ہو چکی تھی اس لیے وہ مستعفی ہونے پر مجبور ہو گئے اور علامہ اقبال نے ۱۳ مارچ ۱۹۲۰ء کو آنریری سکرٹری جنرل کی حیثیت سے عہدہ سنبھال لیا۔ سکرٹری منتخب ہونے کے بعد آپ نے حاجی شمس الدین کے ہمراہ مندرجہ ذیل اعلان جاری فرمایا۔ اس اعلان میں انجمن کے وکلاء اور سفیروں کی فہرست درج فرمائی اور بعض ضروری امور شائع فرمائے :۔

---

[1] روداد چوبیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۹ تا ۱۱ اپریل، صفحہ ۲۲

[2] مکاتیب اقبال بنام نیاز الدین، صفحہ ۲۴

(الف) آنریری وکلاء

۱۔ ملک غلام محی الدین صاحب چیف کلرک ڈی۔ٹی۔ایس لائل پور
۲۔ مولوی محمد کرم الٰہی صاحب بی۔اے وکیل سیالکوٹ
۳۔ مولوی عبدالعزیز صاحب مدرس اسلامیہ ہائی سکول، گوجرانوالہ
۴۔ منشی فضل الٰہی صاحب اہل مدنذرانہ فریدکوٹ
۵۔ قاضی فتح محمد صاحب انبالوی
۶۔ حافظ عبدالمجید صاحب امام مسجد اوگی ضلع جالندھر
۷۔ منشی رحیم بخش صاحب محرر جرمانہ کیمبل پور
۸۔ سیٹھ احمد دین صاحب نائب تحصیلدار بنگہ حیات
۹۔ بابو مولا بخش صاحب سٹیشن ماسٹر واں
۱۰۔ مفتی میر احمد صاحب سوداگر چوب پشاور
۱۱۔ مولوی عبدالعزیز صاحب اسسٹنٹ سٹیشن ماسٹر ریلوے، وزیرآباد

(ب) سفیران

۱۔ شیخ محمد عبداللہ صاحب
۲۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب

التماس

۱۔ مصنفین کتب، مالکانِ مطابع و ایڈیٹرانِ اخبار انجمن کی لائبریری کے لیے کتب و اخبارات بھیج کر ممنون فرماویں۔

۲۔ جن اصحاب کی خدمت میں رسالہ پہنچتا ہے وہ جب کہیں تبدیل ہوں دفتر انجمن میں اطلاع دیا کریں تاکہ اس پتہ پر رسالہ روانہ ہوا کرے اور تلف نہ ہو۔

۳۔ انجمن کے تمام معاملات میں خط و کتابت بنام سکرٹریان انجمن ہونی چاہیئے مگر منی آرڈر بنام فنانشل سکرٹری انجمن ہذا ارسال کرنے چاہئیں۔ منی آرڈر کے کوپن پر نام، پتہ اور رقم واضح اور صاف خط میں لکھنا چاہیئے۔

شمس الدین و محمد اقبال سکرٹریانِ انجمن حمایت اسلام لاہور

۱۹۲۰ء میں ترک موالات کی تحریک بہت زوروں پر تھی۔ اسی زمانے میں علامہ اقبال نے انجمن کی سکرٹری شپ کی ذمہ داریاں سنبھالی تھیں۔ یہ بڑا نازک دور تھا۔ ۵ نومبر ۱۹۲۰ء کو نواب ذوالفقار علی خاں،

صدر انجمن کی صدارت میں انہی کی کوٹھی پر جنرل کونسل کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں بقول مولانا ظفر علیخاں "بڑے بڑے جغادری، خان بہادر، آنریبل اور سر جمع ہوئے تھے۔" اجلاس میں ترک موالات پر بحث و تمحیص ہوئی۔ علامہ اقبال نے اس امر کی تائید کی کہ

"گزشتہ اجلاس میں الحاق برقرار رکھنے کے متعلق جس طریق سے رائیں لی گئیں وہ طریقہ قطعاً غیر آئینی تھا۔"

"اسی اجلاس میں پروفیسر ہنری مارٹن، پرنسپل اسلامیہ کالج معزول کیے گئے اور پروفیسر حاکم علی موقوف کیے گئے کیونکہ انہوں نے بعض بیہودہ تحریریں اور فتویٰ شائع کر کے انجمن کے قواعد کی خلاف ورزی کی تھی۔ چونکہ مسلمان ترک موالات کے حامی تھے اور علمائے کرام اس کے متعلق فتویٰ دے چکے تھے کہ حکومت سے اشتراک عمل قطعاً حرام ہے اور جمعیتہ العلمائے ہند کی قرارداد یہ تھی کہ جن طلبہ نے ترکِ موالات کے ماتحت مدارس چھوڑ دیے ہیں، انہوں نے احکام اسلامی کی پابندی کی ہے، ان حالات میں کالج کھولنا سخت غلطی ہوگی۔ لیکن اس کے باوجود ۱۱ نومبر کو کالج کھولنے کی تجویز منظور کی گئی اور یہ بھی فیصلہ ہوا کہ بشرطِ ضرورت پولیس بھی بلالی جائے۔ ڈاکٹر کچلو کا خیال تھا کہ کالج بند رہنا چاہیئے۔ چونکہ مذہبی حکم ہے کہ مسلمانوں کو اپنے کالجوں کا الحاق سرکاری یونیورسٹیوں سے قطع کر لینا چاہیئے۔ اس لیے فی الحال کالج کو بند رکھیے۔ آپ دوسرے طلبہ کو اور کالج میں داخل کرا ہی چکے ہیں، مناسب یہی ہے کہ جب تک الحاق کے متعلق فیصلہ نہ ہو جائے کالج نہ کھولا جائے۔"[۱]

ترک موالات پر مزید غور کرنے کے لیے ۱۴ نومبر کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس نواب ذوالفقار علی خان کے زیر صدارت منعقد ہوا۔ اس جلسے میں بڑے بڑے اکابر قوم جمع ہوئے جن میں سے اکثر ایسے تھے جو اپنی سرکاری مصروفیات کی وجہ سے پہلے کبھی جنرل کونسل کے اجلاس میں شریک نہ ہوئے تھے۔ لیکن اس روز جبکہ اسلامیہ کالج کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا تھا، سب جمع ہو کر آئے تھے کہ کسی نہ کسی طرح اپنے "کالج کو تباہی" سے بچالیں۔ کونسل کے اراکین[۲] کے علاوہ ڈھائی تین سو دیگر مسلمانوں کا مجمع بھی تھا۔ سب سے پہلے صاحب صدر نے

---

[۱] روزنامہ زمیندار ۸ دسمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۲

[۲] ایسے اراکین میں نواب سر رحیم بخش، نواب خدا بخش، شیخ اصغر علی، جسٹس عبدالرؤف، میاں فضل حسین، چودھری شہاب الدین خان بہادر خواجہ غلام صادق قابل ذکر ہیں جنہوں نے اجلاس میں شرکت کی۔

افتتاحی تقریر کی اور ان کے بعد ڈاکٹر محمد اقبال، سکرٹری نے جلسۂ گزشتہ کی رپورٹ پڑھی اور بتایا کہ
"اس عرصے میں ہمارے پاس متعدد فتوے موصول ہو چکے ہیں جن میں علمائے ہند کا ایک فتویٰ ہے جس پر انتالیس علمائے کرام کے دستخط ہیں۔ علمائے فرنگی محل، علمائے دہلی، علمائے مدرسہ الہیات کانپور کے فتوے بھی موصول ہو چکے ہیں۔ ان کے علاوہ شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کا فتویٰ بھی پہنچا ہے۔ یہ سب فتوے عدم تعاون کے حق میں ہیں۔ میں نے پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑہ کو لکھا تھا لیکن ان کی طرف سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ عدم تعاون کے خلاف جو فتوے میرے پاس موصول ہوئے ان میں ایک فتویٰ تو حاکم علی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج کا ہے۔ دوسرا فتویٰ مولانا اصغر علی روحی کا ہے جس میں انہوں نے عدم تعاون کی تو تائید کی ہے لیکن سکولوں اور کالجوں کے متعلق لکھا ہے کہ جب تک کوئی اپنا انتظام نہ ہو جائے لڑکوں کو ان مدارس سے اٹھانا درست نہیں" [1]

مولانا عبد القادر، صدر مجلس خلافت، خان بہادر خواجہ غلام صادق، ڈاکٹر کچلو، شیخ عبد القادر، میاں فضل حسین، احمد حسین خان، ڈاکٹر محمد دین ناظر، وغیرہ نے بحث میں حصہ لیا۔ اس کے بعد علامہ اقبال نے ایک پُر جوش اور مدلل تقریر میں فرمایا :-

"میں ہمیشہ ہر معاملے کو مذہبی نقطۂ نظر سے دیکھتا ہوں اور جب تک کسی امر پر پورا پورا غور و خوض نہیں کر لیتا قطعی رائے قائم نہیں کرتا۔ میں مسلمانوں کو بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر وہ آج شریعت کے احکام پر نہ چلے تو ہندوستان میں ان کی حیثیت اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل تباہ ہو جائے گی"۔ [2]

مولوی محمد ابراہیم سیالکوٹی نے تجویز پیش کی کہ انجمن علمائے کرام اور جدید تعلیم یافتہ لوگوں کا ایک جلسہ منعقد کرے جس میں یہ مسئلہ پیش کیا جائے کہ علمائے کرام اس کا جو فیصلہ کریں وہ منظور کیا جائے۔ بعد ازاں نواب رحیم بخش اور ڈاکٹر کچلو نے بحث میں حصہ لیا۔ نیز میاں فضل حسین، جسٹس عبد الرؤف، مولوی فضل الدین، چودھری شہاب الدین، منشی دین محمد ایڈیٹر میونسپل گزٹ، نواب سر رحیم بخش، نواب خدا بخش، شیخ انعام علی، محمد رفیع، محبوب عالم ایڈیٹر پیسہ اخبار، شیخ عبد القادر، محمد ابراہیم سیالکوٹی، مولوی انشاء اللہ خاں ایڈیٹر وطن، خواجہ غلام صادق اور ان کے تمام حواریوں نے الحاق کے حق میں رائے دی۔ ڈاکٹر محمد اقبال، حاجی شمس الدین، مولوی غلام محی الدین نے کہہ دیا کہ

---

[1] روزنامہ زمیندار ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

[2] ایضاً

"ہم مذہب کو تمام چیزوں سے بالاتر سمجھتے ہیں اور علمائے کرام کو اپنا حکم سمجھتے ہیں۔ جمعیت علمائے ہند جو کچھ فیصلہ کرے گی وہی ہماری رائے ہے ہم اسلام پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے تیار ہیں" لہ

اس کے بعد جن لوگوں نے الحاق کے حق میں رائے دی تھی، ان میں سے بعض نے اپنی رائیں واپس لینی چاہیں تو بہت شور و غل برپا ہوگیا اور جلسہ بغیر کسی فیصلے کے برخاست ہوگیا۔

یہ ایک تاریخی خط جو علامہ اقبال نے روزنامہ زمیندار کے مدیر کے نام ترک موالات اور اسلامیہ کالج کے یونیورسٹی سے الحاق کے بارے میں تحریر فرمایا۔ اس کے ذریعے بعض گوشے بالکل پہلی بار بے نقاب ہو رہے ہیں نیز علامہ اقبال کے مذہب اور سیاست کے بارے میں دو ٹوک نظریات کا پتہ چلتا ہے۔ یہ خط آج تک کسی مجموعے میں شائع نہیں ہوا۔

مخدومی جناب ایڈیٹر صاحب زمیندار، السلام علیکم!

آج کے "زمیندار" میں جنرل کونسل انجمن حمایت اسلام لاہور کے جلسہ منعقدہ ۱۴ نومبر ۱۹۲۰ء کی کارروائی پر آپ نے جو کچھ لکھا ہے، اس میں ایک آدھ فروگذاشت ہوگئی ہے جس کا ازالہ عام مسلمانوں کی آگاہی کے لیے ضروری ہے لہذا یہ چند سطور لکھتا ہوں۔ مہربانی کر کے اپنے اخبار میں درج فرما کر مجھے ممنون کیجیے۔

ارکین کونسل کے سامنے تین تجویزیں تھیں۔

(۱) اسلامیہ کالج لاہور کا الحاق پنجاب یونیورسٹی سے جاری رکھا جائے۔ محرک میاں فضل حسین صاحب سکرٹری کالج۔ موید مولوی فضل الدین صاحب وائس پریذیڈنٹ انجمن۔

(۲) انجمن حمایت اسلام لاہور اپنے طور پر علمار پنجاب و ہندوستان کی ایک کانفرنس کرے جس میں حالات حاضرہ سے واقف کار لوگ بطور مشیر کام کریں تاکہ حضرات علمار مسائل متنازعہ فیہ کے ہر پہلو پر پوری بحث و تمحیص کے بعد نتائج پر پہنچیں۔ علمار کی اس بحث میں مشیروں کو رائے دینے کا کوئی حق نہ ہوگا اور فیصلہ کثرت آراء سے ہوگا۔ اختتام کانفرنس تک اسلامیہ کالج کا الحاق یونیورسٹی سے قائم رہے۔ محرک مولوی ابراہیم سیالکوٹی۔

(۳) جمعیت علمار کا اجلاس دہلی میں عنقریب ہونے والا ہے۔ ان کے فتوے کا انتظار کیا جائے اور چند حضرات انجمن کی طرف سے بطور وفد اس جلسے کی بحث و مباحثے میں شریک ہوں۔ محرک ڈاکٹر کچلو۔

پہلی تجویز میں قطعاً کوئی مباحثہ نہیں ہوا۔ نہ مذہبی نقطہ خیال سے نہ تعلیمی نقطہ نگاہ سے۔ اس کے متعلق میں

لہ روزنامہ زمیندار، ۱۶ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

نے عرض کیا کہ اگر ارکان کونسل مذہبی نقطہ نگاہ سے اس تجویز پر بحث مباحثہ نہیں کر سکتے، تو تعلیمی نقطہ نگاہ سے اس پر معقول و مدلل بحث ہو سکتی ہے۔ عدم تعاون یا ترک موالات سے قطع نظر کر کے بھی تعلیم کو "نیشنلائز" کرنے کے دلائل دیئے جا سکتے ہیں۔ مولوی غلام محی الدین صاحب نے بھی صدر جلسہ سے اجازت بحث کی چاہی مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اجازت نہ دی۔ اصل بات یہ ہے کہ میاں صاحب کی تجویز کے فوراً بعد دوسری اور تیسری تجاویز پیش کر دی گئیں اور بحث انہیں تجاویز پر ہوتی رہی۔ بہرحال تجویز اوّل پر ووٹ لیے گئے جن کا نتیجہ یہ ہے کہ کثرت آرا میاں فضل حسین کی تجویز کے حق میں تھی۔ ۱۲ ممبروں نے جن میں مولوی عبدالقادر صاحب قصوری، حاجی شمس الدین صاحب اور خاکسار شامل تھے ووٹ دینے سے اس بنا پر انکار کیا کہ ان ممبروں کی رائے میں معاملہ زیر بحث کا ایک نہایت اہم مذہبی پہلو ہے جس کا فیصلہ علمائے استفتا کیے بغیر ایک ایسی انجمن کے لیے ناممکن ہے جو انجمن حمایت اسلام کے نام سے موسوم ہو۔ پہلی تجویز کے فیصلہ ہو جانے پر باقی دو تجاویز پر ووٹ لینا ضروری نہ سمجھا گیا۔ مذکورہ بالا ۱۲ ممبران میں سے بعض ڈاکٹر کچلو صاحب کی تجویز کے موید تھے اور بعض مولوی ابراہیم صاحب کی تجویز کے موید تھے۔ میری رائے یہ تھی کہ مولوی ابراہیم صاحب کی تجویز کے مطابق انجمن خود علماء کی ایک کانفرنس مدعو کرے تاکہ اس نازک مسئلے کے ہر پہلو پر پوری بحث ہو سکے۔ جو فتوے دفتر انجمن میں موصول ہوئے ہیں ان کو حضرات علماء سے فرداً فرداً حاصل کیا گیا ہے اور نیز بعض نہایت ضروری سوالات ان سے پوچھے ہی نہیں گئے۔ مثلاً حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کے فتویٰ میں الحاق کے متعلق کوئی سوال نہیں کیا گیا۔ اسی طرح مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کی خانقاہ کا فتویٰ یا مضمون ترک موالات کے مسئلے پر ایک عام بحث ہے جس میں استفتا بھی درج نہیں۔ علیٰ ہذا القیاس علمائے سندھ کے فتوے میں زر امداد یا الحاق کے متعلق کوئی سوال حضرت علماء سے نہیں کیا گیا۔ کفار سے ترک موالات مسلمانوں کے لیے کوئی نیا حکم نہیں اور اس سے کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ ہاں اس کے مدارج اور جزئیات مختلف ہیں۔ کفار محارب ہوں تو ان کے لیے اور احکام ہیں، غیر محارب ہوں تو ان کے لیے اور احکام ہیں۔ اس فرق کو کسی فتوے میں نمایاں نہیں کیا گیا جس سے میرے خیال میں سخت غلط فہمی پیدا ہو رہی ہے۔

مثلاً آج شام ہی میں نے ایک دوست سے سنا کہ پروفیسر حاکم علی صاحب اسلامیہ کالج نے اپنے فتوے کی تصدیق میں مولوی احمد رضا صاحب بریلوی سے ایک فتویٰ حاصل کیا ہے۔ پروفیسر صاحب خود بریلی تشریف لے گئے تھے۔ لاہور واپس آنے پر انہوں نے مولوی اصغر علی روحی سے استدعا کی کہ وہ بھی مولوی احمد رضا صاحب

کے فتوی پر دستخط کریں لیکن چونکہ حضرات دیوبند و مولوی اشرف علی تھانوی پر اس فتوے میں سب و شتم کیا گیا تھا اس واسطے مولوی اشرف علی صاحب نے اس پر دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ حاکم علی صاحب آنریبل میاں فضل حسین سے ایک دستی خط لے کر پھر مولوی احمد رضا صاحب کی خدمت میں پہنچے اور ان سے التماس کی کہ میاں صاحب فرماتے ہیں کہ علمائے دیوبند وغیرہ پر جو ئے دے آپ نے اپنے فتوے میں کی ہے، اسے فتوے سے نکال ڈالیے، لیکن مولوی صاحب نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور میاں صاحب کے خط کے جواب میں کہا کہ وہ سب لوگ مرتد ہیں۔ میرے دوست نے یہ فتوی خود پڑھا ہے اور مولوی احمد رضا صاحب کا وہ خط بھی دیکھا ہے جو مولوی صاحب موصوف نے میاں صاحب کے جواب میں لکھا ہے۔ خیر یہ تو جزوی امور تھے۔ میں نے اپنے دوست سے پوچھا کہ آیا اس فتوے میں محارب و غیر محارب کفار کا امتیاز کیا گیا تھا تو انہوں نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ جب تک ضروری سوالات ہی نہ کیے جائیں تو مفتی کا کیا قصور ہے۔ اس امتیاز کے علاوہ بعض نہایت اہم اقتصادی سوالات پیدا ہوتے ہیں جن کا پوچھنا مفتی سے ضروری ہے تاکہ مسلمانوں کے لیے ایک پورا نظام عمل مرتب ہو اور ہر خیال کے مسلمان پر اتمام حجت ہو سکے۔ غرض یہ کہ جس طرح مفتی کے لیے علم و تقوی کے ضروری شرائط ہیں اسی طرح مفتی کے علم سے مستفیض ہونے کے لیے ضروری ہے کہ سائل نکتہ رس، معاملہ فہم اور زیرک ہو۔ بالخصوص ایک ایسے معاملے میں جس کا اثر مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کے ہر پہلو پر پڑتا ہو، پوری چھان بین اور تحقیق و تدقیق ضروری ہے اور اس تحقیق و تدقیق کے لیے بھی وہی راہ اختیار کرنی چاہیے جو شریعت حقہ نے بتائی ہے۔ فرداً فرداً فتوی لینے سے کبھی کام نہ نکلے گا۔ اس وقت مسلمانوں کی بدنصیبی سے اس ملک میں یا اور اسلامی ممالک میں کوئی واجب الطاعتہ امام موجود نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد نے فرمایا تھا کہ واجب الطاعتہ امام نہ ہونے کی صورت میں خلافت کمیٹی کا فتوی واجب الطاعتہ ہے میں نے ان کے دلائل نہیں سنے۔ اس وقت تک مجھے ان کی اس رائے سے اتفاق نہیں۔ ممکن ہے ان کے دلائل سننے کے بعد میری رائے بدل جائے۔ فی الحال تو میرے نزدیک یہی راہ کھلی ہے اور یہی راہ شریعت کی رو سے بھی انسب و اولیٰ ہے کہ حضرات علما ایک جگہ جمع ہو کر ہر قسم کا اعتراض سننے اور پورے بحث و مباحثے کے بعد مسلمانوں کے لیے ترک موالات کا ایک پروگرام مرتب کریں۔ اس جمعیت میں حضرات مشائخ، بڑے بڑے حنفی علما اور اگر ضروری ہو تو شیعہ اور اہل حدیث علما بھی جن کے علم و تقوی پر قوم کو اعتماد ہو، طلب کیے جائیں۔ میرے خیال میں ایسے حضرات کا انتخاب کوئی مشکل امر نہیں۔ مسلمان وکلا بھی اس بحث میں شریک ہو کر کم از کم سائل

کی حیثیت سے مدد دیں۔ حضرات علماء کے لیے بھی یہ ایک نادر موقع ہے کہ وہ آپس کے اختلافات کو رفع کر کے امت مرحومہ پر اپنا کھویا ہوا اقتدار پھر حاصل کریں۔ خدا تعالےٰ نے ایسے اسباب پیدا کر دیئے ہیں کہ یہ بھٹکا ہوا آہو پھر خود بخود حرم کی طرف آرہا ہے۔

قوم آوارہ عناں تاب ہے پھر سوئے حجاز

ایسے حالات قوموں کی زندگی میں شاذ ہی پیدا ہوا کرتے ہیں اور اگر ان حالات سے حضرات مشائخ و علماء نے فائدہ نہ اٹھایا اور مسلمانوں کی رہنمائی کر کے ان کو اپنے بچھڑے ہوئے محبوب یعنی شریعت حقہ اسلامیہ سے نہ ملا دیا تو اس ملک میں مسلمانوں کا بحیثیت ایک مذہبی جماعت کے خاتمہ تصور کرنا چاہیئے اور وہ مسلمانان ہند کی اس ہلاکت کے لیے قیامت کے دن نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے جواب دہ ہوں گے۔ اگر اس کانفرنس میں علماء کے انتخاب اور اس کے مجموعی عمل میں دیانت و امانت سے کام لیا گیا تو مسلمانانِ ہند کی زندگی میں وہ عظیم اخلاقی اور روحانی انقلاب پیدا ہوگا، جس کے لیے شاہ ولی اللہ کی رُوح تڑپتی تھی۔

میں جانتا ہوں کہ اس تجویز کو عمل میں لانے کے لیے وقت اور روپیہ کی ضرورت ہے لیکن ایسے اہم مسئلے کے تصفیہ کے لیے وقت اور روپے کا سوال خارج از بحث ہے۔ اراکین جنرل کونسل نے تو یہ سلامتی کی راہ اختیار نہیں کی اور حمایت اسلام کہلا کر بے دردی سے اسلام کو نظر انداز کر دیا ہے لیکن مسلمانان پنجاب سے میری التماس ہے کہ وہ اس کام کو توکل بخدا اپنے ذمہ لیں اور لاہور یا باہر کے مسلمانوں میں سے کوئی اللہ کا بندہ اور نبی امیؐ کا عاشق ایسا نکلے کہ اس کانفرنس کا تمام خرچ اپنے ذمہ لے۔ اس کا یہ خرچ بیکار نہ جائے گا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دُنیا میں اس پر فلاح و برکت کے دروازے کھول دے گا اور آخرت میں وہ اس کی بارگاہ میں باریاب ہوگا جس کی آستان بوسی کو دُنیا کے عظیم ترین شہنشاہوں نے اپنا طغرائے امتیاز تصور کیا ہے۔

شاید آپ کے بعض ناظرین کے دل میں یہ خیال گزرے کہ جب جمعیت علماء کا جلسہ دہلی میں عنقریب ہونے والا ہے تو ایسی کانفرنس قائم کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ڈاکٹر کچلو صاحب کی تجویز میں سردست کسی خرچ اور وقت کی ضرورت نہیں لیکن جب جنرل کونسل میں ان تجاویز پر بحث ہو رہی تھی تو بعض صاحبان کی گفتگو سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ دہلی کی کانفرنس کو شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اس بناء پر کہ یہ کانفرنس ایک خاص خیال کے علماء کا مجموعہ ہوگی۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اس خیال کے اور بھی مسلمان ہیں اور میں مولوی ابراہیم صاحب کی تجویز کی اس بناء پر تائید کرتا ہوں کہ کوئی شائبہ بھی کسی قسم کے شک و ظن کا

نہ رہے اور ایک ایسی کانفرنس قائم کی جائے جس کا فتویٰ ہر خیال کے مسلمانوں کے لیے حجت ہو اور کسی کو بھی کسی قسم کے اعتراض کی گنجائش نہ رہے۔ جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ حالاتِ حاضرہ محض ایک سیاسی مفہوم رکھتے ہیں اور پختہ کارانِ سیاست ہی اس کے فیصلہ کے اہل ہیں اور مسند نشینانِ پیغمبر کو ان حالات سے کچھ سروکار نہیں۔ وہ میری رائے ناقص میں ایک خطرناک غلطی میں مبتلا ہیں جو حقائق و تاریخ اسلامیہ اور شریعت حقہ کے مقاصد کے نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی ہے۔ قومی زندگی کی کوئی حالت ایسی نہیں جس پر فقہائے اسلام نے حیرت انگیز چھان بین نہ کی ہو۔ اگر مسلمان اس خُدا کے دیے ہوئے قانون سے فائدہ نہ اٹھائیں تو ان کی بدنصیبی ہے۔ شارع اُمی (بِاَبِی اَنتَ وَ اُمِّی) نے تو وہ اصول بتائے ہیں کہ ان کی ہمہ گیری کے سامنے حال کے مغربی فقہا کا تفقہ جس پر ہمارے وکیلوں اور بیرسٹروں کو ناز ہے ایک طفل مکتب کی ابجد خوانی نظر آتا ہے۔

رسالت محمدیہ کا مقصد صرف یہی نہیں کہ بندوں کو اپنے رب سے ملائے بلکہ اس کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ بندوں کو اس چار عناصر کی دُنیا میں رہنے اور انفرادی و ملی زندگی بسر کرنے کے لیے ایک مکمل آئین بھی عطا فرمائے اور یہ آئین خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے اس وقت تک مسلمانوں کے پاس محفوظ ہے۔ اس سے مستفید ہونے کے لیے قوتِ استدلال اور پاکیزگیٔ عمل کی ضرورت ہے اور ان اوصاف کی متاعِ گراں مایہ ابھی تک بکلی مفقود نہیں ہوئی۔ مسلمانوں کے لیے نہ مسٹر گاندھی کی زندگی اسوۂ حسنہ ہے نہ کسی انسان کا بنایا ہوا ہدایت نامہ ان کے لیے دلیل راہ ہو سکتا ہے۔ ان کو اپنے ہر فعل کے لیے خواہ انفرادی ہو خواہ اجتماعی کتاب اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل میں نظام کار تلاش کرنا چاہیے اور جو نظام کاران دو مواخذ سے ملے اسی پر عمل پیرا ہونا چاہیے اور اس بات کا خیال تک بھی نہ کرنا چاہیے کہ ان کا نظام عمل مسٹر گاندھی کے پروگرام کے مطابق ہے یا اس سے مختلف ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اس وقت جو معاملات زیر بحث ہیں محض سیاسی ہیں وہ جمعیت اسلامیہ کی ہیئت اور اس کے مقاصد سے بالکل بے خبر ہیں۔ اسلام کے نزدیک مسلمان کا کوئی فعل انفرادی ہو یا اجتماعی مذہب کی ہمہ گیری سے آزاد نہیں اور برخلاف دیگر مذاہب کے اسلام نے زندگی کے ہر پہلو کے لیے احکام وضع کیے ہیں۔ ہم مسلمانوں کے عقیدے کی رو سے انفرادی، ملی اور بین الملی قانون کا اصل الاصول الہامِ الٰہی پر مبنی ہے اور اسلام کا ہر فعل اگر اس کا محرک اللہ اور رسول کی رضا جوئی ہے تو وہی فعل قربِ الٰہی کا باعث ہے خواہ اس کا اثر فاعل کی اپنی ذات پر پڑتا ہو خواہ دیگر اقوام پر۔ وہ سیاست جو مذہب سے معرا ہو

ضلالت و گمراہی ہے اور وہ مذہب جو اپنے احکام میں تمام ضروریاتِ انسانی کو ملحوظ نہیں رکھتا ایک قسم کی ناقص رہبانیت ہے حقیقت یہ ہے کہ بعض مغربی خیالات ایک نامحسوس زہر کی طرح ہمارے دماغوں میں سرایت کر گئے ہیں جن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ مذہب کو سیاست سے کوئی واسطہ نہیں۔ اکثر تعلیم یافتہ نوجوان بے تحاشا اس خیال کا اظہار کرتے ہیں اور قوم کو بھی اس پر عمل پیرا ہونے کی دعوت دیتے ہیں۔ ان کو اس بات کا احساس تک نہیں کہ یہ خیال کم از کم اسلام کے لیے زہرِ قاتل ہے۔ لطف یہ ہے کہ خود یورپ کے حکما جو اس خیال کے بانی ہیں اور جن سے ہمارے نوجوانوں نے یہ سبق سیکھا ہے اب اس ہیبت ناک جنگ کے بعد جو اسی شیطانی اصول کا نتیجہ تھی اس خیال کی صحت میں متامل نظر آتے ہیں۔

افسوس ہے کہ ارکین انجمن حمایت اسلام نے بھی معاملات زیرِ بحث کے فیصلہ میں اسی اصول پر عمل کیا ہے مجھے ان سے یہ شکایت ہے کہ انہوں نے کیوں فیصلہ کرنے سے پیشتر فقہائے اسلام سے استصواب نہیں کیا۔ اگر تمام حالات کو سننے کے بعد فقہائے اسلام کی یہی رائے ہو کہ الحاق قائم رکھا جائے تو میں بھی نہایت خوشی کے ساتھ ارکین انجمن کا ہم نوا ہوں قطع نظر اس کے کہ انہوں نے اپنا ایک اہم مذہبی فرض ادا نہیں کیا۔ میری رائے ناقص میں اس سوال کے مذہبی پہلو کو نظر انداز کر دینے سے ارکین کونسل نے خود انجمن کے لیے ایک زندگی و موت کا سوال پیدا کر دیا ہے۔

میں نے آپ کے اخبار کی بہت سی جگہ لے لی ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ آپ فراخدلی سے مجھے معاف فرمائیں گے۔ اب میں اس طویل خط کو اس دُعا پر ختم کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا حامی و ناصر ہو اور اپنے حبیبِ پاک کے صدقے میں ان کی تمام مشکلات کا خاتمہ کرے [1]

آپ کا مخلص

محمد اقبال

۱۵۔ نومبر ۱۹۲۰ء

مسلمانان لاہور نے اپنے جلسۂ عام میں یہ فیصلہ کیا تھا کہ کالج کو جب تک کہ عام مسلمانوں کے مطالبہ اور علما کرام کے فتوے کے موافق الحاق و امداد سے آزاد نہ کرا لیا جائے، کھلنے نہ دیا جائے۔ اب چونکہ ۱۱ دسمبر کو کالج کھلنے والا تھا اور ممکن تھا کہ کالج کے کھلنے میں ارکین کالج کونسل اور عام مسلمانوں کی خواہش ایک دوسرے سے ٹکرا کر

[1] روزنامہ زمیندار ۱۸ نومبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۱، ۲

جوش اور خروش کی صورت نمایاں ہو لہٰذا عام مسلمانانِ لاہور اپنی منشا کے پورا کرنے کے لیے مستعد و آمادہ تھے کہ ۱۰ ردسمبر کی شام کو مسلمانانِ لاہور کے پیشرو جناب کچلو صاحب کی خدمت میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب کا ایک گرامی نامہ پہنچا۔ ڈاکٹر اقبال کا وہ گرامی نامہ اور ڈاکٹر کچلو کی طرف سے اس کا جواب ہر دو ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

لاہور

ڈیر ڈاکٹر کچلو

۱۰ ردسمبر ۱۹۲۰ء

بعض ممبران کونسل انجمن کی طرف سے ریکوازی ایشن (مطالبہ) مجھے اس وقت شفاعت اللہ صاحب سے موصول ہو گئی ہے۔ اب انشا اللہ مسئلہ الحاق کونسل کے سامنے پھر پیش ہو جائے گا اور اس بات کی پوری کوشش کی جائے گی کہ انجمن اپنے فیصلہ میں علماء سے استصواب کرے۔ جہاں تک ممکن ہوگا جلد کونسل کا اجلاس منعقد کر کے یہ ریکوازی ایشن (مطالبہ) پیش کی جائے گی۔ تا فیصلہ میری رائے میں کالج کھول دینا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کو بھی اس سے اتفاق ہوگا۔ موجودہ حالات میں غالباً یہ سب سے بہتر طریق عمل ہے۔ مہربانی کر کے اپنی رائے سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیے۔ والسلام

مخلص

محمد اقبال

---

۱۰ ردسمبر ۱۹۲۰ء

آپ کا خط مورخہ ۱۰ ردسمبر موصول ہوا۔ مجھے یہ پڑھ کر خوشی ہوئی کہ آپ مسئلہ الحاق کونسل کے سامنے پھر پیش کرنے والے ہیں۔ آپ اس بات کا وعدہ فرماتے ہیں کہ کونسل کا اجلاس جلد منعقد کیا جائے گا اور انجمن اپنے فیصلہ میں علماء سے بھی استصواب کرے گی۔ اب چونکہ بموجب آپ کے خط کے انجمن بموجب احکام شرعی اس امر کا فیصلہ کرے گی اور مجھے بعض ممبران انجمن سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ ان کے دل میں ایمانداری کے ساتھ چند شکوک مذہبی امور کے متعلق ہیں اور وہ ایسی حالت میں وعدہ کرتے ہیں کہ اگر ان کے شکوک رفع ہو گئے تو وہ بھی مذہب و قوم کا ساتھ دیں گے۔ ان حالات میں گو میری قطعی رائے ہے کہ فتویٰ جمعیت العلماء ناطق ہے۔ اس پر عمل پیرا ہونا ہر ایک مسلمان کا مذہبی فرض ہے لیکن میں آپ کے اس وعدے پر اعتماد کرتا ہوں اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں ممبران انجمن کو ایک موقع دینے کے لیے ہوں اور امید کرتا ہوں

کہ وہ بہت جلد اپنے مذہبی شکوک رفع کر کے احکام الٰہی کے مطابق آخری فیصلہ کر دیں گے اور قوم اور ملک کو مزید پریشانی سے بچائیں گے لے

سیف الدین کچلو

علامہ اقبال نے بحیثیت سکرٹری انجمن حاجی شمس الدین کے ہمراہ مندرجہ ذیل اعلانات جاری فرمائے:

انجمن کی جنرل کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۳ جنوری ۱۹۲۱ء میں قرار پایا ہے کہ انجمن کا سالانہ جلسہ حسب معمول ایسٹر کی تعطیلات میں ۲۴ سے ۲۶ مارچ ۱۹۲۱ء تک انعقاد پذیر ہو۔ چونکہ ان ایام میں موسم معتدل اور خوشگوار ہوگا، توقع کامل ہے کہ خیر خواہانِ ملت و معاونینِ انجمن بتعداد کثیر شامل ہو کر کارکنانِ انجمن کی عزت افزائی کا موجب ہوں گے اور جلسہ کو ہر ایک پہلو سے کامیاب کر کے خادمانِ قوم کارپردازانِ انجمن کی شکرگزاری کے علاوہ بارگاہِ خداوندی سے اجرِ جزیل کے مستحق ہوں گے۔

کمیٹی جو اس کے اہتمام کے لیے مقرر کی گئی ہے گو ہر طرح سے مقدور بھر سعی کرے گی کہ جلسہ بارونق، شاندار اور کامیاب ہو مگر ان کی کوشش کا بارآور اور مثمر نتائج نیک ہونا زیادہ تر افرادِ ملت کی توجہ، ایثار اور امداد پر موقوف اور منحصر ہے۔

یتیم خانہ کی عمارت کے لیے جس کی ضرورت ایک عرصہ سے محسوس ہو رہی ہے مگر ابھی تک اس کے لیے کچھ نہیں ہو سکا۔ زمین کے خریدنے کا انتظام ہو رہا ہے اور یقین ہے کہ عنقریب اراضی مطلوبہ کے خریدنے کا بندوبست ہو جائے گا۔ اس کے لیے رقم خطیر کی ضرورت پڑے گی جس کا مہیا کرنا سوائے برادرانِ اسلام کے اور کسی کا کام اور فرض نہیں۔ ایک لاکھ روپیہ کم از کم تو زمین کی قیمت کے لیے درکار ہوگا۔ پھر مکان کی تعمیر کے مصارف کا سوال آتا ہے۔ اس کے واسطے جس قدر روپے کی ضرورت ہے وہ اکابر ملت سے مخفی نہیں۔ قوم کے یتیموں کے لیے پناہ کی جگہ مہیا کرنا بہت بڑے ثواب کا کام ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ثواب اور اجر ہو سکتا ہے کہ اس میں حصہ لینے والا اپنے لیے بہشت میں محل بنواتا ہے اور نعمائے الٰہی کے حصول کا حقدار ہوتا ہے۔ پس اگر قوم بہشت کا وارث بننے کی خواہش مند ہے اور اس کی تمنا اور آرزو ہے کہ اسے جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت کی نعمت حاصل ہو تو آگے بڑھے اور اپنے بے مادر و پدر اور بے یار و مددگار بچوں کے رہنے کے لیے ایک

لے روزنامہ زمیندار ۱۲ دسمبر ۱۹۲۰ء، صفحہ ۳

موزوں عمارت بنا دے۔

وَمَا عَلَیْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

یہ قرارداد بھی ہوئی ہے کہ سالانہ جلسہ کے بعد ۲۷ مارچ ۱۹۲۱ء کو ایجوکیشنل کانفرنس کا انعقاد ہو۔ اس ضرورت کی انجام دہی کے واسطے ایسے صاحبان کی جو ہر ایک طرح سے اس کام کے اہل اور تعلیمی امور سے باخبر ہیں ایک کمیٹی مقرر کی گئی ہے۔ اس کے لائق سکرٹری ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب ایم۔ اے بیرسٹر ایٹ لاء عنقریب ذاتی طور پر کانفرنس کے مقاصد سے برادران اسلام کو بذریعہ اخبارات اطلاع دیں گے۔ یقین ہے کہ مسلمانوں کے تعلیمی معاملات میں دلچسپی لینے والے احباب ان کی صدا پر لبیک کہیں گے اور اس اہم کام میں ان کا ہاتھ بٹائیں گے اور ثابت کر دکھائیں گے کہ واقعی ان کو اپنی قوم کی تعلیم کے متعلق تردد ہے۔[1]

محمد اقبال
شمس الدین
} سکرٹریان انجمن

۲۴ جون ۱۹۲۳ء کو انجمن حمایت اسلام کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں عہدیداروں کا انتخاب ہوا۔ بہت بحث اور جھگڑوں کے بعد انتخاب عمل میں آیا۔ مجلس عاملہ کی روداد کی توثیق کے لیے ۸ جولائی کو انجمن کی جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا۔ مولوی فضل دین نے جلسہ کی صدارت کے فرائض انجام دیے۔ مسئلہ زیر بحث یہ تھا کہ آیا روداد کی توثیق کی جائے یا نہ کی جائے۔ بعض ارکان مجلس عاملہ چاہتے تھے کہ روداد کے اس حصہ کی جس میں خان صاحب عبدالعزیز اور خان صاحب ملک کرم دین کو انجمن کی کونسل کا رکن بنانے کی تجویز تھی کی توثیق نہ کی جائے۔ لیکن مولوی فضل دین صدر جلسہ نے اس روداد کی توثیق کر دی۔ اس پر اعتراضات کا ایک طوفان کھڑا ہو گیا۔ اس شور و شغب میں ایک شخص نے ڈاکٹر شیخ محمد اقبال کا نام پیش کر دیا اور تجویز کی کہ آپ کو سیکرٹری بنا دیا جائے۔ اس پر ڈاکٹر اقبال نے فرمایا:۔

"میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ میں یہ فرائض انجام نہیں دے سکتا۔ لیکن مجھے کہا گیا تھا کہ میرا نام رہنا ضروری ہے۔ کام کرنے کے لیے مولوی غلام محی الدین صاحب کا نام منظور کیا گیا تھا، اب بھی میں یہ کہہ دینا چاہتا ہوں کہ میں کام نہیں کر سکتا۔"

---

[1] ماہوار رسالہ انجمن حمایت اسلام، جنوری، فروری ۱۹۲۱ء، صفحہ ۱، ۳، ۷۷

احباب نے ڈاکٹر صاحب کو خاموش کرا دیا لیکن ڈاکٹر صاحب پھر با جازت صاحب صدر بولنے لگے۔ آپ نے نہایت غصہ کی حالت میں فرمایا :۔

"موجودہ واقعات کے رونما ہونے کے بعد میں اس انجمن کا سکرٹری تو کیا اس کی کونسل تک کا رکن رہنا پسند نہیں کرتا۔ انجمن حمایت اسلام نہ صرف پنجاب اور ہندوستان بلکہ ایشیا اور دنیائے اسلام میں مشہور ہے۔ جب اس کے ارکان کی اس کارگزاری کا حال ان ممالک میں سنایا جائے گا تو پنجاب اور ہندوستان کے باشندوں کی علی العموم اور مسلمانوں کی علی الخصوص سخت رسوائی ہو گی۔ بعض ارکان نے خدا جانے ایسی حرکات کیوں کی ہیں جو مسلمانوں کے لیے باعث ذلت و رسوائی ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ معاملہ صاف ہو جائے اور جب تک یہ معاملہ صاف نہ ہو جائے گا میں انجمن کا رکن بننا بھی پسند نہ کروں گا۔"

"ملک کرم دین صاحب سے پوچھا گیا۔ ایک بار نہیں بلکہ دو بار اور انہوں نے یہ کہا کہ میں نہ کسی سے ملا ہوں نہ میں نے کسی سے کہا کہ میں شملہ تبدیل ہو گیا ہوں، نہ جنرل کونسل کی رکنیت سے مستعفی ہوا ہوں، نہ کہیں باہر جا رہا ہوں۔ یہ تمام باتیں گھڑی گئی ہیں۔ پھر ان سے اپنے مطلب کے موافق لکھوانے کے لیے اور تحریر پر کوئی پچھلی تاریخ ڈلوانے کے لیے کوشش کی گئی۔ ان کی منتیں سماجتیں کی گئیں۔ اب منشی عبدالرحمٰن صاحب اور مولوی غلام محی الدین صاحب فرمائیں کہ معاملہ کیا ہے؟"

پھر شور مچا، مختلف تقریریں ہوئیں لیکن ارکان مجلس عاملہ نے چھٹی کے مسئلے کو نظر انداز کر دیا اور باتفاق رائے قرار پایا کہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال انجمن کے سکرٹری ہوں [1]

۸ر جولائی ۱۹۲۳ء کو پانچ بجے شام حبیبیہ ہال کالج میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس بصدارت مولوی فضل الدین نائب صدر انجمن منعقد ہوا۔ جس میں ڈاکٹر محمد اقبال صاحب ایم اے نے بھی شرکت فرمائی :

مولوی احمد دین صاحب نے تحریک کی کہ محمد اقبال صاحب کو انجمن کا آنریری جنرل سکرٹری قرار دیا جائے۔ میاں حسام الدین صاحب میونسپل کمشنر امرتسر نے اس کی تائید کی۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب بالاتفاق

[1] روزنامہ زمیندار ۱۴ر جولائی ۱۹۲۳ء

آنریری جنرل سکرٹری منتخب ہو گئے۔

اس پر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کھڑے ہوئے اور حسب ذیل تقریر فرمائی :

"میں آپ کا شکر گزار ہوں کہ آپ نے پھر مجھے آنریری سکرٹری منتخب کیا۔ میں ۱۹۲۰ء میں آنریری جنرل سکرٹری منتخب ہوا تھا مگر کچھ عرصہ کے بعد میں نے دو تین بار استعفا دیا اور کونسل نے اپنی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے استعفا منظور نہ کیا اور میرا برائے نام سکرٹری رہنا پسند کیا ـــــ مولوی غلام محی الدین صاحب میری جگہ کام کرتے رہے ہیں میں مولوی صاحب کا بھی شکر گزار ہوں لیکن جو حالات اس وقت مجھے معلوم ہو رہے ہیں ان حالات کے ہوتے ہوئے میں انجمن کا سکرٹری کیا ممبر بھی نہیں رہنا چاہتا۔ ان باتوں کا پہلے تصفیہ کیا جائے۔

میں گزشتہ اجلاس میں موجود نہ تھا لیکن مجھے معلوم ہوا کہ منشی عبدالرحمٰن خان صاحب نے خان صاحب ملک کرم الدین صاحب کی ایک چٹھی صاحب جائنٹ سکرٹری کو دی جو انہوں نے پیش کی اور وہ چٹھی میں اب پڑھتا ہوں۔

صاحب جائنٹ سکرٹری

السلام علیکم : مجھے خانصاحب منشی کرم الدین ملے تھے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ میں شملہ جا رہا ہوں اور عنقریب میری تبدیلی شملہ میں ہونے والی ہے اس لیے میری جگہ اور کا انتظام کر لیا جائے۔

آپ کا نیاز مند محمد عبدالرحمٰن خان

۲۴ جولائی ۱۹۲۳ء

اس کے بعد شیخ عظیم اللہ صاحب سے خانصاحب کرم الدین کی ملاقات ہوئی۔ انہوں نے کہا کہ میں نہ شملہ گیا ہوں نہ میری تبدیلی ہوئی ہے نہ عبدالرحمٰن صاحب مجھے ملے ہیں اور نہ میں نے ان کو کوئی پیغام دیا۔

چنانچہ ملک صاحب نے حاجی صاحب کو ایک چٹھی بھی لکھی کہ میری تبدیلی کی نسبت کونسل میں جو چٹھی پیش کی گئی ہے وہ غلط ہے۔ خان صاحب کرم الدین میرے پاس بھی تشریف لائے تھے اور جو بیان انہوں نے شیخ عظیم اللہ صاحب کے سامنے دیا اور چٹھی میں لکھا وہی مجھے بھی سنایا۔ میں نے انہیں کہا کہ اجلاس کونسل میں ضرور تشریف لا دیں اور خود کونسل کے سامنے بیان دیں مگر افسوس کہ وہ گجرات

چلے گئے۔ ورنہ میرا ارادہ تھا کہ ان کو ہمراہ لاتا۔ جہاں تک خان صاحب کرم الدین کا تعلق ہے وہ میں نے بیان کر دیا۔ جس کونسل کے ممبر اس قسم کے ہوں میں اس کونسل کا ممبر بھی نہیں ہونا چاہتا۔"

اس کے بعد سکرٹری نے حسب فرمائش خان صاحب کرم الدین کی چٹھی پڑھ کر سنائی۔ اس کے بعد سکرٹری نے کہا کہ خانصاحب مجھے بھی ملے اور وہی بیان کیا جو ڈاکٹر صاحب نے فرمایا ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے فرمایا کہ میں مستغیث ہوں۔

اس کے بعد یہ امر تسلیم کر لیا گیا کہ خانصاحب کرم الدین صاحب نے کونسل میں اپنی جگہ خالی نہیں کی۔ وہ بدستور ممبر ہیں اور ان کی جگہ جو انتخاب ہوا ہے وہ غلط لہٰذا منسوخ اور ڈاکٹر محمد اقبال صاحب باقاعدہ آنریری جنرل سکرٹری منتخب ہوئے۔

ملک فیروز خان صاحب نون نے فرمایا کہ واقعات معلوم ہو گئے ہیں اب کارروائی شروع کی جائے۔

ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے فرمایا کہ جب عبدالرحمٰن خانصاحب اپنی غلطی تسلیم کرتے ہیں تو ہمیں منظور ہے مزید کارروائی کی ضرورت نہیں اور اپنا انتخاب قبول فرما لیا [1]

---

۴ مارچ ۱۹۲۷ء کو اسلامیہ کالج کے حبیبیہ ہال میں مرزا بشیر الدین محمود نے مذہب اور سائنس کے موضوع پر تقریر کی جلسہ کی صدارت علامہ اقبال نے فرمائی۔ علامہ اقبال نے اپنی صدارتی تقریر میں مختصر الفاظ میں اس موضوع پر روشنی ڈالی، آپ نے فرمایا :-

"مذہب، فلسفہ، طبیعیات اور دیگر علوم و فنون سب کے سب مختلف راستے ہیں جو ایک ہی منزل مقصود پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ مذہب اور سائنس کے تصادم کا خیال اسلامی نہیں کیونکہ سائنس یعنی علوم جدیدہ اور فنون حاضرہ کے باب کھولنے والے تو مسلمان ہی ہیں اور اسلام ہی نے انسان کو منطق کا استقرائی طریق سکھایا اور علوم کی بنیاد نظریات اور قیاسات پر پرکھنے کے طریق کو مسترد کرنے کی تعلیم دی اور یہی بات علوم جدیدہ کی پیدائش کا موجب ہوئی۔

ڈاکٹر ولیم جان ڈریپر کی مشہور و معروف کتاب "معرکہ مذہب و سائنس" (ترجمہ از مولانا ظفر علی خاں) اصل میں مذہب اور سائنس کی ہنگامہ آرائی کی مظہر نہیں بلکہ عیسائیت اور سائنس

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل، ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء، صفحہ ۱۲۲ تا ۱۲۸

کے تصادم کی تاریخ ہے۔ اس تصادم کی وجہ یہ تھی کہ یورپ کے علما و حکما مسلمانوں کی علمی ترقی سے متاثر ہوئے تو اہلِ فرنگ کے خیالات میں زبردست انقلاب پیدا ہونے لگا اور رومن کیتھولک مذہب والے اس علمی انقلاب سے متصادم ہوئے۔ ڈاکٹر ڈریپر نے اسی انقلاب کی تاریخ لکھی۔

سائنس اور مذہب کے تصادم کا خیال غیر اسلامی ہے۔ قرآن کریم کے ہر صفحہ پر انسان کو مشاہدہ اور تجربہ کے ذریعہ علم حاصل کرنے کی تلقین کی گئی ہے اور منتہائے نظریہ بتایا گیا ہے کہ قوائے فطرت کو مسخر کیا جائے۔ چنانچہ قرآن پاک تو صاف الفاظ میں انسان کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ اگر وہ قوائے فطرت پر غلبہ حاصل کر لیں گے تو ستاروں سے بھی پرے پہنچنے کے قابل ہو جائیں گے۔

مسلمانوں میں فرقہ معتزلہ اور دیگر فرقوں کے درمیان جو تنازعہ پیدا ہوا تھا وہ اس قسم کا نہ تھا جو یورپ کے روشن دماغ علما اور تاریک خیال پادریوں کے درمیان پیدا ہوا بلکہ وہ تو ایک علمی بحث تھی جس کا موضوع محض یہ تھا کہ آیا ہمیں الہامی کلامِ ربانی کو عقل انسانی کے معیار پر پرکھنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟" لے

انجمن حمایت اسلام لاہور کے ۴۲ ویں سالانہ جلسے کا ۱۶ اپریل ۱۹۲۷ء بروز شنبہ کا چوتھا اجلاس جناب صلاح الدین خدا بخش صاحب ایم۔اے۔بی۔سی۔ایل بیرسٹرایٹ لا، کلکتہ کی صدارت میں ہوا۔ اس اجلاس میں علامہ سر شیخ محمد اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔ آپ نے "دی سپرٹ آف مسلم کلچر" (The Spirit of Muslim Culture) یعنی "روحِ تہذیب اسلامی" کے موضوع پر انگریزی زبان میں بے نظیر، فاضلانہ و فلسفیانہ خطبہ ارشاد فرمایا۔ ڈیڑھ گھنٹہ تک اس کا صرف ابتدائی حصہ ختم ہو سکا۔ علامہ ممدوح نے حیرت انگیز نکات پیدا کیے اور انتہائی کوشش کی کہ ہر انگریزی داں انہیں سمجھ سکے۔ آخر میں حاضرین کے بیحد اصرار پر آپ نے اردو زبان میں خطبہ کا خلاصہ ارشاد فرمایا جو ہدیۂ قارئین ہے۔ آپ نے فرمایا:

"ہر انسان کے دل میں مشاہدہ حقیقت کی ہوس ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اسے نظامِ عالم سے آگاہی حاصل ہو، زمان و مکان کی کنہ سمجھ میں آ جائے جو حقیقت کائنات کے اندر پوشیدہ ہے اس کے مشاہدہ اور نظارہ کا موقع مل جائے۔ ساری قومیں اس مشاہدہ کے لیے ہمیشہ بیتابی کا اظہار کرتی رہی ہیں۔

لے روزنامہ زمیندار ۶ مارچ ۱۹۲۷ء

یہودیوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ " لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً " [۱] (ہم اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کو ظاہر اور کھلے طور پر نہ دیکھ لیں) خود حضرت موسیٰ " رَبِّ اَرِنِیْ " فرماتے رہے۔ میں نے لکھا ہے ؎

خرد گفت او بچشم اندر نگنجد　　نگاہِ شوق در اُمید و بیم است
نمے گردد کہن افسانۂ طور　　کہ در ہر دل تمنائے کلیم است [۲]

مشاہدۂ حقیقت کے حصول کے دو طریق ہیں:

(۱) سمع و بصر اور (۲) قلوب یا بہ اصطلاح قرآن حکیم افئدہ۔

یہ ضروری ہے کہ ان دو طریقوں سے بقدر ضرورت کام لیا جائے۔ یورپ نے اپنی ساری کوششیں صرف " سمع و بصر " تک محدود کر دیں اور " افئدہ " کو ترک کر دیا۔ مسلمانوں نے اپنی توجہات " افئدہ " پر مرتکز کر دیں اور سمع و بصر سے پورا کام نہ لیا بلکہ ایشیائی تہذیب کا خاصہ یہی ہے کہ اس میں " افئدہ " پر بہت زور دیا گیا ہے اور " سمع و بصر " کی بالکل پروا نہیں کی گئی۔ حالانکہ ضرورت دونوں طریقوں سے کام لینے کی ہے۔

نظام عالم کی آفرینش کو یوں سمجھ کر حقیقت نے اپنی نمود یا اپنے آپ واضح کرنے کے لیے ایک نقطۂ خاص سے سفر کیا یا بہ اصطلاح صوفیہ کرام حسن نے نظارے کے شوق میں اپنے آپ کو آشکارا کر دیا۔ اس خطِ سفر کا آخری نقطہ عالم ظاہر ہے۔ اب حقیقت تک پہنچنے کا راستہ یہ ہے کہ اس نقطہ سے الٹا سفر کیا جائے۔

مشاہدے کا مقصد یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ انسان اس میں اپنے آپ کو فنا کر دے۔ اسلام جس مشاہدے کا معلم ہے وہ اپنے آپ کو قائم رکھنے کی تعلیم دیتا ہے یعنی اسلام کا مشاہدہ مردانگی پر مبنی ہے۔ ایک شاعر نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں یہ نکتہ بڑے اچھے طریق پر واضح کیا ہے۔ میرا خیال ہے کہ نعت میں اس سے بہتر شعر نہیں لکھا گیا ؎

موسیٰ ز ہوش رفت بہ یک جلوہ صفات　　تو عین ذات می نگری در تبسمے

---

[۱] قرآن مجید پہلا پارہ سورہ البقرہ رکوع ۵ آیت ۵۵ (مؤلف)

[۲] علامہ سر محمد اقبال، پیام مشرق (لالۂ طور) صفحہ ۳۰ (مرتب)

یہ اسلامی آیڈیل ہے۔ اسلامی نقطۂ خیال سے معراج یہی ہے کہ مشاہدۂ ذات کے بعد بھی عبودیت قائم رہے لیکن سرکشی اور تمرد کے لیے نہیں بلکہ خدمت و عبدیت کے لیے۔ مسلم کو کسی چیز میں فنا نہ ہونا چاہیئے۔ گو یہ فنا فی اللہ ہی کیوں نہ ہو۔

علامہ ممدوح نے اپنے خطبہ میں جو نکات بیان فرمائے ان میں سے چند حسب ذیل ہیں:۔

(۱) آنحضرتؐ ختم الرسل ہیں۔ نبی اس لیے بھیجے گئے کہ وہ لوگوں کو جن کی سمجھ ابتدائی حالت میں تھی سمجھائیں۔ عین اس وقت دُنیا میں غور و فکر کا شور شروع ہوا اور لوگ تقلید سے نہیں بلکہ اپنے فہم و ادراک کی مدد سے نتائج اخذ کرنے لگے گویا تقلید جامد کی جگہ افق عالم پر علم و ادراک کا آفتاب طلوع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے آخری حجت کو ارسال کر دیا اور کہہ دیا کہ اب کوئی ایسا شخص نہیں آسکتا جس کی باتوں کو تم تنقید کے بغیر تسلیم کرو۔ شہنشاہیت اور نبوت کا بھی خاتمہ ہوگیا اور دماغی غلامی پر موت چھاگئی۔ عقل کے عروج کی ابتداء وہ روزِ سعید ہے جب ختم رسلؐ مبعوث ہوئے۔ اب اگر کوئی شخص نبوت کا مدعی ہو تو ہم اس کی دماغی حالت کا اسی طرح مطالعہ کریں گے جس طرح علم الحیات کا ماہر کسی مینڈک کے اجزا کا مطالعہ کرتا ہے اور کیکڑے کے وجود پر غور و فکر کی نگاہ ڈالتا ہے۔

(۲) یورپ کی ترقی اس سے شروع ہوئی کہ اہل مغرب نے فلاسفہ یونان کے فلسفے کے خلاف جو تقویم پارینہ ہو چکا تھا علم جہاد بلند کیا۔ بیکن نے استقرائی منطق پر زور دیا۔ موشگافی کے بجائے مشاہدات و تجربات حصولِ علم کا ذریعہ قرار دیے گئے لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ استقرائی منطق کا موجد اور مدونِ اوّل یعقوب کندی ہے بیکن نہیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ بیکن نے جو عربی پڑھا ہوا تھا اندلس کے عرب منطقیوں کی تصنیفات سے حظ وافر حاصل کیا اور ان کے خیالات کا ترجمہ کیا۔

(۳) ہندی حکما اور یونانی طلبا کے نزدیک یہ دنیا ایک مکمل نظام کی شان رکھتی ہے۔ مگر امام غزالیؒ اور امام ابن تیمیہ جیسے اکابر اسلام نے اس واہمہ کی دھجیاں بکھیر کر رکھ دیں۔ انہوں نے قرآن کریم کی آیات بینات سے متاثر ہو کر دُنیا کی عدم تکمیل کا دعویٰ کیا اور ثابت کیا کہ دنیا ابھی منازل ارتقا طے کر رہی ہے۔

(۴) فلسفۂ یونان کے خلاف جہاد کرنے کا ڈھنگ یورپ کے اربابِ فکر نے مسلمان حکماء سے سیکھا۔ امام غزالیؒ نے فلسفۂ یونان کے پرخچے اڑا دیے۔ ابنِ رشدؒ نے فلسفے کی قبائے دریدہ کو رفو

کرنا چاہا مگر وہ اس مقصد میں ناکام رہا۔

(۵) ذوالنون مصریؒ بہت بڑے صوفی ہی نہیں تھے بلکہ اعلیٰ درجے کے کیمیادان بھی تھے چنانچہ وہ حکیم جس نے سب سے پہلے یہ دریافت کیا کہ پانی جوہر بسیط نہیں بلکہ ایک مرکب شے ہے آپ ہی ہیں۔

(۶) اٹلی کے مشہور شاعر "دانتے" نے اپنی شہرۂ آفاق نظم میں بہشت بریں کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ تمام وکمال محی الدین ابن عربیؒ کی "فتوحات مکیہ" سے ماخوذ ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسلمانوں نے یورپ کے فلسفہ پر ہی نہیں بلکہ ادب پر بھی زبردست اثر ڈالا۔[1]

انجمن حمایت اسلام کے تینتالیسویں ۴۳ سالانہ جلسے (جو ۶ اپریل سے ۸ اپریل ۱۹۲۸ء تک منعقد ہونا تھا) میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے صرف ایک لیکچر بعنوان "فلسفۂ اسلام" دینے کا وعدہ فرمایا تھا اور اس امر کی اطلاع سکرٹری کو دے دی تھی لیکن اخبارات میں جب پروگرام شائع ہوا تو ڈاکٹر صاحب کا نام ایک کی بجائے دو جگہ درج تھا۔ ایک جگہ پہلے اجلاس (صبح ساڑھے آٹھ تا بارہ بجے دوپہر) میں جو ڈاکٹر میاں محمد شفیع، صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہونا تھا اور دوسری جگہ چوتھے اجلاس (آٹھ بجے شام) میں جو سر عبدالرحیم کے زیر صدارت منعقد ہونا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے حسب وعدہ صرف ایک اجلاس میں شریک ہو کر لیکچر دینا تھا۔ انہوں نے جب اپنا نام پروگرام میں دو جگہ چھپا ہوا دیکھا تو انہیں کارکنان انجمن کی اس حرکت پر نہایت افسوس ہوا اور غصہ بھی آیا۔ چنانچہ انہوں نے مندرجہ ذیل خط مدیر انقلاب کے نام تحریر فرمایا:-

انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ جلسے کے پروگرام میں میرا نام خلاف قرار داد دو جگہ درج ہے۔ حالانکہ میں نے صرف انگریزی میں تقریر کا وعدہ کیا تھا۔ میں نے اس امر کی اطلاع مولوی غلام محی الدین صاحب وکیل سکرٹری انجمن کو کر دی تھی اور ان سے تصحیح کی درخواست بھی کی تھی مگر ان کی طرف سے کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔ لہٰذا مجھے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے

---

[1] روداد بیالیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۶ اپریل ۱۹۲۷ء

گفتار اقبال میں اس لیکچر کے صرف اقتباسات درج ہیں۔ پورا لیکچر کہیں بھی دستیاب نہیں (مؤلف)

[2] حمایت اسلام ۲۹ مارچ ۱۹۲۸ء صفحہ ۱۰

کہ اندریں حالات میں کسی وعدہ کا پابند نہیں۔ عام مسلمانوں کو غلط فہمی سے بچانے کے ازراہ عنایت اس عریضے کو اپنے اخبار میں شائع فرما دیجئے۔ فقط

مخلص

محمد اقبال [1]

مذکورہ بالا خط کی اشاعت کے بعد انجمن کی طرف سے حسب ذیل اعلان شائع ہوا:۔

"کل بروز یکشنبہ مورخہ ۸ اپریل کو شام کے ساڑھے آٹھ بجے انجمن حمایت اسلام کے سالانہ جلسہ کے موقع پر اسلامیہ کالج کے میدان میں انجمن کے پنڈال کے اندر علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال، پی۔ ایچ۔ ڈی رکن مجلس وضع قوانین پنجاب، انگریزی میں ایک لیکچر دیں گے۔ اس لیکچر سے پہلے اسلامیہ کالج کے طلبہ حاضرین کو اپنے کمالات سے محظوظ کریں گے۔" [2]

یہ اجلاس سر عبدالرحیم ایم۔ اے، ایم۔ ایل۔ سی۔ بیرسٹرایٹ لاء سابق ممبر ایگزیکٹیو کونسل بنگال، کلکتہ کی بجائے شیخ عبدالقادر کی صدارت میں منعقد ہوا۔ کیونکہ جناب عبدالرحیم تشریف نہ لا سکے۔

ڈاکٹر محمد اقبال نے اپنا انگریزی لیکچر فلسفہ اسلام پڑھ کر سنایا۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے مدارس کی ایک سائٹی کے لیے فلسفہ اسلام پر لیکچروں کا ایک سلسلہ لکھ رہے تھے۔ یہ لیکچر اس سلسلہ کی بڑی کڑی تھی۔ آپ کا لیکچر فلسفہ کے نہایت دقیق اور پیچیدہ مسائل پر مبنی تھا جس میں آپ نے ثابت کیا تھا کہ بخلاف دیگر مسلک ہائے فلسفہ کے اسلام کا فلسفہ نظریہ اور عمل دونوں پر حاوی ہے اور وہ اس خصوص میں تمام دنیا کے نظام فلسفہ سے اوج و فوقیت رکھتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ امام غزالی اور رازی نے اپنے وقت کے لحاظ سے جو خدمت فلسفہ اسلام کی کی اسی نوع کی خدمت موجودہ زمانہ کے اعتبار سے وہ بھی انجام دینے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے لیکچر کا خلاصہ صدر صاحب نے بیان فرمایا اور کہا افسوس ہے کہ مسلمانوں میں ایسے مسائل پر بحث کرنے والے تو الگ رہے، سمجھنے والے بھی کم ہیں اور یہ قحط الرجال ہمارے لیے سخت افسوسناک ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے اس لیکچر کے بارے میں "حمایت اسلام" لکھتا ہے:۔

---

[1] انقلاب ۴ اپریل ۱۹۲۸، صفحہ ۴

[2] روزنامہ انقلاب ۸ اپریل ۱۹۲۸ء، صفحہ ۴

"علامہ ڈاکٹر محمد اقبال بیرسٹر نے" علم اور مذہب کا تجربہ" کے موضوع پر انگریزی میں ایک فاضلانہ تقریر کی جو فلسفہ کے نہایت دقیق و پیچیدہ مسائل پر مبنی تھی۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ فلسفہ کے دوسرے مسلکوں کے خلاف اسلام کا فلسفہ، نظریہ اور عمل دونوں پر حاوی ہے اور وہ اس خصوصیت سے تمام دنیا کے نظام فلسفہ سے مدارج فوقیت رکھتا ہے" [۱]

علامہ اقبال نے ایک ایسے گھرانے میں پرورش پائی تھی جس کا "مذاق عارفانہ" تھا اور بقول شیخ عبدالقادر "آپ نے ماں کے دودھ کے ساتھ اسلام پیا تھا" آپ کو حضور رسالت مآب سے عشق کی حد تک انس تھا جس کا اظہار آپ نے اپنے کلام میں جابجا کیا ہے۔ اسوۂ رسولؐ کے بعد آپ جس چیز پر سب سے زیادہ زور دیتے وہ "قرآن کریم" ہے۔ آپ کے والد ماجد نے آپ سے بچپن میں فرمایا تھا:-

"قرآن کریم اس طرح پڑھو گویا تم پر اس کا نزول ہو رہا ہے"۔

یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ علامہ اقبال نے اس فرمان کی دل وجان سے اطاعت کی اور زندگی بھر قرآن کریم آپ کا اوڑھنا بچھونا رہا۔ خلیفہ عبدالحکیم نے سچ کہا ہے کہ

"اقبال قرآن کا شاعر ہے اور شاعر کا قرآن ہے" [۲]

انجمن حمایت اسلام کا چوالیسواں سالانہ اجلاس ۱۲ تا ۱۴ اپریل ۱۹۲۹ء منعقد ہوا۔ ۱۴ اپریل والے اجلاس کی صدارت خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع نے فرمائی۔ علامہ اقبال بھی اس اجلاس میں شریک [۳] ہوئے۔ آپ نے "قرآن کا مطالعہ" کے عنوان سے ایک محققانہ اور فلسفیانہ خطبہ دیا۔ افسوس کہ خطبہ دستیاب نہیں ہو سکا۔ البتہ ہفت روزہ حمایت اسلام نے اس کی طرف بعض اشارے کیے ہیں، وہ ملاحظہ ہوں۔ حمایت اسلام لکھتا ہے:

"سب سے اول ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ جلسۂ مذکور میں اسلامی ہند کے بہترین دل و دماغ اپنے خیالات و افکار سے مسلمانوں کو محظوظ و مستفیض فرمائیں گے۔ علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال اس

۱۔ حمایت اسلام، ۲۶ فروری ۱۹۳۹ء، صفحہ ۲

۲۔ ملفوظات اقبال، صفحہ ۱۹۹

۳۔ دیگر شرکاء میں قاضی محمد سلیمان منصور پوری، مولانا عبدالماجد دریابادی، شیخ عبدالقادر، خواجہ دل محمد اور حفیظ جالندھری وغیرہ شامل تھے۔

اجتماع میں ایک ایسے موضوع پر اپنے محققانہ اور فلسفیانہ خیالات ظاہر فرمائیں گے جس کی طرف سے افسوس ہے کہ مسلمان غافل ہو چکے ہیں اور وہ مضمون "قرآن کا مطالعہ" ہے۔ ہر سوچنے، سمجھنے والے مسلمانوں کو اس بات کا یقین ہے کہ فہم و عمل قرآن سے مسلمانوں کی بے رغبتی ہی حقیقت میں دنیائے اسلام کے تنزل کا باعث ہوئی ہے اور یہی وہ چیز ہے جو آئندہ دنیا میں فرزندانِ اسلام کو اُبھار سکتی ہے۔ اس نظریہ کی تشریح علامہ اقبال جیسے یگانۂ روزگار محقق کی زبان سے سُننا آپ تسلیم کریں گے کہ ایک نہایت مفید چیز ہوگی۔ قرآن کے مطالعہ کی اہمیت کا صحیح احساس اسوقت ہو سکتا ہے جب ہم قرآن پاک کی اصل قدر و قیمت سے آگاہ ہو جائیں" [1]

حمایت اسلام نے اس اجلاس کو "دماغی اور روحانی روشنی کا بہتا ہوا چشمہ" قرار دیا۔ [2]

۲۳ جون ۱۹۲۹ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس خان بہادر شیخ امیر علی کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں علامہ اقبال نے بھی شرکت فرمائی۔ اس اجلاس میں نظام حیدر آباد دکن کی لاہور میں آمد کے موقع پر مسلمانانِ پنجاب کی طرف سے "خیر مقدم" کے متعلق لائحہ عمل تیار کیا گیا۔ مولوی غلام محی الدین نے بتایا کہ

"ڈاکٹر سر محمد اقبال صاحب حضور نظام کے لاہور تشریف لانے کے محرک ہیں اور انجمن حمایتِ اسلام لاہور کی طرف سے حضور ممدوح کے خیر مقدم کی تجویز پیش کرنے کے بانی مبانی ہیں۔ تمام مسلمانانِ ہند کو حضور نظام کی ذات بابرکات سے جو فوائد گوناگوں پہنچ رہے ہیں، وہ اظہر من الشمس ہیں۔ ان کی ہر دل عزیز ہستی اور خدمتِ اسلام کو مدنظر رکھتے ہوئے مسلمانانِ پنجاب کا فرض ہے کہ اپنی عقیدت مندی کا اظہار کریں۔ حضور کا پُرتپاک خیر مقدم کریں اور پنجاب میں ان کا استقبال بمبئی، مدراس اور کلکتہ سے کہیں بڑھ چڑھ کر بارونق اور پُرجوش ہو۔"

علامہ نے فرمایا:۔

"اعلیٰ حضرت نظام سے مسلمانانِ پنجاب کو بحیثیت مسلمان فرمانروا ہونے کے دلی عقیدتمندی ہے۔ اعلیٰ حضرت، حضرت شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی اولاد سے ہیں چنیوٹ (پنجاب) کے

---

[1] حمایت اسلام، ۱۴ر اپریل ۱۹۲۹ء

[2] ایضاً

نواب سعد اللہ خاں، وزیر اعظم شاہجہاں سے بھی اعلیٰ حضرت کو نسبی تعلق ہے۔ ان خصوصیات کی بنا پر مسلمانان پنجاب کو اپنی عقیدت مندی کا ثبوت اعلیٰ حضرت کے شاندار خیر مقدم کی صورت میں دینا لازم ہے۔

مجھے حیدر آباد دکن جانے پر حضور نظام کے حضور میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ بالمشافہ گفت و شنید میں میں نے عرض کیا کہ "مسلمانانِ پنجاب جناب کی تشریف آوری کے متمنی ہیں اور عرصہ سے چشم براہ ہیں کہ ان کی یہ اُمید بر آئے"۔ چنانچہ یہ گفتگو جناب کے پنجاب میں نومبر آئندہ میں تشریف لانے کا پیش خیمہ ہوئی۔ ڈاکٹر صاحب نے حضور نظام سے اس بارہ میں جو خط و کتابت کی اس کا بھی مختصر ذکر فرمایا اور کہا کہ "کل ایک مشاورتی جلسہ میں چند تجاویز پیش کی گئیں جن پر آج مفصل غور کرنا ہے"۔ یہاں ڈاکٹر صاحب نے مختصراً تجاویز مذکورہ سے حاضرین کو آگاہ کیا۔ تجاویز پر بہت غور و خوض کیا گیا۔ بحث[1] و گفتگو کے بعد تجاویز ذیل بالاتفاق منظور کی گئیں۔

۱۔ زیر سرپرستی انجمن حمایت اسلام لاہور ایک استقبالیہ کمیٹی بنائی جائے جس میں مختلف اسلامی مجالس پنجاب کے نمائندگان و دیگر مسلمان کثیر تعداد میں شامل ہوں۔ چندہ ممبری کمیٹی کم از کم دس[2] روپیہ ہو۔

۲۔ استقبالیہ کمیٹی کے ممبروں میں سے انتظام کے لیے ایک ورکنگ کمیٹی منتخب کی جائے۔ یہ منتظمہ کمیٹی من جملہ دیگر امور کے ذیل کو خاص توجہ دے۔

(الف) حضور نظام کی لاہور میں تشریف آوری پر استقبال کا انتظام کرے۔

(ب) انجمن حمایت اسلام مسلمانان پنجاب کی جانب سے حضور شہریار دکن کی خدمت میں ایڈریس پیش کرے۔

(ج) حضور کو ایک شاندار گارڈن پارٹی دی جائے۔

لے بحث میں سید حبیب، ملک برکت علی، مولوی غلام محی الدین، خان بہادر چودھری سلطان محمد خان، ڈاکٹر امان اللہ خان، سید محسن شاہ، مولوی فضل الدین، شیخ نیاز مند، خان صاحب شیخ عبدالعزیز، ملک قادر بخش، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین اور سید بڈھے شاہ نے حصہ لیا۔

۳۔ انجمن حمایت اسلام لاہور تمام اخراجات کی متحمل ہو اور حسب ضرورت مختلف انجمنوں اور ممتاز افراد قوم سے سپیشل فنڈ جمع کیا جاوے۔

۴۔ جناب نواب صاحب بہادر والیٔ بہاولپور کی خدمت میں استدعا کی جاوے کہ آپ ورود شہریار دکن کے موقع پر لاہور تشریف لاویں اور مسلمانانِ پنجاب کی جانب سے ان کا خیر مقدم کریں، نواب صاحب ممدوح کو اس کارِ سعید پر آمادہ کرنے کے لیے ایک وفد ان کی خدمت میں حاضر ہو۔

۵۔ اس نادر موقع کی مستقل یادگار میں نظام سکالر شپ فنڈ قائم کیا جاوے۔

۶۔ حاضرین اجلاس امروزہ استقبال کمیٹی کے ممبر قرار دیے جاویں مگر ان کو ووٹ دینے کا حق اس وقت حاصل ہوگا جب وہ چندہ ممبری ادا کر دیں گے۔ اسلامی انجمنوں کے نمائندگان و دیگر افراد قوم کو کمیٹی میں شمولیت کی دعوت دی جائے۔

۷۔ جب تک یہ استقبالیہ کمیٹی باضابطہ ورکنگ کمیٹی نہ مقرر کرے انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل اس کے فرائض کو عارضی طور پر انجام دے۔

۸۔ استقبالیہ کمیٹی کا اجلاس دو ہفتہ کے بعد منعقد کیا جائے۔

۹۔ آج کے اجلاس کی روداد اخبارات میں روانہ کی جاوے۔[1]

جب اعلیٰ حضرت حضور نظام شہریار دکن نے انجمن حمایت اسلام لاہور کے اجلاس میں شرکت فرمانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تو ہفت روزہ "حمایت اسلام" نے اس امر کا ذکر مندرجہ الفاظ میں کیا:۔

"اعلیٰ حضرت حضور نظام جلیل القدر تاجداران حیدر آباد دکن میں سب سے پہلے فرمانروا ہیں جو سرزمین پنجاب کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے متنخر فرمانے والے ہیں۔

اس سے پیشتر کبھی کسی نظام نے پانچ دریاؤں کی سرزمین کو اپنی تشریف آوری سے مشرف نہیں فرمایا۔

اعلیٰ حضرت کے نزول اجلال کی ایک اور بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کا سبب حقیقی علامہ ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال ہیں جن کی عالمگیر شہرت و قابلیت پر ادبی دُنیا کو ناز ہے اور جن کی فلسفیانہ شاعری تمام ممالک عالم سے خراج تحسین وصول کر چکی ہے۔

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

اس سے پیشتر کبھی کوئی والیٔ ریاست کسی فلسفی وشاعر وادیب کی دعوت پر پنجاب میں نہیں آیا۔ یہ امر حضور اقدس کی معارف پروری وادب شناسی کی ایک زبردست دلیل ہونے کے علاوہ اس بات کا متقاضی ہے کہ ہم اعلیٰ حضرت کی تشریف آوری کو اسی رنگ میں سنائیں اور اسی پیرایہ میں آپ کا خیر مقدم کریں"۔[1]

آنریری سکرٹری کو حضور نظام کی طرف سے جناب ممدوح کے اس سلسلہ میں تار کے جواب میں جو برقی پیغام موصول ہوا ہے اس کا ترجمہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

"بخدمت جنرل سکرٹری

انجمن حمایت اسلام۔ لاہور

آپ کے برقی پیام کا شکریہ! جس کی حضور نظام قدر کرتے ہیں"۔

سکرٹری حضور نظام

بعد ازاں حضور نظام کا پیام حضرت علامہ اقبال کے نام آیا۔ علامہ ممدوح کے نام جو تار حضور نظام کی طرف سے موصول ہوا ہے اس کا ترجمہ بجنسہٖ درج ذیل ہے:

"بخدمت ڈاکٹر محمد اقبال لاہور

آپ کا خط مرقومہ ۱۱ مئی ملا۔ آئندہ موسم سرما میں میری آمد کے متعلق میرے ہم مذہب باشندگان لاہور نے جن دوستانہ اور وفادارانہ جذبات کا اظہار کیا ہے میرے دل میں ان کی بہت قدر ہے۔ میں اپنے ارادہ سے بروقت آپ کو اطلاع دوں گا"۔

نظام

اس کے بعد حضور نظام کا خط بنام ڈاکٹر محمد اقبال موصول ہوا۔ اس خط میں حضور نظام نے صرف اس قدر لکھا ہے:

"مجھے سردست اس بات کا یقین نہیں ہے کہ حسب توقع نومبر یا دسمبر میں وہاں آسکوں گا۔ اس لیے کہ میں اس سال کے خاتمہ پر اپنے جواں عمر شہزادوں کی شادی پر غور کر رہا ہوں۔ علاوہ بریں ہز ایکسلینسی وائسرائے بھی دسمبر میں تشریف لا رہے ہیں لہٰذا اندیشہ ہے کہ یہ واقعات

---

[1] حمایت اسلام ۱۸ر جولائی ۱۹۲۹ء

میرے ارادہ میں مزاحم ہوں تاہم میں ستمبر یا اکتوبر میں قطعی طور پر اس معاملہ میں اطلاع دے سکوں گا۔ فی الحال کوئی فیصلہ کن بات کہہ دینا قبل از وقت ہے اور یوں بھی ہنوز چھ مہینے کا وقفہ باقی ہے"۔ [1]

۲۳ر نومبر ۱۹۳۰ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس مولوی فضل الدین کے زیر صدارت انعقاد پذیر ہوا۔ جس میں بعض کارکنان و عہدیداران انجمن کے استعفوں پر غور کیا گیا۔ علامہ اقبال بھی جنرل کونسل اور کالج کمیٹی کے رکن منتخب کیے گئے۔ جب آپ کو اس امر کی اطلاع پہنچی تو آپ نے آنریری جنرل سکرٹری انجمن کے نام مندرجہ ذیل مکتوب [2] ارسال فرمایا:

"لاہور

۳۰۔ ستمبر ۱۹۳۰ء

جناب سکرٹری صاحب

انجمن حمایت اسلام، لاہور

جناب کا نوازش نامہ مل گیا ہے جس میں آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ تم کو جنرل کونسل انجمن و کالج کمیٹی کا ممبر انتخاب کیا گیا ہے۔ اس عزت افزائی کا شکریہ! لیکن میں نادم ہوں کہ کونسل و کمیٹی کے اجلاس میں حاضر نہیں ہو سکا اور ان غیر حاضریوں کی وجہ سے میں اس امر کا مستحق نہیں تھا کہ مجھے دوبارہ انتخاب کیا جاتا لہٰذا ملتمس ہوں کہ میری جگہ کسی اور صاحب کو منتخب کیا جائے جو باقاعدہ حاضر ہوا کریں۔ اگر مجھے اعتماد ہوتا کہ آئندہ حاضر ہو سکوں گا تو یہ عریضہ نہ لکھتا لیکن کئی وجوہ سے اس باقاعدگی کا یقین نہیں اس واسطے مذکورہ بالا درخواست کی گئی ہے ؎

گرفتم اینکہ بہشتم دہند بے طاعت
قبول کردن و رفتن ز شرط انصاف است

محمد اقبال

---

[1] ہفت روزہ "حمایت اسلام" ۱۸ر جولائی ۱۹۲۹ء، صفحہ ۲ [2] قلمی روداد جنرل کونسل انجمن ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

جب جنرل کونسل میں علامہ اقبال کا مذکورہ مکتوب پیش ہوا تو خان بہادر شیخ عبدالقادر نے فرمایا:

"ہمارے خیال میں ایسے اصحاب کا ممبر رہنا انجمن اور ہمارے لیے باعث عزت ہے ہم ان کو جدا نہیں کر سکتے۔"

حاجی محمد حنیف کی تحریک اور سر عبدالقادر کی تائید و حاضر ممبران کی تائید مزید سے قرار پایا کہ "ڈاکٹر شیخ سر محمد اقبال صاحب لائف پریذیڈنٹ انجمن منتخب کیے جائیں" [1]

حضور نظام حیدر آباد دکن نے بعض ناگزیر مجبوریوں کے باعث لاہور آنے کی معذرت کر دی تو علامہ اقبال نے نواب صادق علی خان، والئ ریاست بہاولپور کو دعوت دی جو انہوں نے قبول کر لی۔ چنانچہ انجمن حمایت اسلام کا چھیالیسواں سالانہ جلسہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء کو منعقد ہوا۔ ۲۷ دسمبر والے اجلاس کی صدارت اعلیٰ حضرت رکن الدولہ حافظ الملک، نصرت جنگ، مخلص الدولہ، ہز ہائی نس کیپٹن حاجی نواب سر صادق علی خاں عباسی خامس، کے۔سی۔آئی، کے۔سی۔وی۔او، والئ ریاست بہاولپور نے فرمائی۔ جسٹس سر شیخ عبدالقادر، جج ہائی کورٹ نے اراکین انجمن اور مسلمانانِ لاہور کی طرف سے اعلیٰحضرت نواب صاحب بہادر، ہز ہائی نس میر صاحب خیرپور (سندھ) اور نواب صاحب ڈھاکہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا:

"قبل اس کے کہ سر شیخ محمد اقبال ایڈریس [2] پیش کریں، میں چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ یہ بات ہمارے لیے صد گونہ موجب افتخار ہے کہ آج یہاں قرآن السعدین (اعلیٰ حضرت شہریار بہاولپور اور ہز ہائی نس میر صاحب خیرپور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے) دو تاجور جلوہ فرما ہیں۔ نیز یہ بات بھی قابل فخر ہے کہ نواب صاحب ڈھاکہ تحریک صدارت فرمائیں گے۔"

اس کے بعد علامہ سر محمد اقبال نے انجمن کی طرف سے اعلیٰ حضرت نواب صاحب بہادر تاجدار بہاولپور

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

[2] یہ فیصلہ جنرل کونسل کے اجلاس منعقدہ ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء میں کیا گیا جو شیخ عبدالقادر کی صدارت میں ہوا۔ (قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء)

کی خدمت میں مندرجہ ذیل تہنیت نامہ پیش کیا :۔

"اعلیٰ حضرتا! ہم عقیدت مندانِ قدیم کو اس نوازشِ خسروانہ کے فریضۂ سپاس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے الفاظ نہیں ملتے کہ حضورِ پُرنور نے ازراہِ علم نوازی و قوم پروری انجمن حمایت اسلام کی التجا کو شرف پذیرائی بخشا اور قدوم میمنت لزوم سے انجمن کے سالانہ جلسہ کو چار چاند لگا دیے۔ گویا سلیمان نے مورِ ناتواں کی مہمانی قبول فرمائی۔

حضور کا ورودِ مسعود اسلامیانِ پنجاب کے لیے انتہائی فخر و مباہات کا سرمایہ ہے۔ لاہور شاداں ہے کہ آج اسے شمالی ہند کے سب سے بڑے اسلامی فرمانروا کی پابوسی کا شرف حاصل ہے۔ انجمن کا ہر فرد مسرّت و انبساط کے پُرخلوص جذبات سے لبریز ہے کہ آج ارکین انجمن کو جس شہریارِ بلند اقبال کی بارگاہ میں بلاواسطہ عرضِ نیاز کا فخر حاصل ہے اس کے اجدادِ کرام جہاں صولت و سطوت شاہانہ کے ایسے زندہ جاوید نقش صفحۂ روزگار پر چھوڑ گئے جن کی مثال پیش نہیں کی جاسکتی، وہاں ان کی علم نوازیوں کی نظیر سے بھی شرق و غرب کی تاریخ کے اوراق یکسر خالی ہیں۔ یہ حقیقت آفتاب کی طرح روشن ہے کہ علوم و فنون نے عباسیوں کے ظلِ عاطفت میں جنم لیا اور عباسیوں ہی کے دامانِ بخشش و نوازش میں ان کا نشو و نما ہوا۔ ایسا ہونا ناگزیر تھا اس لیے کہ یہ دودمانِ عالی افقہ الناس حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یادگار ہے۔ جنہیں خواجہ دو جہاں سرورِ عالم و عالمیان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خیر الامت کے لقب سے ممتاز فرمایا اور افتاحِ ابوابِ علم کی دعا سے شرف بخشا۔ ہم اس مبارک وقت اور سعید تقریب پر جتنا بھی فخر کریں بجا ہے کہ ہماری گردنیں آج اس جواں بخت فرمانروا کی بارگاہ میں جھک رہی ہیں جن کا عالی شان دودمان اسلام و تاریخ اسلام کا سب سے زیادہ بیش بہا سرمایہ ہے۔

انجمن حمایت اسلام پرورشِ علم و فن کی انہی فقید المثال روایات کو زندہ رکھنے کے لیے کوشاں ہے جو سب سے بڑھ کر دودمانِ عالیہ عباسی کی ممنونِ احسان ہیں۔ چھیالیس سال ہوئے کہ چند درد مندانِ قوم نے نہایت ہی حقیر سامان کے ساتھ اس انجمن کی بنیاد ڈالی تھی۔ آج خدا کے فضل و کرم سے اس کے ارکان کی تعداد چار ہزار ہے۔ اس کے مختلف علمی ادارات

میں پانچ ہزار لڑکے اور لڑکیاں علم کی دولت سے مالا مال ہو رہے ہیں۔ اس کا ایک عظیم الشان کالج ہے۔ چار ہائی سکول ہیں، دو مڈل سکول، ایک زنانہ مڈل سکول ہے۔ چھ زنانہ مدارس ہیں ایک طبیہ کالج ہے، ایک جے۔ اے۔ وی ٹریننگ کالج ہے۔ ایک مردانہ یتیم خانہ ہے۔ ایک زنانہ یتیم خانہ۔ علاوہ ازیں انگریزی و یونانی شفاخانے ہیں۔ اخبار "حمایت اسلام" ہے۔ کالج کی ایک عظیم الشان لائبریری ہے جو ہماری بے بضاعتی کے باوجود صوبے کے تمام سرکاری و غیر سرکاری ادارات کے کتب خانوں میں خاص حیثیت رکھتی ہے۔ ایک ادارہ تالیف و طبع ہے جس کے زیر اہتمام دینیات اور اردو۔ فارسی کی مفید کتب کا وسیع سلسلہ مرتب ہو کر چھپ چکا ہے اور اس وقت مختلف مدارس میں بطور نصاب رائج ہے۔ ایک وسیع مطبع ہے۔ حال ہی میں انجمن نے اشاعت اسلام کالج کے نام سے ایک نئی درسگاہ قائم کی ہے۔ جس میں طلبہ کو دینی تعلیم دی جائے گی اور ان کو اشاعت اسلام کے اہم مقصد کے لیے تیار کیا جائیگا۔ اس درس گاہ کے فارغ التحصیل طلبہ جہاں دینیات کے ماہر ہوں گے وہاں جدید مغربی علوم سے بھی انہیں واقفیت حاصل ہوگی اور اس طرح تبلیغ و اشاعت کے فریضہ کو بطریق احسن انجام دینے کا راستہ صاف ہو جائے گا۔ اس وقت انجمن کا خرچ کم و بیش چھ لاکھ روپے سالانہ ہے اور سال آئندہ کی آمد و خرچ کا اندازہ دس لاکھ کے قریب کیا گیا ہے۔

انجمن کے انجام دیے ہوئے کام کا یہ اجمالی مرقع ہے لیکن ابھی بہت سی نئی منزلیں درپیش ہیں جن کے لیے زاد راہ کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ جن ضروریات کی تکمیل کے لیے انجمن بلا تاخیر قدم اٹھانا چاہتی ہے ان میں **اولاً** ایک انڈسٹریل کالج اور سائنٹیفک ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ کا قیام ہے۔ آج محض علوم کی تعلیم قوم کی تمام ضروریات کی کفیل نہیں بن سکتی۔ جب تک صنعت و حرفت کی تعلیم کا اعلیٰ پیمانہ پر انتظام نہ کیا جائے گا۔ نہ افراد قوم کا معتدبہ حصہ بے کاری و بیروزگاری کی مصیبت سے نجات پائے گا، نہ قوم زمانہ حاضرہ کی ضروریات کے مطابق ترقی کے مراحل خوش اسلوبی سے طے کر سکے گی۔ **ثانیاً**۔ اس بات کی ضرورت ہے کہ شہر سے باہر اسلامیہ کالج کے لیے ایک وسیع عمارت کا انتظام کیا جائے۔ اس لیے کہ موجودہ عمارت کالج کے طلبہ کی روز افزوں تعداد کے لیے کافی نہیں ہے۔ **ثالثاً**۔ انگریزی وضع کے ایک

پبلک سکول کا قیام ضروری ہے جس میں عام تعلیم کے ساتھ ساتھ اعلیٰ انداز کی تربیت بھی ہوتی رہے۔ رابعاً۔ ایک زنانہ ہائی سکول فی الفور بن جانا چاہیئے جو ایک اسلامی زنانہ کالج کے لیے اساس کا کام دے سکے۔ یہ انجمن کی فوری ضروریات ہیں۔ حضور پُرنور ایسے سرپرستان و مربیان علم و فن کی کرم گستری و دریا نوالی شاملِ حال رہی تو خدا کے فضل و کرم سے اُمید ہے کہ انجمن کی تازہ ضروریات بھی اسی طرح پوری ہو جائیں گی جس طرح کہ اب تک اور صدہا ضروریات پوری ہوتی رہی ہیں۔

علمی اعتبار سے عباسی فرمانرواؤں کا فیض ہمیشہ عام رہا ہے۔ سرکار والا کے آباؤ اجداد کے احسانات کا تذکرہ اس مختصر سپاس نامے میں نہیں سما سکتا۔ ہم نیاز مندانِ قدیم محض تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضور پرنور کے دودمانِ عالی کا ابرِ لطف و کرم شروع ہی سے انجمن کی خشک کھیتی کے لیے سیرابی کا خاص سرچشمہ بنا رہا۔ ۱۹۰۸ء میں دولتِ عالیہ اسلامیہ بہاولپور کی طرف سے پچھتر ہزار روپیہ کی خطیر رقم مرحمت فرمائی گئی۔ آج کالج کی شاندار عمارت کا پورا ایک بازو بہاولپور ونگ کہلاتا ہے۔ مسلمانانِ پنجاب اس عطیۂ خسروانہ کو جو اس ونگ کی صورت میں ہمیشہ قائم رہے گا کبھی فراموش نہیں کر سکتے۔ اسی سال مستقل سالانہ عطیے کی رقم میں بھی نیاضانہ اضافہ فرمایا گیا اور کالج کے ایک ہوسٹل کی تعمیر کے لیے تیس ہزار روپے کی مزید رقم عطا فرمائی گئی۔ اس وقت بھی ہر سال دو ہزار روپے انجمن کو مل رہے ہیں۔ حضور پرنور کی ان ہی پے درپے خسروانہ نوازشوں نے ہم نیازمندوں کو یہ جرأت دلائی ہے کہ اس سال سالانہ اجلاس کو قدوم میمنت لزوم سے مشرف فرمائے جانے کی عاجزانہ درخواست کریں۔

اخیر میں ہم پھر حضور پُرنور کی اس نوازشِ کریمانہ کے لیے پنجاب بھر کے مسلمانوں کی طرف سے علی العموم اور ارکانِ انجمن کی طرف سے علی الخصوص بصد عقیدت و نیاز تشکر و سپاس کا ہدیہ محقر پیش کرتے ہیں۔[1]

اعلیٰ حضرت شہریار بہاولپور نے انجمن کو پچیس ہزار روپے کا گرانقدر عطیہ عنایت فرمایا:

---

[1] روداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۲ تا ۷

نواب صاحب ڈھاکہ کی تقریر کے بعد خان بہادر جسٹس مرزا ظفر علی صاحب ریٹائرڈ جج ہائی کورٹ نے تحریک صدارت کی تائید فرمائی۔ جس کی تمام حاضرین نے اللہ اکبر کے فلک بوس نعروں سے تائید مزید کی۔ بعدازاں اعلیٰ حضرت کرسئ صدارت پر متمکن ہوئے۔ اس کے بعد علامہ ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک غریب مسلمان کی طرف سے ایک مصلّیٰ اور مسلمانان لاہور کی طرف سے قرآن پاک اعلیٰ حضرت کی خدمت میں پیش کیا۔ کتاب مقدس کے تحفۂ متبرک کی پیش کش کرتے ہوئے علامہ ممدوح نے مندرجہ ذیل تقریر فرمائی۔

"سرکار والا! شہر لاہور کے مسلمانوں نے مجھے ہدایت کی ہے کہ میں کلام الٰہی کا ایک نسخہ بطور ہدیہ آپ کو پیش کر دوں۔ لیکن اس سے قبل کہ یہ تحفہ پیش کروں مسلمانان لاہور کے اس انتخاب کی داد دینا چاہتا ہوں۔ یہ وہ مبارک کتاب ہے جس سے عزیز تر متاع مسلمانان عالم کے پاس موجود نہیں۔ یہ پیش کش ایسی ہے جیسے کہ اپنے محبوب کے سامنے کوئی اپنا دل نکال کر رکھ دے۔ اس تحفہ کو آپ کے لیے منتخب کرنے کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ آپ کے جد امجد اس کتاب کے سب سے پہلے محقق تھے۔ میری مراد حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔ یہ کتاب جب حضور رسالت مآب پر نازل ہوئی تو آپ کے جد امجد نے سب سے پہلے اس کی تفسیر کی۔ چنانچہ کتب صحیحہ میں مروی ہے کہ ایک روز حضرت ابن عباسؓ مسجد نبویؐ میں قرآن پاک کا درس دے رہے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ آپ نے دیکھا کہ ایک طرف ابن عباسؓ درس دے رہے ہیں اور دوسری طرف چند صحابہ حضور کے انتظار میں حلقہ باندھے کھڑے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ دیر تک دونوں کے درمیان کھڑے رہے۔ گویا جناب رسالت مآبؐ یہ سوچ رہے ہیں کہ پہلے کس طرف جائیں۔ آخر آپ یہ کہہ کر حضرت ابن عباسؓ کے گروہ کی طرف چل دیے کہ میں معلم مبعوث ہوا ہوں۔ مجھے رہنما کی طرف جانا چاہیے۔ اس نسبت سے حضور والا اس بات کا اندازہ کر سکیں گے کہ مسلمانان پنجاب بلکہ مسلمانان عالم اگر آپ سے محبت رکھتے ہیں تو اس کی وجہ صرف یہ ہی نہیں کہ آپ ایک بڑی اسلامی ریاست کے فرمانروا ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ آپ دینی اعتبار سے ہمارے بزرگ اور مخدوم ہیں۔"

اعلیٰ حضرت نے سرو قد ایستادہ ہو کر اس تحفہ کو قبول کیا۔ بوسہ دیا اور آنکھوں

سے لگایا [1]

۱۴ جولائی ۱۹۳۴ء بروز ہفتہ بوقت ساڑھے پانچ بجے شام علامہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی بیرسٹرایٹ لاء صدر انجمن کی صدارت میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔

آنریری سکرٹری نے بیان کیا کہ صاحب صدر کی طبیعت کچھ علیل ہے اور وہ اونچی آواز سے بول نہیں سکتے اس لیے انہوں نے ایک مختصر سی تحریر شدہ تقریر مجھے دی ہے اور فرمایا ہے کہ میں آپ کے سامنے اس کو پڑھ دوں۔ چنانچہ وہ حسب ذیل ہے۔

"حضرات! مجھ کو انجمن حمایت اسلام لاہور کا صدر انتخاب کرنے سے آپ نے میری نسبت جس حسن ظن اور اعتماد کا اظہار کیا ہے اس کے لیے میں آپ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں۔ اگرچہ اس وقت میری صحت کچھ ایسی اچھی نہیں تاہم جو کچھ خدمت بھی مجھ سے ہو سکتی ہے میں اس کے لیے ہر وقت حاضر ہوں۔ گزشتہ پچاس سال میں آپ کے پیشروؤں نے مسلمانان پنجاب کے اس عظیم الشان ادارے کی بیش بہا خدمت کی ہے جس کے لیے پنجاب کے تمام مسلمان مبارکباد کے مستحق ہیں لیکن زمانہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے۔ اس واسطے اس کے مقتضیات بھی بدلتے رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے قومی اور ملکی اداروں کے طریق کار میں مناسب تبدیلی ضروری ہو جاتی ہے۔ نظر بایں حالات مجھے یقین ہے کہ انجمن کے موجودہ ارکان ان دُور رس تغیرات کو ملحوظ رکھتے ہوئے جو ملک کی مجموعی زندگی میں آنے والے ہیں مسلمانان پنجاب کے اس ادارے کو صحیح معنوں میں اسلامی تہذیب و تمدن کا مرکز بنانے میں کامیاب ہوں گے۔ اس عظیم الشان کام کے انصرام کے لیے توفیق الٰہی آپ کے شامل حال ہو!

اس وقت چند اُمور ہیں جو آپ کی فوری توجہ کے محتاج ہیں۔

اوّل: دینیات کی تعلیم۔ تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جدید تعلیم نے مسلمان نوجوانوں کے اخلاق زندگی پر کوئی خاص اثر نہیں کیا اور یہ امر ظاہر ہے کہ ایک مسلمان نوجوان کی تعلیم کی اساس اگر دینی اور اخلاقی نہ ہو تو اس میں سیر چشمی، بلند نظری اور خودداری کے وہ اوصاف حسنہ نہیں پیدا ہو

---

[1] روداد ۴۶ واں سالانہ جلسہ انجمن حمایت اسلام لاہور ۲۷ تا ۲۹ دسمبر ۱۹۳۰ء، صفحہ ۱۱

سکتے جو اسلامی سیرت کے مابہ الامتیاز ہیں۔ اس کے علاوہ یہ ضروری ہے کہ ہر مسلمان تھوڑا بہت اپنی ملی روایات کا حامل ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو قرآن کریم کے ارشاد کے مطابق لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ کا مقصد کیونکر پورا ہو سکتا ہے۔ گزشتہ تجربہ کے انہیں افسوسناک نتائج کو ملحوظ رکھتے ہوئے بارٹوگ کمیٹی نے تجویز کی تھی کہ کالجوں اور سکولوں میں مسلمانوں کی مذہبی تعلیم کا خاص انتظام ضروری ہے۔ انجمن حمایت اسلام لاہور مسئلہ کے اس پہلو سے غافل نہیں رہی مگر افسوس ہے کہ جو انتظام اس مقصد کے حصول کے لیے اب تک کیا گیا ہے وہ بارآور ثابت نہیں ہوا۔ اب میری استدعا آپ سے یہ ہے کہ اس معاملہ پر کافی غور و خوض کے بعد زمانۂ حال کے مقتضیات کے مطابق انجمن کے کالج اور سکولوں میں دینی اور اخلاقی تعلیم کا انتظام کیا جائے۔ مجھے یہ کہنے کی شاید ضرورت نہیں کہ انجمن حمایت اسلام کی آئندہ کامیابی بلکہ ایک قومی ادارہ ہونے کی حیثیت سے اس کی آئندہ زندگی صرف اسی ایک مسئلہ کے کامیاب حل پر انحصار رکھتی ہے۔ مجھے یہ سن کر خوشی ہوئی کہ ارکین کالج کمیٹی اس ضروری امر کے متعلق کچھ فیصلہ کر چکے ہیں۔ اب آپ کا اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانا باقی ہے اور مجھے یقین ہے کہ جلد ایسا کیا جائے گا۔

دوسرا امر جو آپ کی فوری توجہ کا محتاج ہے وہ مسلمان لڑکیوں کی تعلیم ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے انجمن نے آج تک اس ضروری معاملے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں کی۔ آپ کو معلوم ہے کہ مسلمانوں کا متوسط طبقہ اب کافی بیدار ہو چکا ہے اور اس بات کا مطالبہ کر رہا ہے کہ ان کی اولاد کی صحیح اسلامی اصول کے مطابق تعلیم و تربیت کی جائے۔ میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ انجمن حمایت اسلام فی الحال مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اپنا نصاب تجویز کرے اور مجوزہ نصاب کے مطابق ان کا سالانہ امتحان لے کر خود ہی سندات تقسیم کیا کرے۔ جہاں تک لڑکیوں کی تعلیم کا تعلق ہے فی الحال آپ صرف ایک امتحان لینے والے ادارے کے طور پر کام شروع کریں اور رفتہ رفتہ اسی ادارے کو مسلمان عورتوں کی ایک آزاد یونیورسٹی کی صورت میں منتقل کر دیں بلکہ آپ کا مجوزہ انڈسٹریل گرلز سکول بھی اسی یونیورسٹی کی ایک شاخ قرار پائے۔ اس تجویز کے متعلق میں اپنے مفصل خیالات پھر کسی موقع پر عرض کروں گا۔ فی الحال میں صرف اسی قدر چاہتا ہوں کہ ارکین کونسل اس کے مختلف پہلوؤں پر غور کر کے اگر ضروری ہو تو اس کے ابتدائی مراحل کو عملی جامہ

پہنانے کے لیے ایک کمیٹی کا تقرر عمل میں لائیں۔

تیسرا امر جو آپ کی توجہ کا محتاج ہے اسلامیہ کالج کی موجودہ حالت ہے۔ کالج کے انتظام کے متعلق بعض نہایت ضروری سوال پیدا ہوتے ہیں جن پر گزشتہ تجربے کی روشنی میں غور وخوض ضروری ہے، لیکن اسوقت ان سوالات پر بحث کرنے کا موقع نہیں۔ فی الحال پرنسپل شپ کا معاملہ نہایت اہم ہے جس کا فیصلہ جہاں تک ممکن ہو جلد ہونا چاہیئے۔ مسٹر عبداللہ یوسف علی اگر اس عہدۂ جلیلہ پر واپس آسکتے تو ہماری بہت سی مشکلات کا حل ہو جاتا مگر اُمید نہیں کہ وہ واپس آسکیں اور جہاں تک میری نظر ہے ہندوستان سے کسی مسلمان پرنسپل کا ملنا بہت مشکل نظر آتا ہے۔ ہم کو ایک ایسے پرنسپل کی ضرورت ہے جو علم وفضل کے علاوہ صاحب اثر و بارسُوخ ہو مسلمانوں کی آرزوؤں سے ہمدردی رکھتا ہو اور ہمارے بچوں کی ان تمام اُمور میں تربیت کر سکتا ہو جو ملک کے آئندہ سیاسی تغیّرات کی وجہ سے قومی زندگی کے لیے اب بے انتہا ضروری ہو گئے ہیں۔ اگر مسلمانانِ ہند میں کوئی ایسی شخصیت مل سکتی ہو تو اس سے بڑھ کر خوش قسمتی کیا ہو سکتی ہے لیکن اگر ہماری بدنصیبی سے مسلمانوں میں ایسی شخصیت فی الحال دستیاب نہ ہو سکے تو میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ ہم کو "اطلبوا العلمَ ولوکان بالصّین" پر عمل درآمد کرنے میں قطعاً تامل نہ ہونا چاہیئے۔ حدیث تو شاید علم روایت کے اعتبار سے مشتبہ ہے لیکن اس کے معانی کی صداقت سے کس کو انکار ہو سکتا ہے؛ لِلّٰہِ المشرق والمغرب مشرق ہو، مغرب ہو، جہاں سے اپنے مطلب کا آدمی ملے لینا چاہیئے۔ یہ میری ذاتی رائے ہے، معاملہ کا آخری فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ ان چند الفاظ کے ساتھ میں پھر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ اگر ہمارے دلوں میں قومی خدمت سے نام ونمود کی خواہش ہو تو خدائے تعالیٰ اپنے حبیب پاک صلعم کی روحانیت کے طفیل اس خواہش کو ہمارے دلوں سے نکال دے اور ہماری رُوح کو اسلام کی محبت سے اس طرح لبریز کر دے کہ ہماری حرکات وسکنات کا مقصد اولیں سوائے رضائے الٰہی کے اور کچھ نہ ہو۔"[1]

---

[1] حمایت اسلام ۱۹ر جولائی ۱۹۳۴ء، صفحہ ۵

آنریری سکرٹری نے تجویز کی کہ صاحبِ صدر کا انجمن کی طرف سے شکریہ ادا کیا جائے کہ جنہوں نے ایسی مفید اور قابلِ عمل تجاویز سے ہماری رہنمائی فرمائی ہے اور آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ان کی ہمت اور ارادوں میں روز افزوں ترقی عطا فرمائے اور شافیٔ مطلق ان کو صحت کامل عطا فرمائے۔

حاضرین نے صاحبِ صدر کی تجاویز کو نہایت دلچسپی سے سنا اور ان پر بہت جلد عمل پیرا ہونے کی خواہش ظاہر کی اور صاحب صدر موصوف کی صحت کے لیے بارگاہِ رب العزت میں نہایت خلوص دل سے دُعا کی [1]۔

---

۳۰ اگست ۱۹۳۴ء (بروز جمعرات بوقت ساڑھے پانچ بجے شام) دفتر انجمن میں ڈاکٹر شیخ محمد اقبال صاحب بالقابہ صدر انجمن کی صدارت میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔

آنریری سکرٹری فنانس نے ۳۵-۱۹۳۴ء کے آمد و خرچ کا بجٹ پیش کیا۔ جس پر سید حبیب صاحب نے کہا کہ صاحب صدر کی ذات گرامی سے ہمیں پوری توقع ہے کہ اگر صاحب صدر انجمن کی مالی مشکلات کی طرف توجہ فرمائیں تو بہت حد تک آمدنی میں اضافہ ہو سکتا ہے۔ اس لیے میری تجویز ہے کہ ہم صاحبِ صدر کی خدمت میں با ادب گزارش کریں کہ وہ اس طرف خاص توجہ مبذول فرمائیں اور ہم کو بھی ان کا ہر حال و معاملہ میں ہاتھ بٹانا چاہیئے۔

شیخ عظیم اللہ صاحب نے تائید کی۔

صاحب صدر نے ارشاد فرمایا کہ " یہ ہمارا قومی اور مذہبی فرض ہے کہ ہم سب متحد ہو کر انجمن کی مالی حالت کے اضافہ کرنے میں کوشش کریں۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اگر آپ سب صاحبان میرے ساتھ اس معاملہ میں تعاون کریں گے تو اللہ تعالیٰ ہمیں کامیابی عطا فرمائے گا۔ حاضرین نے لبیک کہا" [2]

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء و ہفت روزہ "حمایت اسلام" ۱۹ جولائی ۱۹۳۴ء صفحہ ۵

[2] قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

علامہ اقبال نے بوجہ علالت انجمن کی صدارت سے استعفیٰ دے دیا جس پر غور کرنے کے لیے ۱۵ دسمبر ۱۹۳۵ء (بروز اتوار بوقت گیارہ بجے قبل دوپہر) دفتر انجمن میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس خان صاحب خلیفہ فضل حسین نائب صدر انجمن کی صدارت میں منعقد ہوا۔

آنریری سکرٹری نے صاحب صدر انجمن علامہ اقبال کا استعفا پیش کرتے ہوئے بیان کیا کہ میں اور شیخ گلاب دین صاحب کل صاحب صدر کی خدمت میں اسی استعفا کے متعلق گفتگو کرنے کے لیے حاضر ہوئے تھے اور عرض کی گئی تھی کہ کل کی کونسل میں آپ کا استعفا پیش ہو رہا ہے اس کے متعلق کچھ فرمائیں تو انہوں نے یہی فرمایا کہ اراکین کونسل کی خدمت میں ان کی طرف سے درخواست کی جائے کہ ان کا استعفا منظور فرمالیں۔ اس کے علاوہ انہوں نے کسی قسم کی وجوہات کے اظہار کی اس لیے اجازت نہیں دی کہ جب انہوں نے خود اس سے احتراز کیا ہے تو کونسل کو بھی ان کے اظہار کے لیے اصرار نہیں کرنا چاہیے۔ الفاظِ استعفا حسب ذیل ہیں:

لاہور

۲۲ نومبر ۳۵ء

ڈیر شیخ عظیم اللہ — السلام علیکم

میں نے آپ سے اور شیخ گلاب دین سے زبانی گفتگو میں عرض کیا تھا کہ جو تحریر انجمن کی طرف سے میرے استعفا کے متعلق شائع ہوئی ہے اس کا شائع ہونا درست نہ تھا۔ اگر میں اس کی تردید کرتا تو اس کے نتائج انجمن کے حق میں اچھے نہ ہوتے۔ اس واسطے میں خاموش رہا۔ آپ نے بھی میری اس رائے سے اتفاق کیا تھا۔

آپ کو معلوم ہے کہ میں نے علالت کی بنا پر استعفا دیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اور بھی وجوہ تھے جن کو میں نے محض اس وجہ سے نظر انداز کر دیا تھا کہ ان کی اشاعت سے انجمن کو نقصان پہنچنے کا احتمال تھا۔ اس واسطے اس خط میں بھی ان کو بیان کرنے سے احتراز کرتا ہوں اور صرف اسی پر اکتفا کرتا ہوں کہ انجمن کے موجودہ حالات میں میں صدارت کا بارگراں نہیں اٹھا سکتا۔ آپ مہربانی کر کے جنرل کونسل سے میری طرف سے استدعا کریں کہ وہ میرا استعفا قبول کر کے مجھے ممنون کریں۔

میں نہیں جانتا کہ میری صدارت میں انجمن تمام مسلمانوں میں اپنا وقار کھو دے اور میں اس بے اعتمادی کا کوئی علاج نہ کر سکوں۔ والسلام

محمد اقبال

آنریری سکرٹری نے بیان کیا کہ اخبارات میں اعلان کرنے کا فیصلہ تو کونسل عالیہ نے اپنے اجلاس منعقدہ ۳ نومبر ۱۹۳۵ء میں کیا تھا البتہ استعفا کی واپسی کی خبر اخبارات میں غلط درج ہوئی۔ صاحب موصوف نے استعفا واپس نہیں لیا تھا بلکہ کونسل نے اسے نامنظور کیا تھا۔

متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ ایڈیٹر حمایت اسلام لاہور سے دریافت کیا جائے کہ کیوں اخبارات میں الفاظ کہ "استعفا واپس لے لیا" غلط شائع ہوئے۔

اس کے بعد استعفا کے متعلق دیر تک بحث ہوتی رہی۔ بالآخر متفقہ طور پر فیصلہ ہوا کہ

۱۔ کونسل کا یہ اجلاس محسوس کرتا ہے کہ صاحبِ صدر کی سرپرستی میں انجمن کو بہت زیادہ فائدہ ہے۔ گو صاحبِ صدر کو اللہ تعالیٰ نے ایسے اعزازات سے مستغنی فرمایا ہے مگر ان کی ذات گرامی نہ صرف انجمن کے لیے مفید ہے بلکہ باعثِ فخر ہے۔ انجمن کے مفاد کے پیش نظر استعفا نامنظور کیا جاتا ہے اور یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ

چھ اصحاب[۱] کا ایک وفد صدر محترم کی خدمت میں بدیں غرض حاضر ہو کر ان سے صدر انجمن بننے کے لیے استدعا کرے اور اگر انہیں انجمن سے کوئی شکایات ہیں تو ان کا خود تشریف لا کر ازالہ کریں اور باادب درخواست کرے کہ آئندہ آپ کی ہدایات کے مطابق ہم انجمن کی مناسب و ضروری اصلاح کرنے کو تیار ہیں[۲]

جس زمانے میں علامہ ڈاکٹر محمد اقبال انجمن حمایت اسلام لاہور کے صدر اور ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب آنریری سکرٹری تھے تو اخبار " لائٹ " لاہور کے ایڈیٹر نے نہایت غلط بیانی سے کام لیا اور انجمن مذکور کے محترم صدر و سکرٹری پر ناجائز حملہ کیا۔ اس سلسلہ میں ہفت روزہ " حمایت اسلام " رقمطراز ہے۔

۱؎ شیخ اصغر علی، خانصاحب شیخ عبد العزیز، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، خان بہادر سر دار حبیب اللہ، ملک برکت علی و سکرٹری

۲؎ قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

"ایک بہترین صبح کو ڈاکٹر محمد اقبال نے یہ خیال کیا کہ مرزا یعقوب بیگ کافر ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر اقبال نے انجمن حمایت اسلام کو چیلنج بھیج دیا کہ مرزا یعقوب بیگ کو الگ کر دیا جائے جیسا کہ وہ اس احسان فراموش اور بے ضمیر کتوں کی جماعت میں بوجہ اپنی شرافت کے رہنے کے قابل نہ تھا خدا نے اس کو اپنی طرف بلا لیا۔ ہم ڈاکٹر محمد اقبال اور اس کے رہزن گروہ کو مبارکباد دیتے ہیں کہ اب گندہ آدمی دُنیا میں نہیں رہا اور ڈاکٹر صاحب انجمن کی کرسیٔ صدارت کو زینت بخشیں"۔

اس کے آگے ایڈیٹر صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ

"صاحب صدر نے صوبہ بھر کی بلند پایہ اسلامی جماعت کے ساتھ ایسا سلوک کیا ہے جیسے بھیڑوں کے ایک خاموش گلے کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے"۔

اس کے بعد جناب ایڈیٹر صاحب نے یوں قلابازی کھائی کہ

"مجھے آنریری سیکرٹری انجمن ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین کی بابت یہ رپورٹ ملی ہے کہ انہوں نے خاص طور پر (جنرل کونسل) میں تشدّدانہ رویّہ اختیار کیا ہے اور جونہی کہ وہ (مرزا یعقوب بیگ) اس میٹنگ سے باہر آئے ان پر فالج گرا اور ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء کو رات کے گیارہ بجے مر گئے۔ پس ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اسلام کے شہید ہیں"۔

ہفت روزہ "حمایت اسلام"، "ایڈیٹر صاحب کے لیے مقامِ عبرت" کے عنوان کے تحت لکھتا ہے:

"اب ہم ایڈیٹر صاحب کی خدمت میں مندرجہ ذیل معروضات پیش کرتے ہوئے مشورہ دیتے ہیں کہ جناب اپنی عقل و ضمیر کو بالکل طاقِ نسیاں پر نہ دھریں بلکہ معقولیت سے کام لیں۔ پہلے تو ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ فالج کے مرض کے حملے سے مرے ہیں۔ جنرل کونسل کا اجلاس ۲ فروری کو منعقد ہوا تھا اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ ۱۱ فروری ۱۹۳۶ء کو عالم جاویدانی کو سدھارے ہیں۔ یہ سراسر خلاف واقعہ و مغالطہ ہے کہ "ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جونہی میٹنگ سے باہر نکلے اور مر گئے پس شہیدِ اسلام ہیں"۔ نیز یہ بھی ایک کھلا ہوا دروغ ہے کہ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے مرزا یعقوب بیگ کو کافر کہا ہے بلکہ ان کا ایک جامع و مانع مطالبہ تھا جس کے چند جملے تھے کہ

"انجمن کو اپنی پالیسی احمدیت کے متعلق غیر مشتبہ الفاظ میں واضح کرنی چاہیئے"۔

چنانچہ اس کے متعلق انجمن کی جنرل کونسل منعقدہ ۲ فروری ۱۹۳۶ء کو ایک ریزولیوشن جس میں

مسئلہ ختم نبوت واضح کر دیا گیا تھا زیر صدارت خان صاحب خلیفہ میاں فضل حسین صاحب بہ تحریک میاں عبدالمجید صاحب پیش ہوا۔ چنانچہ جناب شیخ اکبر علی صاحب وکیل نے پرزور الفاظ میں اس کی تائید کی۔ اس کے بعد مولانا احمد علی صاحب نے چند تائیدی کلمات بولے:"

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اپنی زبان سے:

ازاں بعد مرزا یعقوب بیگ صاحب نے خود ختم نبوت کے ریزولیوشن کی نہ صرف تائید مزید کی بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ

"جس صاحب کو جنرل کونسل کا رکن منتخب کرنا ہو اس سے پہلے اس اعلان (جو انجمن میں شائع ہوا) کے مطابق ختم نبوت کے عقیدے کا عہد لیا جائے کہ وہ اسی مسلک پر کاربند ہے اور رہے گا"

اس کے بعد جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب آنریری سیکرٹری انجمن نے صاحب صدر کے اس مطالبہ پر ذرا وضاحت سے روشنی ڈالی کہ

"صدر محترم نے یہ محسوس کیا ہے کہ انجمن دن بدن مسلمانوں میں اپنا وقار کھو رہی ہے۔ جب تک احمدیت کے متعلق انجمن کی پالیسی غیر مشتبہ الفاظ میں واضح طور پر پبلک کے سامنے نہ کی جائے تب تک مسلمان مطمئن نہیں ہو سکتے اور ایک بڑی بات جس پر کہ مسلمانوں میں ہیجان تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد کوئی نبی کسی رنگ میں آ سکتا ہے یا نہیں۔ اس ریزولیوشن میں اس کو واضح طور پر بیان کر دیا گیا ہے"۔

ان الفاظ کے ساتھ صاحب موصوف نے ریزولیوشن کی تائید فرمائی۔ اس کے بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ جوش میں آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ

"جناب ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے جو تشریح کی ہے وہ غلط ہے بلکہ مجازی رنگ میں نبی آ سکتا ہے"۔

اس کے بعد مولوی غلام محی الدین صاحب ایڈووکیٹ نے فرمایا کہ

"انجمن عامۃ المسلمین یہ اپنی جنرل کونسل کے ذریعے واضح کرنا چاہتی ہے کہ انجمن عامۃ المسلمین کے ساتھ ہے"۔

اور محولہ بالا ریزولیوشن کی پُرزور تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ

"مرزا صاحب کو اختلاف پیدا نہیں کرنا چاہیئے۔ اصول مندرجہ بالا کے علاوہ ان کا کوئی عقیدہ ہے تو وہ اسے اپنے تئیں رکھیں اور انجمن میں ذریعۂ اختلاف نہ بنائیں اور میں اس اعلان کی پُرزور تائید کرتا ہوں۔"

"حمایت اسلام" لکھتا ہے کہ

"اب ایڈیٹر صاحب مندرجہ بالا کارروائی پڑھنے کے بعد ذرا معقولیت سے کام لیں کہ مرزا یعقوب بیگ کو کونسا جہاد کرنا پڑا ہے اور جناب آنریری سکرٹری صاحب انجمن نے کونسے پتھر مارے ہیں اور جناب صدر محترم نے کونسا اور کب یہ مطالبہ کیا ہے کہ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ کافر تھے اور ان کا اخراج انجمن کے لیے نہایت لازمی ہے۔ باقی وہ مرض فالج کے حملے سے فوت ہوگئے ہیں۔ آپ ان کو ستر شہدا کا مرتبہ دے سکتے ہیں اور ان کی شان میں سارا قرآن لکھ سکتے ہیں۔ قلم کاغذ آپ کے ہاتھ میں ہے۔ جہاں تک ان کے چندے اور خدمات کا ذکر ہے نہ انجمن ان کی منکر ہے نہ ہی کسی کو شبہ ہے۔ اگر انہوں نے نیک نیتی اور خلوص سے چندے دیے اور خدمت کی ہے تو اس کا بہترین اجر خدا کے ہاں پائیں گے۔

جناب صدر انجمن یا سکرٹری انجمن کے خلاف بے بنیاد اتہامات یا اراکین انجمن کے متعلق تہذیب سے گرے ہوئے الفاظ کا استعمال مرزا یعقوب بیگ صاحب کی شان میں کوئی اضافہ نہیں کر سکتے۔" [۱]

اسی زمانے میں ہندوستان کے غیر مسلموں خصوصاً اچھوتوں کو حلقہ بگوش اسلام کرنے کے لیے تبلیغ کی مہم بڑی کامیابی سے چلائی گئی اور ملک کے طول و عرض میں اچھوت بڑی تعداد میں مسلمان ہونے لگے۔ یہ خبریں اسلامی ممالک میں پہنچیں تو وہاں کے دینی حلقوں میں انتہائی مسرت کا اظہار کیا گیا۔ جامعہ ازھر کے شیخ و رئیس جناب محمد مصطفےٰ مراغی نے علامہ اقبال کو ایک مکتوب ارسال کیا۔ جس کا ترجمہ مندرجہ ذیل ہے۔

---

[۱] حمایت اسلام، ۲۰ فروری ۱۹۳۶ء، صفحہ ۴

"السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ
اُمید ہے کہ جناب مکرم و معظم بخیر و عافیت اور اللہ تعالیٰ کے افضال و نعم سے شاد کام و خوش ہنگام ہوں گے۔

گزارش ہے کہ میں نے جریدہ البلاغ مصر میں ایک جامع و طویل مقالے کا مطالعہ کیا ہے۔ جس میں اچھوتوں کی اس کانفرنس کا تذکرہ ہے جس میں انہوں نے دین بُت پرستی کو ترک کرنے اور کوئی مذہب اختیار کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جناب مکرم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ یہ وہ زریں موقع ہے کہ جس کا اسلام بلکہ تمام ادیان و مذاہب کی تاریخ میں دوبارہ دستیاب ہونا ندرت کا حکم رکھتا ہے۔ تمام مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ کمر ہمت کو چست کریں اور جدوجہد کی آستینوں کو چڑھالیں اور ان لوگوں کو اسلام کے مقدس و متبرک ایوان میں داخل کرنے کے لیے جو کوششیں بھی ان کی قدرت میں ہو کر ڈالیں۔ اسلام وہ فطری مذہب ہے کہ رواداری، سادگی اور موافقت جمہور کے مسئلے میں کوئی مذہب اس کا مثیل نہیں بن سکتا۔ یہی وہ مذہب ہے کہ اللہ کے سامنے اور عدل و انصاف کے سامنے اپنے ماننے والوں کو برابری کا درجہ دیتا ہے۔ کسی عربی کو عجمی پر فضیلت حاصل نہیں ہے۔ اگر کسی درجہ سے فضیلت حاصل ہو سکتی ہے تو وہ تقویٰ ہے۔ اسلام کا قطعی فیصلہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے بندے کے درمیان نسب و قرابت کے کوئی وجوہ حائل نہیں ہو سکتے۔ اللہ کے نزدیک وہی بندہ سب سے زیادہ مہذب ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ ہندوستان میں ایسی اسلامی جماعتیں موجود ہیں جن میں بہترین علماء اور قابل ترین مناظر و مبلغ موجود ہیں اور اُمید ہے کہ وہ اس راہ میں جو کہ سچے جہاد کی راہ ہے قابلِ تحسین اقدام شروع کر دیں گے۔ بایں ہمہ اگر آنجناب پسند کریں تو ازھر شریف بھی اس جہادِ اکبر میں حصہ لے اور اپنے علما اور قابل ترین مناظرین کا وفد ہندوستان کی طرف بھیجے جو اس کی جدوجہد میں برادرانِ ملّتِ اسلامیہ ہند کا ہاتھ بٹائے۔

اگر جناب کا جواب اثبات میں ہو تو فرمائیے کہ ارکانِ وفد کیسے ہونے چاہئیں۔ اور کیا یہ ضروری ہے کہ ان ارکان کے ساتھ ایسے ترجمان ہوں جو ان کی تقریروں کا ترجمہ کریں یا ہندوستان

ہی سے ایسے آدمی مل سکیں گے جو عربی اور انگریزی دونوں زبانیں جاننے کی وجہ سے ترجمانی کا کام اچھی طرح کر سکیں"۔ [1]

اس سلسلے میں علامہ اقبال نے ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، سکرٹری انجمن کے نام یہ خط لکھا:

لاہور

۲ رجولائی ۱۹۳۶ء

ڈیر خلیفہ صاحب۔ السلام علیکم!

شیخ مراغی جامعہ ازہر قاہرہ کا خط میرے نام آیا ہے جو آج کے اخبار احسان میں بھی شائع ہو گیا ہے۔ جامعہ ازہر کا ارادہ ہے کہ شودروں میں تبلیغ اسلام کے لیے ایک وفد ہندوستان روانہ کرے اور اس وفد کے متعلق انہوں نے مجھ سے ضروری مشورہ طلب کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ان کے وفد کو ایسے لوگوں کی ضرورت ہو گی جو ان کی تقریروں کا اردو اور انگریزی میں ترجمہ کر سکیں اور ہندوستانی ٹور میں ان کے ساتھ رہیں۔ میرے خیال میں انجمن حمایت اسلام کو چاہیئے کہ وہ مصری وفد کے لیے ایسے مترجمین بہم پہنچائے اور ان کے اخراجات ادا کرے۔ دورہ غالباً تین ماہ کا ہو گا اور جہاں تک میں اندازہ کرتا ہوں ان مترجمین کا خرچ کچھ زیادہ نہ ہو گا۔ یہ معاملہ آپ کونسل کے آئندہ اجلاس میں پیش کر کے جہاں تک ممکن ہو جلد کونسل سے اخراجات کی منظوری حاصل کریں یا اگر کوئی اور طریق ہو جس سے کونسل کی منظوری جلد ہو سکے تو اس طریق کو اختیار کریں تاکہ میں شیخ الجامعہ کے خط کا جواب جہاں تک ممکن ہو جلد دے سکوں۔

محمد اقبال [2]

اس معاملے پر غور کرنے کے لیے ۵ رجولائی ۱۹۳۶ء کو جنرل کونسل کا ایک اجلاس شیخ علی بخش، امپورٹ ایجنٹ کی صدارت میں منعقد ہوا۔ علامہ اقبال کے مکتوب کے پیش نظر بالآخر یہ قرار پایا کہ

"ایسے حضرات کے لیے اخبارات میں بالخصوص جنوبی ہند کے اخبارات میں اعلان کیا جائے جو عربی دان ہوں اور اردو و انگریزی میں جامعہ ازہر کے مبلغین کا ترجمہ کر سکیں اور اگر کوئی صاحب

---

[1] "حمایت اسلام" لاہور، ۱۶ رجولائی ۱۹۳۶ء، صفحہ ۵

[2] قلمی روداد جنرل کونسل، یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

اعزازی طور پر اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کریں تو شکریے کے ساتھ قبول کی جائیں نیز یہ قرار پایا کہ فنانس کمیٹی کو ہدایت کی جائے کہ اشاعت اسلام کمیٹی کی امداد سے اندازاً خرچ بجٹ میں پرووِیژن کرے۔ [1]

ہندو پریس کو جب اس کا علم ہوا تو اس نے آسمان سر پہ اٹھا لیا اور اس خالص تبلیغی و دینی سرگرمی کو فرقہ وارانہ رنگ دینا شروع کیا۔ یہ بات علامہ اقبال کو منظور خاطر نہ تھی کہ تبلیغ اسلام کی مہم ہندو مسلم فسادات میں ڈھل کر ختم ہو جائے۔ علاوہ ازیں مصری وفد کے دورے کے دوران جن عملی مشکلات کا سامنا ناگزیر تھا ان پر غور کرتے ہوئے علامہ نے شیخ مصطفےٰ المراغی کو تحریر فرمایا:

"اچھوتوں میں تبلیغ کی غرض سے مصری علما کی جماعت کو اس وقت ہندوستان بھیجنے کی ضرورت نہیں۔ اس کے لیے تو ٹھوس کام کی ضرورت ہے جس کو ہندوستان کے علما ہی انجام دے سکتے ہیں مصری وفد کی ضرورت اس لیے بھی نہیں کہ اچھوت جن زبانوں کو جانتے ہیں ان سے علمائے مصر واقف نہیں۔ ہم ہندوستان کے مسلمان اچھوتوں میں اطمینان اور سکون کے ساتھ کام کرنا چاہتے ہیں کیونکہ اگر مصر سے علما کا وفد آیا تو اس کی وجہ سے ہندو مسلم تعلقات پر ناخوشگوار اثر پڑے گا اور ہمارا حقیقی مقصد فوت ہو جائے گا۔" [2]

اس خط کی اشاعت کے بعد ہندو پریس کو خاموش ہو جانا چاہیے تھا لیکن ہندوؤں کو اصل شکایت یہ نہ تھی کہ مصری علماء کا وفد آ رہا ہے بلکہ یہ کہ اچھوت ان کے پنجے سے نکلے جا رہے ہیں۔ چنانچہ ہندو اخبارات میں علامہ اقبال کو بالخصوص ہدف بنایا گیا اور ان کے بارے میں لغو اور بے بنیاد خبریں شائع ہونے کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ ان خبروں کی تردید کرتے ہوئے ہفت روزہ حمایت اسلام نے ایک اداریے میں لکھا: [3]

"اچھوت قوم کو ہزاروں سال کی ذلت و مسکنت کی زندگی سے نجات دلانے اور اسے ترقی کی راہ پر ڈالنے کے لیے اسلامیانِ ہند کی طرف سے جو کوششیں ہو رہی ہیں اسے ہندو جاتی بہت تشویش اور اضطراب کی نگاہ سے دیکھ رہی ہے۔ خاص طور پر جب سے اخبارات میں

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل، یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

[2] البلاغ، ۵ ستمبر ۱۹۳۶ء

[3] حمایت اسلام، یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء صفحہ ۱

مانے پھر ہم نے عرض کی کہ استعفےٰ جون تک ہی واپس لے لیں۔ اس پر انہوں نے خاموشی اختیار کر لی۔ چنانچہ میں نے دفتر کو لکھ دیا کہ اخیر جون کو کاغذات پیش کیے جائیں۔ اب کاغذات پھر میرے پاس آئے تو میں نے لکھ دیا کہ کاغذات غلام رسول صاحب کی خدمت میں بھیج دیے جائیں اور وہ صاحبِ صدر کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں۔ وہ حاضر ہوئے اور عرض کی تو صدر محترم نے مندرجہ ذیل تحریر ان کو لکھ دی"۔

جنابِ من!

میرا استعفا ابھی تک اجلاس کونسل میں پیش نہیں ہوا۔ از راہ عنایت ۴ جولائی کی کونسل میں اسے ضرور پیش فرما کر منظور کرا دیں۔ میری طویل علالت مجھے مجبور کرتی ہے کہ ہر قسم کے فرائض سے خواہ وہ کتنے ہی ہلکے کیوں نہ ہوں۔ سبکدوش ہو جاؤں۔

والسلام

محمد اقبال

یکم جولائی ۱۹۳۷ء

تھوڑی دیر کی بحث کے بعد فیصلہ ہوا کہ گیارہ اصحاب[۱] پر مشتمل ایک وفد بنایا جائے جو صاحبِ صدر کی خدمت میں حاضر ہو کر ان سے استعفیٰ پر دوبارہ غور کرنے کے لیے عرض کرے[۲]

انجمن حمایت اسلام کی "صدارت سے استعفیٰ" کے تحت روزنامہ انقلاب لکھتا ہے:

انجمن حمایت اسلام کی جنرل کونسل کی ایک قرارداد کے مطابق انجمن کے چند ممبروں پر مشتمل ایک وفد ۲ جولائی ۱۹۳۷ء کو علامہ محمد اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے درخواست کی کہ وہ انجمن کی صدارت سے اپنا استعفےٰ واپس لے لیں۔ وفد نے اس سلسلے میں علامہ موصوف سے استدعا کی کہ اس وقت چند در چند غلط فہمیوں کے زیر اثر بعض سرکردہ حضرات اپنے عہدوں

---

[۱] اس وفد کے گیارہ ارکان مندرجہ ذیل تھے۔ خان غلام رسول خان، خلیفہ شجاع الدین، چودھری امیر الدین، حاجی محمد حنیظ، چودھری محمد حسین، شیخ غلام حسین، شیخ عظیم اللہ، شیخ علی بخش، شیخ اکبر علی، ملک فیروز الدین اور شیخ عبدالعزیز۔

[۲] قلمی روداد جنرل کونسل یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء

سے استعفٰے دے رہے ہیں اس لیے اس وقت وہ اپنی سرپرستی سے انجمن کو محروم نہ کریں تاکہ مسلمانوں میں کسی قسم کی غلط فہمی اور بے چینی پیدا نہ ہوجائے۔ علامہ موصوف نے جواب میں فرمایا کہ :

"جن وجوہ کی بنا پر دیگر حضرات انجمن سے مستعفی ہوئے ہیں میرے استعفیٰ کی وہ وجوہ نہیں۔ اب سے چھ ماہ پیشتر میں نے انجمن کو اپنا استعفیٰ بھیجا تھا مگر انجمن نے اسے منظور نہ کیا۔ اب میری صحت مجھے ایسی سرگرمیوں کی اجازت نہیں دیتی۔ ڈاکٹروں نے مجھے مشورہ دیا ہے کہ میں ذمہ داری کا بوجھ نہ اٹھاؤں۔ میں بدستور حتی المقدر انجمن کی خدمت کرتا رہوں گا"۔ [1]

یکم اگست ۱۹۳۷ء (بروز اتوار بوقت پونے نو بجے صبح) دفتر انجمن میں خان بہادر مولوی انعام علی صاحب بی۔ اے نائب صدر انجمن کی صدارت میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں سب سے پہلے سر سید راس مسعود کی وفات حسرت آیات کے بارے میں ریزولیوشن پاس کیا گیا۔ چنانچہ روداد میں مذکور ہے :

آنریری سکرٹری نے بیان کیا کہ مخدوم و محترم بزرگ علامہ ڈاکٹر محمد اقبال صاحب کی چھٹی موصول ہوئی ہے جس میں انہوں نے تحریر فرمایا ہے کہ نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سیّد راس مسعود صاحب وزیر تعلیم بھوپال انتقال فرما گئے ہیں...... انہوں نے قرارداد تعزیت پاس کرنے کا مطالبہ بھی فرمایا ہے۔ وہ چھٹی مندرجہ ذیل ہے :

۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

نواب مسعود جنگ بہادر ڈاکٹر سر سیّد راس مسعود صاحب وزیر تعلیم بھوپال انتقال فرما گئے ہیں۔ مرحوم سر سیّد مرحوم کے پوتے اور آنریبل سید محمود کے صاحبزادے تھے۔ انہوں نے اپنے مرحوم دادا کی طرح ملک و ملت کی بہت زیادہ خدمت کی۔ مرحوم کی بے وقت موت سے مسلمانانِ ہند کو بہت نقصان پہنچا ہے۔ لہٰذا تعزیت کا ریزولیوشن پاس کیا جائے اور ان کے لیے دُعائے

---

[1] انقلاب، ۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء

مغفرت کی جائے نیز ریزولیوشن کی نقل بیگم مسعود صاحبہ، ریاض منزل، بھوپال اور مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں علی گڑھ ارسال کی جائے۔

محمد اقبال

حاضرین نے اس خبرِ وحشت اثر کو نہایت غم و اندوہ سے سُنا اور مرحوم کے لیے بارگاہِ ربّ العزت میں نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ دعائے مغفرت کی اور پسماندگان سے اظہار ہمدردی کیا۔ نیز یہ بھی قرار پایا کہ ریزولیوشن کی نقل بیگم مسعود صاحبہ، ریاض منزل بھوپال اور مرحوم کی والدہ ماجدہ کی خدمت میں علیگڑھ ارسال کی جائے۔[1]

۲۹ اگست کی جنرل کونسل میں خان بہادر نواب مظفر خان صاحب سی۔ آئی۔ ای نے انجمن کی صدارت سے استعفا پیش کیا جو منظور کر لیا گیا لیکن اسی مجلس میں انہیں اتفاق رائے سے علامہ ڈاکٹر محمد اقبال کی جگہ انجمن کا صدر منتخب کر لیا گیا۔[2]

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل یکم مئی ۱۹۳۷ء، ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء و حمایت اسلام، ۳۱ اگست ۱۹۳۹ء صفحہ ۶

[2] ہفت روزہ حمایت اسلام، ۷ ستمبر ۱۹۳۹، صفحہ ۶

ضمیمہ جات

(۱)

اختلافِ اشعار

علامہ اقبال نے انجمن کے جلسوں میں جو نظمیں پڑھیں ان میں سے اکثر انجمن کی روداددوں میں درج ہیں۔ یہی نظمیں آگے چل کر حضرت علامہ کی زندگی میں اور ان کے بعد شائع ہونے والے مجموعوں میں طبع ہوئیں۔ تقابلی مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ مجموعوں میں شامل کرتے وقت بعض اشعار پر نظر ثانی یا ترمیم کر لی گئی ہے۔ اقبالیات کے طلبہ کے لیے ان کی نشان دہی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

نالۂ یتیم

رودادِ انجمن :
مضطرب ہے یوں دلِ نالاں بیاباں کے لیے
جس طرح بُلبل تڑپتا ہے گلستاں کے لیے

سرودِ رفتہ :
مضطرب ہے اب دلِ نالاں بیاباں کے لیے
جس طرح بُلبل تڑپتا ہے گلستاں کے لیے

رودادِ انجمن
سرودِ رفتہ
نوادرِ اقبال
رختِ سفر
ہے قیام بحرِ ہستی جزرِ و مدِ اُمید کا
گاہے گاہے آنکلتی ہے مسرت کی ہوا

باقیاتِ اقبال :
ہے قیام بحرِ ہستی جزرِ و مدِ اسلام کا
گاہے گاہے آنکلتی ہے مسرت کی ہوا

رختِ سفر
روداد انجمن } یادِ ناکامی اِسے کیا جانے کیا سمجھا گئی
نوادرِ اقبال

سرودِ رفتہ : بادِ ناکامی اِسے کیا جانے کیا سمجھا گئی

روداد انجمن
نوادرِ اقبال } کوہ و دریا سے ہے قائم شانِ سلطانی تری
رختِ سفر } اور شعاعِ مہر سے ہے خندہ پیشانی تری

سرودِ رفتہ : اور شعاعِ مہر سے ہے خنداں پیشانی تری
رودادِ انجمن : نظمِ عالم میں نہیں موجود سازِ بے کسی
ہوگئی پھر کیوں یتیمی صیدِ بازِ بے بسی

رختِ سفر
نوادرِ اقبال } ہوگئی پھر کیوں یتیمی صیدِ بازِ بے کسی
سرودِ رفتہ

رودادِ انجمن
سرودِ رفتہ } اے فراقِ رفتگاں تُو نے یہ کیا سمجھا دیا
رختِ سفر

باقیاتِ اقبال : اے فراقِ رفتگاں تُو نے یہ کیا دکھلا دیا
نوادرِ اقبال : اے فراقِ رفتگاں یہ تُو نے کیا دکھلا دیا
رودادِ انجمن : لذّتِ رقصِ شعاعِ آفتابِ صبحدم
یا صدائے نغمۂ مُرغِ سحر کی زیر و بم

رختِ سفر
سرودِ رفتہ } یا صدائے نغمۂ مُرغِ سحر کا زیر و بم
باقیاتِ اقبال
نوادرِ اقبال

رنگ کچھ شہرِ خموشاں میں جما سکتی نہیں خفتگانِ کنجِ مرقد کو جگا سکتی نہیں	رودادِ انجمن نوادرِ اقبال رختِ سفر
خفتگانِ کنجِ مرقد کو جگا سکتے نہیں	سرودِ رفتہ :
ہر کسی کے پاس یہ دکھڑا نہ رونا چاہیئے آستاں اس کو یتیمِ ہاشمی کا چاہیئے	رودادِ انجمن نوادرِ اقبال رختِ سفر
آستاں اس کو یتیمِ ہاشمی کا چاہیے	سرودِ رفتہ :
دلربائی میں مثالِ خندۂ مادر ہے تو مثلِ آوازِ پدر شیریں تراز کوثر ہے تو	رودادِ انجمن نوادرِ اقبال رختِ سفر
مثلِ آوازِ پدر دل شیریں تراز کوثر ہے تو	سرودِ رفتہ :
اے گرفتارِ یتیمی! اے اسیرِ قیدِ غم تجھ سے ہے آرام جانِ سرورِ خیر الامم	رودادِ انجمن سرودِ رفتہ
تجھ سے ہے آرامِ جانِ سیّدِ خیر الاُمم	رختِ سفر باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال
امتحانِ صدق و ہمت میں کوئی بڑھ کر نہیں! ہم مسلمانوں سے غیرت میں کوئی بڑھ کر نہیں!	رودادِ انجمن سرودِ رفتہ رختِ سفر
ان مسلمانوں سے غیرت میں کوئی بڑھ کر نہیں!	باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال

نوادرِ اقبال، باقیاتِ اقبال اور رختِ سفر میں یہ بند درج نہیں :

انجمن لاہور میں اک حامیٔ اسلام ہے　　آسماں پر جس کا پیمانِ محبت نام ہے
جس کی ہر تدبیر تسکینِ دلِ ناکام ہے　　جس کا نظارہ مرادِ چشمِ خاص و عام ہے

جمع ہیں عاشق مرے سب ہند اور پنجاب کے
تو وہاں جا کر مری اُمّت کو یہ پیغام دے

رودادِ انجمن / سرودِ رفتہ:
کام بے دولت نہ چرخِ کہن چلتا نہیں
نخلِ مقصد غیر آبِ زر کبھی پھلتا نہیں

باقیاتِ اقبال / نوادرِ اقبال:
نخلِ مقصد غیر آبِ زر کہیں پھلتا نہیں

خیر مقدم

رودادِ انجمن :
اے نسیم نشاطِ روحانی
باغ دل میں ترے وزیدے گل

باقیاتِ اقبال :
باغ دل میں تری وزیدے گل

رودادِ انجمن :
خامشی سوز ہے نظارہ ترا
غازۂ عارضِ مقال ہے تو

باقیاتِ اقبال :
ہستی سوز ہے نظارہ ترا

رودادِ انجمن / سرودِ رفتہ:
ریزشِ دانہ ہائے اختر کو
مزرعِ آسماں میں آتی ہے

باقیاتِ اقبال / نوادرِ اقبال:
ریزشِ دانہائے اختر کو
مزرعہ آسماں میں آتی ہے

روداد انجمن :	اپنے دامن میں بھر غنچۂ گل خواب لے کر چمن میں آتی ہے
سرودِ رفتہ باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	اپنے دامن میں بھر کے غنچہ و گل خواب لے کر چمن میں آتی ہے
روداد انجمن سرودِ رفتہ	تیری تاثیر ہو گئی آخر میری تقدیر سو گئی آخر
باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	میری تقدیر ہو گئی آخر
روداد انجمن :	ہوں نفس در کفن مثالِ سحر موت ہو میری زندگی نہ کہیں
باقیاتِ اقبال سرودِ رفتہ نوادرِ اقبال	ہوں نفس دو نفس مثالِ سحر
روداد انجمن سرودِ رفتہ	گا ہے ما ہے ہلال آتا ہے ہو لبِ نانِ مفلسی نہ کہیں
باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	ہو لب جان مفلسی نہ کہیں
روداد انجمن باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	خطِ دستِ سوال ہے اپنا ہو رگِ جان مفلسی نہ کہیں
سرودِ رفتہ :	خطِ دستِ سوال ہی اپنا

رودادِ انجمن : قابلِ بہرِ زندگی نہ ہوا
ٹکڑے ٹکڑے مرا سفینہ ہوا

نوادرِ اقبال
سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
قابلِ بحرِ زندگی نہ ہوا

رودادِ انجمن : تو بھلا مجھ پہ کیوں نثار نہو ؟
کہ یتیمی تو مُدعا ہے ترا

سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
نوادرِ اقبال
تو بھلا مجھ پہ کیوں نثار نہ ہو

رودادِ انجمن : لبِ اظہار وا ہوا نہ کبھی
غم نے دیکھا ہے آزما کے مجھے

نوادرِ اقبال
سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
تم نے دیکھا ہے آزما کے مجھے

رودادِ انجمن : کس مزے کی ہے داستاں اپنی
قوم سُنتی ہے ہم سُناتے ہیں

نوادرِ اقبال
سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
قوم ہنستی ہے ہم ہنساتے ہیں

رودادِ انجمن : دیکھ اے زندگی مرے آنسو
یہ ترے نقش کو مٹاتے ہیں

نوادرِ اقبال
سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
یہ ترے نقشِ نو مٹاتے ہیں

دین و دُنیا

رودادِ انجمن
نوادرِ اقبال
بندہ پرور بندگی اپنی یہیں سے ہو قبول
وعظ اب ایسی صدائے مرغِ بے ہنگام ہے

سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
وعظ اب ایسا صدائے مرغِ بے ہنگام ہے
واعظ اب ایسا صدائے مرغِ بے ہنگام ہے

سرودِ رفتہ اور باقیاتِ اقبال میں مندرجہ ذیل شعر مذکورہ بالا شعر سے پہلے آتا ہے۔

صدقے جاؤں فہم پر دُنیا نہیں دیں سے الگ
یہ تو اِک پابندیٔ احکامِ دیں کا نام ہے

لیکن نوادرِ اقبال میں ایسا نہیں ہے (صفحہ ۱۵۷)

رودادِ انجمن :
جوش میں کیا آئے اک سوڈے کی بوتل کھل گئی
گالیوں کے مس سے مُنہ اُن کا چھلکتا جام ہے

سرودِ رفتہ
باقیاتِ اقبال
نوادرِ اقبال
گالیوں کے بس سے مُنہ اُن کا چھلکتا جام ہے

رودادِ انجمن
نوادرِ اقبال
بیچتے ہیں برف کی قفلی دسمبر میں چہ خوش
ایسے دینداروں کے سر بے عین وقاف ولام ہے

سرودِ رفتہ، باقیاتِ اقبال :
ایسے دینداروں کا سر بے عین وقاف ولام ہے

رودادِ انجمن }
سرودِ رفتہ }
نوادرِ اقبال }

علمِ دیں کا شوق ہے دُنیا سے کچھ مطلب نہیں
دالِ دل کو اپنے دالِ دین سے ادغام ہے

لیکن دوسرے مصرع میں سرودِ رفتہ میں ”ادغام“ کے بجائے اذغام ہے۔

باقیاتِ اقبال : علمِ دیں کا شوق ہے دُنیا سے مطلب کچھ نہیں

رودادِ انجمن }
سرودِ رفتہ }
یہ کہا اور جھٹ دکھا دی اِک پُرانی سی کتاب
میں نے یہ سمجھا کوئی ڈگری ہے یا اسٹام ہے

نوادرِ اقبال }
باقیاتِ اقبال }
یہ کہا جھٹ دکھا دی اِک پُرانی سی کتاب
میں نے یہ سمجھا کوئی ڈگری ہے یا اشٹام ہے

رودادِ انجمن : دین، دنیا کا محافظ ہے اگر سمجھے کوئی
جیسے بچّے کے گلے میں ناخنِ خرغام ہے

سرودِ رفتہ : جیسے بچّے کے گلے میں ناخنِ ضرِغام ہے

باقیاتِ اقبال : جیسے بچّے کے گلے میں ناخنِ ضرِخام ہے

نوادرِ اقبال : جیسے بچّے کے گلے میں ناخنِ خرخام ہے

اصل لفظ ضِرغام (ضِرغم) بالکسر ض رغ م بمعنی شیر درندہ ہے۔ لہٰذا خرغام یا ضرخام غلط ہے۔
ایک شعر ملاحظہ ہو ؎

نکالیں سینۂ ضرِغام سے آنت
اُکھاڑیں مُنہ سے پیلِ مست کے دانت

(راماین از خوشتر)

زبانِ حال

روودادِ انجمن باقیاتِ اقبال	دیکھیے گُل کس طرح کہتا ہے احوالِ خزاں مانگ کر لایا ہے بُلبل سے لبِ تقریر آج	
سرودِ رفتہ نوادرِ اقبال	دیکھیے گل کس طرح کہتا ہے احوالِ خزاں	
روودادِ انجمن :	زینتِ محفل ہیں فرہادانِ شیرینِ عطا اس محفل میں ہے رواں ہونے کو جُوئے شیر آج	
باقیاتِ اقبال سرودِ رفتہ	اس محل میں رواں ہونے کو جوئے شیر آج	اور یہی صحیح ہے
نوادرِ اقبال :	اس محل میں ہے رواں ہونے کو جوئے شیر آج	
روودادِ انجمن :	صبر را منزلِ دل پا بجولاں کردہ ام گیسوئے مقصود را آخر پریشاں کردہ ام	
باقیاتِ اقبال سرودِ رفتہ نوادرِ اقبال	صبر را از منزلِ دل پا بجولاں کردہ ام	
روودادِ انجمن :	یہاں کبھی بادِ خزاں کا رنگ جم سکتا نہیں ہیں مسلمانوں کا گلشن، تم مری دیوار ہو	
باقیاتِ اقبال سرودِ رفتہ نوادرِ اقبال	یاں کبھی بادِ خزاں کا رنگ جم سکتا نہیں	اور یہی درست ہے

رودادِ انجمن : طوسی و رازی و سینا و ظہیر و الغزل
آہ وہ دلکش مرقع پھر دکھا سکتا ہوں میں

باقیاتِ اقبال
سرودِ رفتہ } طوسی و رازی و سینا و غزالی و ظہیر

نوادرِ اقبال : طوسی و رازی و سینا و ظہیر و الغزال

رودادِ انجمن : کارواں سمجھے اگر خضرِ رہِ عزت مجھے
منزلِ مقصود کا رستہ دکھا سکتا ہوں میں

باقیاتِ اقبال
سرودِ رفتہ
نوادرِ اقبال } کارواں سمجھے اگر خضرِ رہِ ہمت مجھے

رودادِ انجمن : از خمِ حکمت بروں کردہ شرابِ ناب را
ہاں، مبارک سرزمینِ خطۂ پنجاب را

نوادرِ اقبال : ہا مبارک سرزمینِ خطۂ پنجاب را

باقیاتِ اقبال
سرودِ رفتہ
نوادرِ اقبال } از خمِ حکمت بروں کردم شرابِ ناب را

رودادِ انجمن : جس نے جا چھونا ہو دامانِ ثریا کو کبھی
ایک دو اینٹوں سے اُٹھ سکتی ہے وہ دیوار کیا؟

باقیاتِ اقبال
سرودِ رفتہ } ہاں جسے چھونا ہو دامانِ ثریا کو کبھی

نوادرِ اقبال : جس نے جا چھویا ہو دامانِ ثریا کو کبھی

رودادِ انجمن
سرودِ رفتہ، نوادرِ اقبال } ہاں رگِ ہمت کو اپنی جوش میں لائے کوئی
عشقِ اخواں کا اثر دُنیا کو دکھلائے کوئی

باقیاتِ اقبال	ہاں اگر ہمت کو اپنی جوش میں لائے کوئی
رودادِ انجمن	جوشِ ہمدردی میں پنہاں دولتِ ایمان ہے
نوادرِ اقبال :	نقشۂ خیرالقروں آنکھوں کو دکھلائے کوئی
باقیاتِ اقبال / سرودِ رفتہ	جوشِ ہمدردی میں پنہاں دولتِ ایمان ہے بس
رودادِ انجمن	یہ نظامیہ سلامت ہے تو پھر سعدی بہت
نوادرِ اقبال	پھر ذرا ویسا منور اپنا کاشانہ تو ہو
باقیاتِ اقبال / سرودِ رفتہ	پر ذرا ویسا منور اپنا کاشانہ تو ہو
رودادِ انجمن	یادگارِ فاتحانِ ہند و اندلس کے ہو تم
نوادرِ اقبال	شانِ شاہانہ نہ ہو میری، امیرانہ تو ہو
باقیاتِ اقبال / سرودِ رفتہ	یادگارِ فاتحانِ ہند و اندلس ہو تمہیں

باقیاتِ اقبال میں یہ شعر درج نہیں:

وہ غنی ہے علم کی دولت بھی کرتا ہے عطا
ہاں مگر پہلے روش تیری گدایانہ تو ہو

نوادرِ اقبال	ہاں مگر پہلی روش تیری گدایانہ تو ہو
رودادِ انجمن	اے کہ بعد از تو نبوت شد بہ ہر مفہوم شرک
نوادرِ اقبال	بزم را روشن ز نورِ شمعِ ایمان کردہٖ
باقیاتِ اقبال / سرودِ رفتہ	بزم را روشن ز نورِ شمعِ عرفاں کردہٖ

فریادِ اُمّت

رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال رختِ سفر	دل میں جو کچھ ہے نہ لب پر اُسے لاؤں کیونکر؟ ہو چھپانے کی نہ جو بات، چھپاؤں کیونکر؟
سرودِ رفتہ :	دل میں جو کچھ ہے زباں پر اسے لاؤں کیونکر؟
رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال رختِ سفر	ضبط کی تاب نہ یارائے خموشی مجھ کو ہائے اس دردِ محبّت کو چھپاؤں کیونکر؟
سرودرفتہ :	ہائے اس دردِ محبّت کو چھپاؤں کیونکر؟
رودادِ انجمن سرودِ رفتہ	یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی؟ جادۂ راہِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
باقیاتِ اقبال :	جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
نوادرِ اقبال :	جادۂ ملکِ بقا ہے خطِ پیمانۂ دل
رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	ابرِ رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب جل گئی مزرعۂ ہستی تو اُگا دانۂ دل
سرودِ رفتہ :	جل گیا مزرعِ ہستی تو اُگا دانۂ دل
رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال رختِ سفر	آتی ہے اپنی سمجھ اور یہ مائل ہو کر آنکھ کھل جاتی ہے انسان کی بے دل ہو کر
سرودِ رفتہ :	آتی ہے اپنی سمجھ اور یہ مائل ہو کر

رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال	عین ہستی کا ہوا ہستی کا فنا ہو جانا حق دکھایا مجھے اس نقطہ نے باطل ہو کر
رختِ سفر :	عین ہستی ہوا ہستی کا فنا ہو جانا حق دکھایا مجھے اس نقطے نے باطل ہو کر
سرودِ رفتہ :	حق دکھایا مجھے اس نکتے نے باطل ہو کر
رودادِ انجمن سرودِ رفتہ رختِ سفر	طُور پر تُو نے جو اے حضرتِ موسیٰ دیکھا! وہی کچھ قیس نے دیکھا پسِ محمل ہو کر
باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	طُور پر تُو نے جو اے دیدۂ مُوسےٰ دیکھا!
رختِ سفر :	طُور پر تم نے جو اے حضرت موسےٰ دیکھا!
رختِ سفر رودادِ انجمن باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	وہ مسافر ہوں، ملے جب نہ پتا منزل کا خود بھی مِٹ جاؤں نشانِ رہِ منزل ہو کر
سرودِ رفتہ :	خود بھی مِٹ جاؤں نشانِ سرِ منزل ہو کر
رودادِ انجمن نوادرِ اقبال	دل جو بربادِ محبت ہوا آباد ہوا! سازِ تعمیر تھا اس فقر کو ویراں ہونا
نوادرِ اقبال :	دل جو برباد ہوا تھا وہی آباد ہوا سازِ تعمیر تھا اس قصر کو ویراں ہونا
باقیاتِ اقبال سرودِ رفتہ رختِ سفر	سازِ تعمیر تھا اس قصر کو ویراں ہونا

روداد انجمن سرودِ رفتہ	حُسن کس کا مری آنکھوں میں سمایا جب سے تیرگی ہے شعاعِ مہ و انجم مجھ کو
باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال رختِ سفر	حُسن تیرا میری آنکھوں میں سمایا جب سے
روداد انجمن سرودِ رفتہ	خوف رہتا ہے ہر دم کہ رہِ یثرب سے طُور کی سمت نہ لے جائے تو ہمّ مجھ کو
رختِ سفر باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	خوف رہتا ہے یہ ہر دم کہ رہِ یثرب میں
روداد انجمن :	شاہد قوم ہوا خنجرِ پیکار سے خوں ہائے غفلت یہ اُسے رنگِ حنا کہتے ہیں

باقیاتِ اقبال، رختِ سفر اور نوادرِ اقبال میں مندرجہ بالا شعر درج نہیں۔

رودادِ انجمن :	ہو نہ اے قافلہ سالار یہ اُمّت تیری کارواں ہند میں ہے کوئی لُٹا، کہتے ہیں

باقیاتِ اقبال، رختِ سفر اور نوادرِ اقبال میں مندرجہ بالا شعر درج نہیں۔

روداد انجمن رختِ سفر سرودِ رفتہ	جن کی دین داری میں ہو آرزوئے زر پنہاں آ کے دھوکے میں انہیں راہنما کہتے ہیں
باقیاتِ اقبال نوادرِ اقبال	جن کی دین داری میں ہے آرزوئے زر پنہاں
روداد انجمن :	یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علی شیعوں کا ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

باقیاتِ اقبال، رختِ سفر اور نوادرِ اقبال میں مندرجہ بالا شعر درج نہیں۔

رودادِ انجمن : یہ دوا صفحۂ ہستی سے نہ مٹ جانا ہو
درد کی حد سے گزرنے کو دوا کہتے ہیں

رختِ سفر، باقیاتِ اقبال اور نوادرِ اقبال میں مندرجہ بالا شعر درج نہیں۔

رودادِ انجمن : جو میرے دل میں ہے کہدوں تو کوئی کہہ دیگا
مُنہ پہ ہوتا نہیں ان لوگوں کو اچھا کہنا
ہم کہیں کچھ تو کہے جائیں انہیں کیا پرواہ
"کوئی" کہہ دے تو اثر کرتا ہے کیا کیا کہنا
ان کی محفل میں ہے کچھ بار انہیں لوگوں کو
جن کو آتا ہو سرِ بزم لطیفا کہنا

باقیاتِ اقبال اور نوادرِ اقبال میں مندرجہ بالا اشعار درج نہیں۔

رودادِ انجمن : ہم تو مٹ جائیں گے معمورۂ ہستی سے مگر
صبر ان راہنماؤں پر پڑے گا اپنا
تیری سرکار میں اپنوں کا گلہ کیا کیجئے
ہو ہی جاتا ہے مصیبت میں پرایا اپنا

رختِ سفر، باقیاتِ اقبال اور نوادرِ اقبال میں مذکورہ بالا اشعار درج نہیں۔

رودادِ انجمن
سرودِ رفتہ
دیکھ اے نوحؑ کی کشتی کے بچانے والے
آیا گرداب حوادث میں سفینہ اپنا [1]
ہم نے سَو راہ اخوت کی نکالی لیکن
نہ تو اپنا ہُوا اپنا، نہ پرایا اپنا [2]

باقیاتِ اقبال اور نوادرِ اقبال میں شعر نمبر ۲ پہلے آیا ہے اور شعر نمبر ا بعد میں۔ نیز "نوادرِ اقبال" میں "کشتی کو" لکھا ہے۔

تصویرِ درد

رودادِ انجمن : میرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں، خزاں جو گل کی ہے گویا خزاں میری

بانگِ درا : وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

اس نظم کے اکثر اشعار کی ترتیب بانگِ درا میں اور ہے اور رودادِ انجمن میں اور۔ رودادِ انجمن، سرودِ رفتہ اور باقیاتِ اقبال کی ترتیب کسی حد تک یکساں ہے۔

باقیاتِ اقبال، سرودِ رفتہ : وضو کے واسطے کعبہ لیے آتا ہے زمزم کو
الٰہی کونسی وادی میں مَیں محوِ عبادت ہوں

رودادِ انجمن، سرودِ رفتہ : وضو کے واسطے آتا ہے کعبہ لے کے زمزم کو

رودادِ انجمن : تمیزِ مادمن ہوتی نہیں حرفِ محبت میں
مثالِ خاموشی گویا میری تقریر ہوتی ہے

باقیاتِ اقبال، سرودِ رفتہ، نوادرِ اقبال : مثالِ خامشی گویا میری تقریر ہوتی ہے — اور یہی درست ہے

رودادِ انجمن، نوادرِ اقبال، رختِ سفر : خود اپنے آنسوؤں میں رونے والا چھپ کے بیٹھا ہو
صدائے نالۂ دل کی یہی تاثیر ہوتی ہے

باقیاتِ اقبال، سرودِ رفتہ : خود اپنے آنسوؤں میں رونے والا چھپ کے بیٹھا ہوں

بانگِ درا میں اس نظم کا تیسرا بند درج نہیں ہے۔

رودادِ انجمن : نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑا اس باغ میں گل چیں
تیری قسمت سے جھگڑے ہو رہے ہیں باغبانوں میں

بانگِ درا : تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں

رودادِ انجمن : ہوا پیکار کی آخر اجاڑے گی گلستاں کو
خدا رکھے یہ ہے اپنے اپنے مہربانوں میں

نوادرِ اقبال : خدا رکھے اسے یہ بھی ہے اپنے مہربانوں میں

باقیاتِ اقبال، سرودِ رفتہ : خدا رکھے یہ ہے اپنے پرانے مہربانوں میں

رودادِ انجمن، باقیاتِ اقبال، نوادرِ اقبال : سبق لیتا رہا افتادگی کا خاکِ ساحل سے
نہ سیکھا موجِ دریا سے علاجِ خواب پا تو نے

سرودِ رفتہ : خبر لیتا رہا افتادگی کا خاکِ ساحل سے

بانگِ درا میں بند نمبر سات بالکل درج نہیں، مگر رودادِ انجمن، باقیاتِ اقبال اور سرودِ رفتہ میں ہے۔

رودادِ انجمن : دکھا دو حُسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پُرنم کو
جو تڑپاتا ہے پروانے کو، رُلواتا ہے شبنم کو

بانگِ درا، نوادرِ اقبال : دکھا دو حُسنِ عالم سوز اپنی چشمِ پُرنم کو

رودادِ انجمن : پھر اکرتے نہیں مجروحِ اُلفت فکرِ درماں میں
یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا ابنِ مریم کو

نوادرِ اقبال : یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنے مرہم کو

بانگِ درا : یہ زخمی آپ کر لیتے ہیں پیدا اپنی مرہم کو

باقیاتِ اقبال اور سرودِ رفتہ میں نواں اور دسواں بند درج نہیں۔

روداد انجمن	تھمے کیا دیدۂ گریاں وطن کی نوحہ خوانی میں
نوادرِ اقبال	عبادت چشمِ ساغر کی ہے ہر دم باوضو رہنا
بانگِ درا	عبادت چشمِ شاعر کی ہے ہر دم باوضو رہنا

بلالؓ

"بلالؓ" کے عنوان سے جو نظم مخزن میں شائع ہوئی تھی اس کے مندرجہ ذیل اشعار قلم زد کر دیے گئے۔

ستم ہے شوق کی آتش کو مثلِ موجِ ہوا
خُدا بھلا کرے آزار دینے والوں کا
ترے نصیب کا آخر چمک گیا اختر
علیؓ کے سینے میں جو راز تھا کھُلا تجھ پر
نمازِ عشقِ حسینؓ حجاز ہے گویا
یہی نماز خُدا کی نماز ہے گویا

انجمن حمایتِ اسلام لاہور کے ۳۱ ویں سالانہ جلسے میں علامہ اقبال نے مندرجہ ذیل اشعار اضافہ کر کے پڑھے جو سرودِ رفتہ یا باقیاتِ اقبال میں درج نہیں۔

لکھا ہے ایک مغربی حق شناس نے
اہلِ قلم میں جس کا بہت احترام تھا
جولانگہِ سکندرِ رُومی تھا ایشیا
گردُوں سے بھی بلند تر اس کا مقام تھا

تاریخ کہہ رہی ہے کہ رُومی کے سامنے
دعویٰ کیا جو پورسؔ و داراؔ نے خام تھا
دُنیا کے اس شہنشہِ انجُم سپاہ کو
حیرت سے دیکھتا فلکِ نیل فام تھا
آج ایشیا میں اُس کو کوئی جانتا نہیں
تاریخ داں بھی اُسے پہچانتا نہیں! [1]

اس نظم کے مندرجہ ذیل اشعار میں اختلاف ہے:۔

لیکن بلال رضؓ حبشی[2] زادۂ حقیر
فطرت تھی جس کی نُورِ نبوت سے مستنیر
جس کا امیں ازل سے ہوا سینۂ بلال رضؓ
محکوم اس صدا کے ہیں شاہنشہ و وزیر [3]
اقبالؔ! کس کے عشق کا یہ فیضِ عام ہے؟
رُومیؔ فنا ہوا! حبشی کو دوام ہے!

---

[1] ملاحظہ ہو بلال رضؓ مطبوعہ راجپوت پرنٹنگ ورکس لاہور ١٩١٦ء باہتمام مرغوب ایجنسی لاہور۔ یہ نظم مرتب کے پاس محفوظ ہے۔

[2] پیسہ اخبار یکم ستمبر ١٩٢٧ء، صفحہ ۴، ’’وہ حبشی‘‘ درج ہے۔

[3] ایضاً ’’شاہنشہ و فقیر‘‘ لکھا ہے۔

خضرِ راہ

پیسہ اخبار : شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا بزم سیر
تھی نظر حیراں کہ یہ دریا ہے یا تصویرِ آب!

بانگِ درا : شب سکوت افزا، ہوا آسودہ، دریا نرم سیر

بانگِ درا : جیسے گہوارے میں سو جاتا ہے طفلِ شیر خوار
موج مضطر تھی کہیں گہرائیوں میں مستِ خواب!

پیسہ اخبار : جیسے سو جاتا ہے گہوارہ میں طفلِ شیر خوار

بانگِ درا : رات کے افسوں سے طائر آشیانوں میں اسیر
انجم کم ضو گرفتارِ طلسمِ ماہتاب!

پیسہ اخبار : انجم گردوں گرفتارِ طلسمِ ماہتاب!

بانگِ درا : دل میں یہ سُن کر بپا ہنگامۂ محشر ہوا
میں شہیدِ جستجو تھا یوں سخن گستر ہوا

پیسہ اخبار : میں شہیدِ جستجو تھا یوسف سخن گستر ہوا

بانگِ درا : ہو رہا ہے ایشیا کا خرقۂ دیرینہ چاک
نوجواں اقوامِ نو دولت کے ہیں پیرایہ پوش

پیسہ اخبار : نوجواں اقوامِ نو دولت کے ہیں پیرایہ نوش

بانگِ درا : ریت کے ٹیلے پہ وہ آہو کا بے پروا خرام
وہ حضر بے برگ و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل!

پیسہ اخبار : وہ گدا بے حضر و ساماں وہ سفر بے سنگ و میل!

بانگِ درا : اور آبادی میں تو زنجیریِ کشت و نخیل!

کلیاتِ اقبال، پیسہ اخبار : اور تو اے بے خبر زنجیریِ کشت و نخیل!

بانگِ درا : پختہ تر ہے گردشِ پیہم سے جامِ زندگی

پیسہ اخبار : پختہ تر ہے گردشِ گردوں سے جامِ زندگی

بانگِ درا : خام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اِک انبار تو

پیسہ اخبار : جام ہے جب تک تو ہے مٹی کا اِک انبار تو

بانگِ درا : پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنہار تو !

پیسہ اخبار : پختہ ہو جائے تو ہے شمشیرِ بے زنگار تو !

بانگِ درا
پیسہ اخبار } پہلے اپنے پیکرِ خاکی میں جاں پیدا کرے

کلیاتِ اقبال: پہلے اپنے پیکرِ خالی میں جاں پیدا کرے

بانگِ درا میں یہ شعر درج نہیں اور نہ ہی سرودِ رفتہ اور باقیاتِ اقبال میں موجود ہے۔

نوعِ انسان کے لیے سب سے بڑی لعنت ہے یہ
شاہ راہِ فطرۃ اللہ میں یہ ہے غارت گری !

روداد انجمن
بانگِ درا } گفت رُومی ہر بنائے کہنہ کآباداں کنند

پیسہ اخبار : گفت رُومی ہر بنائے کہنہ کعبہ داں کنند

(۲)

یومِ اقبالؒ

۲۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ لاہور نے "یوم اقبال" منانے کا فیصلہ کیا تو سکریٹری کی طرف سے مندرجہ ذیل اعلان شائع ہوا۔

اس وقت شاعرِ مشرق قبلہ ڈاکٹر محمد اقبال مدظلہ العالی کی عظیم الشان شخصیت مسلمانانِ ہند کے لیے مغتنمات سے ہے۔ گزشتہ ربع صدی میں انہوں نے جس استحکام، دردمندی اور جگر سوزی سے سیاسیات سے قطع نظر مسلمانوں کی علمی و ادبی اور مذہبی خدمات انجام دی ہیں۔ اس پر ہماری آنے والی نسلوں کی گردنیں ہمیشہ احسان سے جھکی رہیں گی۔ مسلمان کا سب سے بیش قیمت سرمایہ یعنی ان کے مقدس مذہب کی حقیقت جو صدیوں کی روایات کے پردوں میں مستور تھی اقبال کے حیرتناک سوزِ قلب اور معرکہ خیز مساعی سے پھر نمایاں ہوتی ہے اور یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اقبال نے اپنی مسیحائی سے اسلام کے مُردہ بدن میں از سرِ نو روح پیدا کر دی ہے اور آج اسلام کے فرزندوں کے دلوں میں جوشِ عمل و ایمان کے جو ولولے اور ہنگامے پیدا ہو رہے ہیں وہ بہت حد تک اقبال کے اس سوز کا نتیجہ ہیں جو اس کی کتاب زندگی کے ہر صفحہ پر لکھا موجود ہے۔

> انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ (لاہور) نے دُنیائے اسلام کے سب سے بڑے اور مایہ ناز مفکر سے اپنی قلبی عقیدت کا اظہار کرنے اور اس کے پیغام سے مسلمانوں کو آشنا کرنے کے خیال سے ۲۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو "یومِ اقبال" منانے کا فیصلہ کیا ہے۔ برادر ہڈ کی یہ زبردست خواہش ہے کہ "یوم اقبال" تمام ہندوستان میں بڑی دھوم دھام سے منایا جائے اور ہر جگہ ایک ہی پروگرام کو مقامی حالات کے مطابق عملی جامہ پہنایا جائے اس لیے ہم درخواست کرتے ہیں کہ:
>
> ۱۔ تمام علمی و ادبی اور مذہبی مجالس کے ذمہ دار ارباب اپنے گرد و نواح کے علم و ادب کا ذوق رکھنے والے اصحاب کو بلا تمیز مذہب و ملت اقبال کی شاعری کے مختلف پہلوؤں پر تقریر کرنے یا مقالہ یا نظم پڑھنے کے لیے مدعو کریں اور ۲۶ دسمبر کو جلسہ منعقد کریں اور اختتام جلسہ پر شاعر کی درازیِ عمر

کے لیے دُعا کی جائے۔

۲۔ ہر مسلمان "یوم اقبال" منانا اپنا فرض منصبی سمجھے اور ۲۶ دسمبر کو اپنے ہاں کے جلسہ میں شرکت کرے۔

۳۔ ۲۶ دسمبر کو دیہات کے خواندہ حضرات اپنے ان پڑھ بھائیوں کو جمع کرکے انہیں اقبال اور اس کی شاعری سے روشناس کرائیں۔

۴۔ ۲۶ دسمبر کو اقبال یا اس کی شاعری پر جو مضامین و مقالات اور نظمیں پڑھی جائیں وہ ہمیں ارسال فرمادی جائیں کیونکہ ہمارا ارادہ ان کو کتابی صورت میں پیش کرنے کا ہے۔ [1]

"یوم اقبال" کے بارے میں ہفت روزہ "حمایت اسلام" لاہور نے اپنے اداریے میں لکھا:

"انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ ۲۶ دسمبر کو یوم اقبال منانا چاہتی ہے اور اس کی خواہش ہے کہ ہندوستان کے تمام علم دوست مسلمان اس سلسلہ میں اس کا ساتھ دیں اور مقامی طور پر جلسے منعقد کرکے علامہ اقبال کے دیے ہوئے منظوم پیغام کو عوام تک پہنچائیں۔

انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ کا یہ ارادہ مبارک ہے۔ حضرت علامہ اقبال ہندوستان کے لیے باعث فخر و مباہات ہیں۔ وہ مسلمان قوم کی پستی و ادبار کو بہت بُری طرح محسوس فرما رہے ہیں۔ ان کی شاعری کی بنیاد یہی احساس ہے۔ وہ مسلمان قوم کو زندہ دیکھنا چاہتے ہیں اور اسے زندہ رہنے کا سبق دے رہے ہیں۔ ان کی شاعری ایک مسلسل پیغام ہے بیداری کا، خدمتِ وطن اور خدمتِ دین کا اور ظاہر ہے کہ اس پیغام کو زیادہ سے زیادہ عام کرنیکی ضرورت ہے۔

انٹر کالجیٹ برادرہڈ کی تجویز پر اگر تمام ہندوستان میں عمل کیا جائے تو حضرت علامہ اقبال کا پیغام ان تک بھی پہنچ سکتا ہے جو پڑھنا نہیں جانتے مگر جینا چاہتے ہیں اور اچھی یا بُری طرح جی رہے ہیں۔" [2]

۲۶ دسمبر ۱۹۳۷ء کو منایا جانے والا "یوم اقبال" بعض وجوہات کی بنا پر ملتوی ہوگیا تو ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو "یوم اقبال" منانے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس ضمن میں ہفت روزہ "حمایت اسلام" نے مندرجہ ذیل ادارتی نوٹ تحریر کیا:

---

[1] حمایت اسلام، ۱۸ نومبر ۱۹۳۷ء، صفحہ ۶، ۱۱

[2] ایضاً صفحہ ۱

"یومِ اقبال اور اسلامیہ کالج لاہور میں شعبۂ اسلامک ریسرچ"

اخبار بین حضرات کو معلوم ہوگا کہ ۹ جنوری ۱۹۳۸ء کو انٹر کالجیٹ مسلم برادرہڈ کی ترغیب پر پورے ہندوستان میں "یوم اقبال" منانے کی تیاریاں کی جا رہی ہیں۔ اس سلسلہ میں نواب سر سکندر حیات خان بالقابہ نے مسلمانانِ ہندوستان سے فرمائش کی تھی کہ وہ اس یادگار دن پر اپنے مایہ ناز مفکر اور شاعر مشرق سے عقیدت و محبت ظاہر کرنے کے لیے دل کھول کر چندہ دیں اور یہ روپیہ ایک تھیلی کی صورت میں حضرت علامہ کی خدمت میں پیش کر دیا جائے۔

اخبارات میں نواب صاحب بالقابہ کی یہ اپیل پڑھ کر حضرت علامہ محمد اقبال نے ایک احساس بخش اور سبق انگیز بیان شائع فرمایا ہے جس میں آپ نے نہایت فیاضی اور دریادلی سے کام لے کر "یوم اقبال" کے سلسلہ میں جمع ہونے والی تمام رقوم کو قوم کی خدمت میں پیش کر دیا ہے اور فرمایا ہے کہ "وہ اپنی ضروریات پر قومی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان کے خیال میں اس وقت قوم کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے لیے ایک شعبۂ اسلامیہ کی شدید ضرورت ہے اور انہوں نے قوم کو مشورہ دیا ہے کہ اسلامیہ کالج میں ایک ایسا شعبہ کھول دیا جائے۔ اس کارِ خیر کی ابتدا کرتے ہوئے حضرتِ علامہ نے ایک سو روپیہ خود بھی عطا فرمایا ہے۔ گویا مسلمان قوم کو عملی دعوت دی ہے کہ وہ ان کی اقتدا میں اس قومی ضرورت کی تکمیل کے لیے آگے بڑھے"۔

حضرت علامہ کی ذات نہ صرف مسلمانانِ ہندوستان بلکہ مشرق کے لیے باعثِ صد افتخار ہے۔ انہوں نے مشرق کے مسلمانوں کو پیغام حیات دے کر انہیں سر نو زندگی عطا کی ہے۔ ان میں حرارتِ تازہ پیدا کی ہے اتنے بڑے محسن کے یادگاروں کو غیر فانی بنانے کے لیے اگر مسلمانانِ ہندوستان اسلامیہ کالج لاہور میں دینیات کا مطلوبہ شعبہ بھی قائم نہ کر سکیں تو کتنی بڑی احسان فراموشی ہوگی۔

ہمیں اُمید ہے کہ مسلمان حضرت علامہ سے اپنی عقیدت و نیازمندی کے اظہار میں بڑی فراخ دلی اور بلند حوصلگی کا ثبوت دیں گے اور یہ ثابت کر دیں گے کہ وہ اپنے محسن کی قدر کرنا جانتے ہیں [1]

---

[1] حمایت اسلام، ۱۶ دسمبر ۱۹۳۷ء، صفحہ ۴

(۳)

وفاتِ اقبالؒ

۲۱ اپریل ۱۹۳۸ء کو علامہ اقبال انتقال فرما گئے تو ۲۵ اپریل ۱۹۳۸ء بروز پیر بوقت ۶ بجے شام صدر دفتر انجمن میں نواب نثار علی خاں کی صدارت میں جنرل کونسل کا جو ہنگامی اجلاس منعقد ہوا۔ اس میں فیصلہ کیا گیا تھا کہ

ا۔ ریزولیوشن کی نقلیں مرحوم کے پس ماندگان اور اخبارات کو بھیجی جائیں۔

ب۔ حمایت اسلام کا ایک "اقبال نمبر" نکالا جائے۔

ج۔ انجمن میں ان کی جلیل القدر و مدت العمر کی خدمات کے پیش نظر ان کی یادگار قائم کی جائے اور اس یادگار کی تشکیل اور تفصیلات کا فیصلہ بعد میں کیا جائے [۱]

مذکورہ بالا اجلاس کے فیصلے کے مطابق قرار داد تعزیت کی نقول علامہ اقبال کے پس ماندگان اور اخبارات کو ارسال کی گئیں اور مرحوم کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لیے "حمایت اسلام" (۲۸ اپریل ۱۹۳۸ء) کا "اقبال نمبر" بھی شایانِ شان طریقے سے رشید اختر ندوی کی ادارت میں شائع ہوا جس میں مشہور و معروف شاعروں اور ادیبوں کی تخلیقات پیش ہوئیں جن میں بزمی انصاری، میر رحمت اللہ ہمایوں، سرور ہاشمی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، منظور حسین منظور، چوہدری خوشی محمد ناظر، یحییٰ اعظمی اور سید سلیمان ندوی کے نام قابل ذکر ہیں۔

جہاں تک علامہ اقبال کی "یادگار" قائم کیے جانے کا تعلق ہے۔ اس سلسلے میں ۱۳ مئی ۱۹۳۸ء بروز جمعۃ المبارک بوقت ساڑھے سات بجے دفتر انجمن میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس نواب مظفر خان کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں علامہ اقبال کی یادگار قائم کرنے کے متعلق تجاویز سوچنے کے لیے ایک سات رکنی سب کمیٹی تشکیل کی گئی اور چودھری محمد حسین اس کے سکرٹری منتخب ہوئے۔

---

[۱] قلمی روداد جنرل کونسل یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء

مولوی غلام محی الدین خان نے کہا کہ علامہ اقبال کی ہمیشہ یہ خواہش رہی ہے کہ "اسلامیہ کالج میں ایک اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" قائم کیا جائے...... اسلام کو صحیح رنگ میں نوجوانوں کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان کی تمام تصانیف اس امر کی شاہد ہیں۔ اس لیے "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ نیز فرمایا کہ

○ علامہ اقبال کا فوٹو ہال کے لیے قدِ آدم آئل پینٹنگ بنوایا جائے اور دوسرے اداروں کے لیے عکسی تصاویر بنوائی جائیں۔

○ اسلامیہ کالج کے طلبا میں سے جو طالب علم سب سے بہتر قومی نظم لکھنے پر انعام کا مستحق ٹھہرے وہ انعام "اقبال پرائز" کے نام سے موسوم ہو۔ وہ انعام میڈل کی شکل میں ہو۔ وہ میڈل "اقبال میڈل" یا "اقبال پرائز" کہا جائے۔

○ انجمن کے اسلامیہ سکولوں میں سکول کھلنے اور کلاسوں میں جانے سے پیشتر تمام طلبا اقبال کا "ترانہ" ایک آواز میں پڑھا کریں تاکہ بچوں کے دلوں میں حرّیت کی روح موجزن رہے۔

یہ تجویز اتفاق رائے سے منظور ہوئی [1]

۲ اگست ۱۹۳۸ء بروز منگل بوقت پانچ بجے شام صدر دفتر انجمن میں جنرل کونسل کا ایک اجلاس نواب مظفر خان، صدر انجمن، کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں چودھری محمد حسین نے مذکورہ بالا سب کمیٹی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے فرمایا:

اس کمیٹی کی رائے میں علامہ مرحوم کے مقاصدِ زندگی اور ان کی تعلیم کو مدِ نظر رکھتے ہوئے انکی یادگار صرف ایک ہی ہو سکتی ہے یعنی "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کا قیام۔ علامہ اقبال کی بے حد خواہش تھی کہ اس قسم کا ایک انسٹی ٹیوٹ قائم کیا جائے۔ چنانچہ جب "اقبال ڈے" منایا جا رہا تھا تو مرحوم نے اس تجویز کو پبلک کے سامنے پیش کرتے ہوئے اپنی گرہ سے ایک سو روپیہ چندہ کا اعلان بھی فرمایا اور اب کمیٹی کو معلوم ہوا ہے کہ مرحوم نے اپنی وصیت میں خود اپنی نادر کتب کا ایک معتدبہ ذخیرہ اسی مقصد کو ملحوظ رکھتے ہوئے اسلامیہ کالج کو دینے کے متعلق لکھا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ صرف "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کا قیام ہی اسلام کی مایہ ناز ہستی کی

---

[1] قلمی روداد جنرل کونسل یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء

صحیح ترین یادگار ہو سکتی ہے"۔

اس کمیٹی کی رائے میں اس ادارہ میں ایک "ریسرچ چیئر" اور کچھ "ریسرچ سکالر" خواہ وہ کتنی ہی کم تعداد میں ہوں رکھے جائیں اور اس کے ساتھ مذہب اسلام، فقہ اسلام اور اسلامی علوم و فنون کی سب زبانوں کی قدیم و جدید کتابوں کا ایک کتب خانہ مہیا کیا جائے۔ ابتدائے کار کتابوں کے اس نادر ذخیرہ سے ہو گی جو علامہ مرحوم نے اپنی وصیت کی رو سے اسلامیہ کالج کو عطا فرمایا ہے اور اس کے بڑھانے کے لیے علمار و محققین اور مشاہیر سے کتب فراہم کرنے کی اپیل کی جائے"۔ ؎

جنرل کونسل نے اتفاق رائے سے یہ تجاویز مکمل طور پر منظور کر لی تھیں۔ لیکن افسوس کا مقام ہے کہ چھتیس سال کا طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود ان پر عمل درآمد نہ ہو سکا اور یہ تجاویز انجمن کی رودادوں میں چھپ کر چھپ گئیں۔

جناب ذوالفقار علی بھٹو، وزیر اعظم پاکستان، مبارکباد کے مستحق ہیں کہ انہوں نے علامہ اقبال کے صد سالہ جشن ولادت کی تقریبات کو سرکاری طور پر منانے کا فیصلہ فرمایا ہے اور اس سلسلے میں ایک خصوصی کمیٹی بھی اپنی ہی سربراہی میں تشکیل فرمائی ہے۔ یقین ہے کہ یہ تقریبات شایانِ شان طریقے سے منائی جائیں گی۔ میں اس سنہری موقع پر انجمن کے ارباب بست و کشاد کی خدمت میں بالخصوص اور حکومتِ پاکستان کی خدمت میں بالعموم پُر زور اپیل کروں گا کہ وہ مذکورہ بالا تجویز پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں لیکن گرمجوشی سے ان پر عملی جامہ پہنا کر ملت اسلامیہ کو تشکر گزاری کا موقع دیں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کے اس مایہ ناز بطل جلیل کی صحیح ترین یادگار "اسلامک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ" کا قیام ہی ہو سکتی ہے جس کے لیے "ریسرچ چیئر" اور "ریسرچ سکالر" موقع کی مناسبت سے، حاصل کیے جا سکیں گے۔

؎ قلمی روداد جنرل کونسل یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ۱۳ اگست ۱۹۳۹ء

(۴)

اقبالؒ اور انجمن کے مختلف عہدے

علامہ اقبال انجمن حمایتِ اسلام کی جن مختلف کمیٹیوں میں عہدوں پر وقتاً فوقتاً منتخب ہوتے رہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

رکن مجلسِ منتظمہ	۱۲ر نومبر ۱۸۹۹ء	زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [1]
رکن مجلسِ ناظم التعلیم	۱۷ر دسمبر ۱۸۹۹ء	زیرِ صدارت خواجہ ضیاء الدین بی۔ اے وکیل [2]
تقرر بحیثیت انسپکٹر [3] اسلامیہ کالج	۲۸ر مارچ ۱۹۰۰ء	زیرِ صدارت شیخ عبدالقادر بی۔ اے [4]
رکن میموریل کمیٹی	۲۲ر اپریل ۱۹۰۰ء	زیرِ صدارت خواجہ ضیاء الدین بی۔ اے [5]
سبکدوشی انسپکٹر اسلامیہ کالج	۲۲ر جولائی ۱۹۰۰ء	زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [6]
رکن مجلسِ منتظمہ	۶ر جنوری ۱۹۰۱ء	زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [7]
رکن مجلسِ منتظمہ	۲۲ر نومبر ۱۹۰۲ء	زیرِ صدارت خواجہ ضیاء الدین [8]

---

[1] قلمی روداد مجلس منتظمہ ۳ر مئی ۱۸۹۶ء تا ۱۶ر جون ۱۹۰۰ء

[2] قلمی روداد جلسۂ عام جنرل کمیٹی ۱۴ر ستمبر ۱۸۸۴ء تا ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۱ء

[3] قلمی روداد مجلس منتظمہ ۳ر مئی ۱۸۹۶ء تا ۱۶ر جون ۱۹۰۰ء

[4] آپ کا تقرر خلیفہ عماد الدین کی جگہ عمل میں آیا جو دو ماہ کی رخصت پر چلے گئے۔

[5] ایضاً ۔ اس کمیٹی کے دیگر ارکان میں خواجہ ضیاء الدین، مولوی احمد دین، شیخ عبدالقادر اور منشی رحیم بخش شامل تھے۔

[6] قلمی روداد مجلس منتظمہ ۲۴ر جون ۱۹۰۰ء تا ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء۔ خلیفہ عماد الدین ۱۸ر جولائی کو رخصت سے واپس آئے تو علامہ اقبال سے چارج لے کر انہیں سبکدوش کر دیا۔

[7] قلمی روداد جلسۂ عام جنرل کمیٹی ۱۴ر ستمبر ۱۸۸۴ء تا ۱۵ر دسمبر ۱۹۰۱ء

[8] قلمی روداد مجلسِ منتظمہ ۲۴ر جون ۱۹۰۰ء تا ۱۷ر مئی ۱۹۰۳ء

رکن مجلسِ منتظمہ	۲۲ر نومبر ۱۹۰۳ء	زیرِ صدارت شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [۱]
رکن مجلسِ منتظمہ	۱۷ر جنوری ۱۹۰۴ء	زیرِ صدارت شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ [۲]
سکرٹری ایجوکیشنل کانفرنس	۲۳ر اکتوبر ۱۹۱۰ء	زیرِ صدارت میاں نظام الدین [۳]
رکن جلسہ کمیٹی	۵ر فروری ۱۹۱۱ء	زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [۴]
رکن تالیف واشاعت کمیٹی اور کالج کمیٹی	۶ر اکتوبر ۱۹۱۲ء	زیرِ صدارت شمس العلماء مولوی محمد عبدالحکیم [۵]
رکن ڈیپوٹیشن	۱۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء	زیرِ صدارت میاں نظام الدین [۶]
رکن استقبالیہ کمیٹی	۱۳ر اپریل ۱۹۱۳ء	زیرِ صدارت مفتی محمد عبداللہ ٹونکی [۷]

---

[۱] قلمی روداد جنرل کمیٹی ۲۸ر جون ۱۹۰۳ء تا ۲۴ر جون ۱۹۰۶ء

[۲] روداد اجلاس جنرل کونسل جنوری ۱۹۰۴ء، صفحہ ۳ تا ۵

[۳] قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۱۲ء۔ جناب عبدالعزیز، پرنسپل اسلامیہ کالج نے ایجوکیشنل کانفرنس کی سکرٹری شپ سے استعفےٰ دیدیا تو میاں فضل حسین کی تحریک پر علامہ اقبال سکرٹری اور پرنسپل صاحب اور ہیڈ ماسٹر اسلامیہ ہائی سکول جائنٹ سکرٹری مقرر کیے گئے۔ نیز کانفرنس کے قواعد وضوابط بنانے کا کام بھی انہی کے سپرد کیا گیا۔

[۴] قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷ر اگست ۱۹۱۲ء

[۵] قلمی روداد جنرل کونسل ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء۔ اس کمیٹی کے دوسرے ارکان خلیفہ عماد الدین اور شمس العلماء مولوی محمد عبدالحکیم تھے۔ اسی طرح مسٹر ڈھتی کے تقرر کا مسئلہ پیش آیا تو علامہ اقبال اور مولوی فضل الدین سے رائے طلب کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ موصوف اپنے سابقہ تجربے کے پیش نظر فلسفے کی پروفیسری کے لیے موزوں نہ ہوں گے۔

[۶] اسلامیہ کالج کے بورڈنگ ہاؤس کی توسیع، سکول کے لیے گورنمنٹ سے گرانٹ، یتیم خانے سے گرانٹ، صوبہ پنجاب میں مسلمانوں کی ابتدائی اور اعلیٰ تعلیم کی حالت زار اور پنجاب یونیورسٹی میں مسلمان فیلوز کی افسوسناک کمی پر غور کرنے اور ایک ڈیپوٹیشن بمعہ عرضداشت گورنمنٹ کی خدمت میں بھیجنے کے لیے ایک تیرہ رکنی سب کمیٹی تشکیل کی گئی، علامہ اقبال اس کے رکن مقرر کیے گئے۔

نیز مسلم یونیورسٹی فاؤنڈیشن کمیٹی کے جلسہ لکھنؤ (منعقدہ دسمبر ۱۹۱۲ء) میں انجمن کی جانب سے ایک قائم مقام رکن بھیجے جانے اور اس کے انتظام سے متعلق نیز اہل پنجاب کے خیالات اور مسلم یونیورسٹی سے متعلق جذبات پر غور کرنے کے لیے ایک آٹھ رکنی سب کمیٹی مقرر کی گئی جس کے ایک رکن علامہ اقبال منتخب ہوئے (قلمی روداد جنرل کونسل ۲۹ر ستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء)

[۷] یہ کمیٹی بیگم صاحبہ بھوپال کی لاہور تشریف آوری پر ایڈریس پیش کرنے کے لیے بنائی گئی تھی۔ جس کے چیئرمین میاں محمد شفیع اور سکرٹری میاں فضل حسین تھے۔

رکن کالج کمیٹی	۲۰ر جون ۱۹۱۵ء	زیر صدارت شمس العلمار مولوی عبدالحکیم [۱]	
رکن جنرل کونسل (گریجوایٹ)	۳۰ر جنوری ۱۹۱۶ء	ایضاً [۲]	
رکن سب کمیٹی سالانہ اجلاس	۳۰ر جنوری ۱۹۱۶ء	ایضاً [۳]	
رکن امپیریل کونسل	۷ر مئی ۱۹۱۶ء	زیر صدارت نواب ذوالفقار علی خاں [۴]	
رکن جنرل کونسل (گریجوایٹ)	۱۷ر ستمبر ۱۹۱۶ء	زیر صدارت شمس العلمار مولوی محمد عبدالحکیم [۵]	
رکن سب کمیٹی دینی مدرسہ	۱۱ر نومبر ۱۹۱۷ء	زیر صدارت مولوی محبوب عالم [۶]	
رکن سب کمیٹی ایجوکیشنل کانفرنس	۲۴ر جولائی ۱۹۱۹ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین، نائب صدر انجمن [۷]	

---

[۱] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ر اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء

[۲] ایضاً

[۳] سب کمیٹی کے دوسرے ارکان میں نواب ذوالفقار علی خاں، میاں محمد شفیع، حاجی شمس الدین، مولوی احمد دین، میاں فضل حسین، شیخ عبدالقادر، شیخ خیرالدین، منشی قادربخش، خواجہ دل محمد، مولوی محبوب عالم اور چوہدری شہاب الدین قابل ذکر ہیں۔

[۴] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ر اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء۔ حکومت پنجاب نے ۲۸ر اپریل ۱۹۱۶ء کو انجمن کو ایک چٹھی ارسال کی جس میں خواہش ظاہر کی کہ انجمن حسب معمول تین ایسے مسلمانوں کے نام تجویز کرے جو انجمن کی رائے میں مسلمانانِ پنجاب کے نمائندوں کی حیثیت میں امپیریل لیجسلیٹو کونسل کی ممبری کے اہل ہوں۔ اجلاس میں تین نام منظور ہوئے جن میں سر میاں محمد شفیع، نواب ذوالفقار علی خاں اور علامہ اقبال قابل ذکر ہیں۔

[۵] قلمی روداد جنرل کونسل ۵ر اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء

[۶] لاہور میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک اسلامی اور دینی مدرسہ قائم کرنے اور ایک سکیم مکمل طور پر پیش کرنے کے لیے ایک آٹھ رکنی سب کمیٹی مقرر کی گئی۔ باقی سات ارکان یہ تھے:- مولوی احمد دین، مولوی فضل الدین، شمس العلمار مولوی عبدالحکیم، مولوی ثناء اللہ امرتسری، مولوی محبوب عالم، مولوی احمد بابا، حاجی شمس الدین۔

(قلمی روداد جنرل کونسل ۵ر اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء)

[۷] مسلمانانِ پنجاب کے تعلیمی مسائل پر غور کرنے اور ان پر عملدرآمد کروانے کے لیے اکیس [۲۱] رکنی سب کمیٹی بنائی گئی جس کے سکرٹری خلیفہ شجاع الدین اور جائنٹ سکرٹری میاں بشیر احمد مقرر ہوئے۔

(بحوالہ مذکورہ بالا)

رکن امپیریل کونسل	۱۰ اگست ۱۹۱۹ء	زیرِ صدارت شیخ علی محمد [1]
تقرر سکرٹری جنرل انجمن	۴ دسمبر ۱۹۱۹ء	زیرِ صدارت نواب ذوالفقار علی خان [2]
شکریہ بسلسلہ وکالت مقدمۂ انجمن	۱۱ جنوری ۱۹۲۰ء	زیرِ صدارت مولوی فضل الدین، نائب صدر انجمن [3]
تقرر سکرٹری جنرل انجمن	۳۱ مارچ ۱۹۲۰ء	زیرِ صدارت نواب ذوالفقار علی خان [4]
رکن مدارس کمیٹی	۱۹ فروری ۱۹۲۲ء	زیرِ صدارت مولوی محمد فضل الدین نائب صدر انجمن [5]

---

[1] حکومتِ پنجاب نے ۲ اگست ۱۹۱۹ء کو حسبِ سابق انجمن سے تین ایسے مسلمان زعما کے نام پیش کرنے کے لیے لکھا تھا جو انجمن کی رائے میں مسلمانانِ پنجاب کی — امپیریل لیجسلیٹو کونسل — میں بحیثیت ممبر نمایندگی کے اہل ہوں۔ ممبرانِ کونسل نے علامہ اقبال، مولوی انشاء اللہ خان، میاں فضل حسین، ملک عمر حیات خان اور میاں حق نواز کے نام تجویز کیے۔ لیکن مندرجہ ذیل کثرتِ رائے سے منتخب ہوئے اور حکومت کو ان تینوں کے نام بھیجے گئے۔ علامہ اقبال، مولوی انشاء اللہ خان اور میاں فضل حسین۔ (قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء)

[2] ۴ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ہمدردانِ قوم کا ایک اجلاس نواب ذوالفقار علی خان کی کوٹھی پر منعقد ہوا، جس میں انجمن کی ناگفتہ بہ حالت پر غور کیا گیا۔ اجلاس میں علامہ اقبال کو سکرٹری مقرر کیا گیا اور شیخ عبدالعزیز کو سبکدوش کیا گیا۔ پھر ایک وفد شیخ صاحب کے مکان پر گیا اور ان سے استعفےٰ لے لیا۔ (روزنامہ پیسہ اخبار ۷ دسمبر ۱۹۱۹ء، صفحہ ۲)

[3] علامہ اقبال اور میاں فضل حسین نے گوجرانوالہ وقف کے سلسلے میں انجمن کے مقدمے کی پیروی کی۔ ۲۳ دسمبر ۱۹۱۹ء کو پیشی تھی۔ اپیلانٹ کی طرف سے ڈاکٹر گوکل چند نارنگ پیروکار تھے۔ اپیل خارج ہوگئی اور ثلث جائیداد کی ڈگری انجمن کے حق میں بحال رہی۔ (قلمی روداد جنرل کونسل ۵ اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴ دسمبر ۱۹۲۱ء)

[4] مسلمانانِ لاہور کے جلسۂ عام منعقدہ ۲۹ مارچ ۱۹۲۰ء میں مولانا ظفر علی خان کے دو ریزولیوشن منظور کیے گئے تھے جو انجمن کے عہدیداران کے انتخاب جدید کے سلسلہ میں تھے۔ چنانچہ جنرل کونسل نے اپنے اجلاس میں نواب ذوالفقار علی خان کو صدر، علامہ اقبال اور حاجی شمس الدین کو سکرٹری اور میاں فضل حسین کو صدر مجلس انتظامیہ اسلامیہ کالج منتخب کیا۔

(بحوالہ مذکورہ بالا)

[5] یہ کمیٹی انجمن کے زیرِ اہتمام چلنے والے ابتدائی مدارس کے اخراجات، سرکاری گرانٹ اور نئے مدارس کھولنے اور اس مسئلہ پر غور کرنے کے لیے مقرر کی گئی۔ اس کے سات رکن تھے جن میں علامہ اقبال کے علاوہ خواجہ دل محمد، مولوی احمد دین، شیخ نیاز علی، مولوی انشاء اللہ خاں، مولوی عبدالحق اور ڈاکٹر محمد دین شامل تھے۔

(قلمی روداد جنرل کونسل ۲۰ جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ جولائی ۱۹۲۴ء)

استعفےٰ سکرٹری شپ	۳۱ر جولائی ۱۹۲۲ء	زیر صدارت شیخ عبدالقادر بی ۔ اے ۱ے
رکن جنرل کونسل	۱۴ر اکتوبر ۱۹۲۲ء	زیر صدارت مولوی محمد فضل الدین ۲ے
"سر" کا خطاب ملنے پر مبارکباد	۷ر جنوری ۱۹۲۳ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین ۳ے
رکن جنرل کونسل	۲۰ر فروری ۱۹۲۳ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین ۴ے
رکن جنرل کونسل	۲ر جون ۱۹۲۳ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین ۵ے
رکن کالج کمیٹی و جلسہ کمیٹی	۲۳ر جولائی ۱۹۲۳ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین ۶ے
جنرل سکرٹری شپ سے استعفیٰ و انتخاب صدرِ انجمن	۱۹ر مئی ۱۹۲۴ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین ۷ے

۱ے علامہ اقبال نے بوجہ علالت سکرٹری شپ سے استعفےٰ دے دیا تھا۔ چنانچہ دوسرے سکرٹری نے آپ کا استعفےٰ جنرل کونسل میں پیش کیا اور بتایا کہ اس کے موصول ہونے پر مولوی احمد دین، شیخ گلاب دین، سید محمد شاہ اور سکرٹری مذکور علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ حسب قرارداد جنرل کونسل علامہ موصوف انجمن کے ساتھ اپنا تعلق ضرور رکھیں اور مہربانی فرما کر استعفےٰ واپس لے لیں۔ علامہ نے نیم رضامندی کا اظہار فرمایا۔ کونسل نے علامہ اقبال کے شکریے کی قرارداد پیش کرتے ہوئے طے کیا کہ مزید اطمینان کے لیے علامہ اقبال کونسل کے بیان کی توثیق فرمائیں۔
(قلمی روداد جنرل کونسل ۲۰ر جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء و رسالہ انجمن اگست ۱۹۲۲ء، صفحہ ۴۰)

۲ے حوالہ مذکورہ بالا۔

۳ے یکم جنوری ۱۹۲۳ء کو علامہ اقبال کو "سر" کا خطاب دیا گیا۔ جنرل کونسل نے اپنے اس اجلاس میں علامہ اقبال کی علمی صلاحیتوں کو سراہا اور سرکارِ عالیہ سے "سر" کا خطاب ملنے پر مبارک باد کی قرارداد منظور کی۔ (بحوالہ مذکور)

۴ے قلمی روداد جنرل کونسل ۲۰ر جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء

۵ے بحوالہ مذکورہ بالا۔ علامہ اقبال کے علاوہ دوسرے مقامی ارکان جنرل کونسل میں میاں عبدالرشید (۲۵)، ملک فیروز خان نون (۲۲)، منشی محمد ابراہیم (۱۹) اور سید افضال حسین (۱۸) شامل تھے۔ یہ انتخاب بذریعہ ووٹ عمل میں آیا۔ علامہ اقبال نے ۲۱ ووٹ حاصل کیے۔

۶ے قلمی روداد جنرل کونسل ۲۰ر جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲ر جولائی ۱۹۲۴ء ۔ ان کمیٹیوں کے دیگر ارکان میں سید مراتب علی شاہ، مولوی احمد دین، شیخ عظیم اللہ اور حاجی شمس الدین شامل تھے۔

۷ے جنرل کونسل (اجلاس منعقدہ ۶ر جنوری ۱۹۲۴ء) کی قرارداد کے مطابق ایک وفد علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا اور درخواست کی کہ استعفےٰ واپس لے لیں لیکن علامہ اقبال نے وفد کی معروضات منظور نہ کیں اور اپنے استعفےٰ پر مُصر رہے۔ ۱۹ر مئی کے اجلاس میں ملک برکت علی نے کہا کہ علامہ اقبال کا سکرٹری شپ سے استعفےٰ منظور کیا جائے مگر چونکہ ان کا تعلق کسی نہ کسی صورت میں قائم رہنا ان کی قابلیتوں اور احترام کی وجہ سے انجمن کے حق میں مفید ہے۔ چونکہ کونسل اور پبلک کی نگاہ میں ان کا صدر ہونا بہ نسبت سکرٹری رہنے کے بہت ہی مفید ہوگا۔ لہٰذا ان کو انجمن کا صدر قرار دیا جائے۔ چنانچہ علامہ اقبال کثرت رائے سے انجمن کے صدر مقرر کیے گئے۔ اس تقرر کی ۸ر جون ۱۹۲۴ء کے جنرل کونسل کے اجلاس میں توثیق کی گئی۔ (بحوالہ مذکور)

صدارت سے استعفیٰ	۲۸ ر جون ۱۹۲۴ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین [1]
رکن جنرل کونسل	۶ ر مئی ۱۹۲۵ء	زیر صدارت مولوی فضل الدین [2]
رکن کالج کمیٹی	۶ ر نومبر ۱۹۲۶ء	زیر صدارت خان بہادر شیخ انعام علی [3]
رکن سب کمیٹی مطبع و اشاعت قرآن وغیرہ	۲ ر جنوری ۱۹۲۷ء	زیر صدارت خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع [4]
رکن سب کمیٹی سالانہ جلسہ	۳۰ ر مارچ ۱۹۲۷ء	زیر صدارت خان بہادر شیخ انعام علی نائب صدر انجمن [5]
رکن کالج کمیٹی	۱۹ ر جون ۱۹۲۷ء	زیر صدارت سر میاں محمد شفیع [6]
رکن کالج کمیٹی (دوبارہ)	۳ ر جولائی ۱۹۲۷ء	زیر صدارت شیخ انعام علی [7]
رکن کالج کمیٹی	۶ ر نومبر ۱۹۲۷ء	زیر صدارت سر میاں محمد شفیع [8]

---

[1] ۱۹ ر مئی کو علامہ اقبال انجمن کے صدر مقرر کیے گئے اور اس تقرر کی آپ کو اطلاع دی گئی لیکن آپ نے بوجوہ یہ عہدہ قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ کثرت رائے سے قرار پایا کہ جو وفد پہلے علامہ اقبال کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ وہی وفد دوبارہ حاضر ہو کر درخواست کرے کہ وہ اپنے استعفیٰ کو واپس لے لیں (بحوالہ مذکورہ بالا) علامہ اقبال نے اپنے مستعفی ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے سید سلیمان ندوی کو لکھا کہ "کونسل میں اختلاف ہے اور عام حالت انجمن کی اچھی نہیں ہے۔ بعض ارکان ذاتی اغراض سے اس میں داخل ہیں اور ان کے نزدیک انجمن ان اغراض کے حصول کا ذریعہ ہے اور بس۔"

(اقبالنامہ حصہ اول، صفحہ ۱۳۷)

[2] علامہ اقبال جنرل کونسل کے رکن مقرر ہوئے۔ یہ انتخاب بذریعہ ووٹ عمل میں آیا سب سے زیادہ ووٹ خان بہادر سید محمد کاظم (۲۷) اور صرف پانچ ووٹ علامہ اقبال نے حاصل کیے۔

(قلمی روداد جنرل کونسل ۲۰ ر جولائی ۱۹۲۴ء تا ۱۹ ر ستمبر ۱۹۲۶ء)

[3] قلمی روداد جنرل کونسل ۳ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ ر دسمبر ۱۹۲۸ء

[4] قیام مطبع اور قرآن مجید کی صحیح طباعت کے انتظام، صنعت و حرفت کی تعلیم کے اجرا کے سلسلے میں ایک چودہ رکنی سب کمیٹی بنائی گئی جس کے ایک رکن علامہ اقبال مقرر ہوئے۔ اسی طرح ٹیکنیکل تعلیم کی ترویج و ترقی کے لیے اٹھارہ ارکان پر مشتمل ایک سب کمیٹی تشکیل کی گئی اور علامہ اقبال اس کے ایک رکن منتخب ہوئے۔

(قلمی روداد جنرل کونسل ۳ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ ر دسمبر ۱۹۲۸ء)

[5] سالانہ جلسے کے انتظام و انصرام کے لیے سولہ ارکان پر مشتمل ایک سب کمیٹی بنائی گئی۔

(قلمی روداد جنرل کونسل ۳ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ ر دسمبر ۱۹۲۸ء)

[6] قلمی روداد ۳ ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

[7] ایضاً

[8] ایضاً

رکن سب کمیٹی تعلیم	۴ ر مارچ ۱۹۲۸ء	زیرِ صدارت شیخ امیر علی ۱؎
رکن کالج کمیٹی	۹ ر دسمبر ۱۹۲۸ء	زیرِ صدارت شیخ امیر علی ۲؎
رکن کالج کمیٹی	۲ ر جون ۱۹۲۹ء	زیرِ صدارت خان بہادر شیخ امیر علی ۳؎
رکن وفد بسلسلہ گرانٹ	۱۴ ر جولائی ۱۹۲۹ء	زیرِ صدارت مولوی فضل الدین ۴؎
رکن جنرل کونسل	۱۹ ر جنوری ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت سر میاں محمد شفیع ۵؎
رکن وفد بسلسلہ عطیہ ریاست بہاولپور	۱۹ ر جنوری ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت سر میاں محمد شفیع ۶؎
	یکم مارچ ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت سردار حبیب اللہ خان بار ایٹ لاء
رکن کالج کمیٹی	۲۳ ر مارچ ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت سر میاں محمد شفیع ۷؎
رکن جنرل کونسل و کالج کمیٹی	۷ ر ستمبر ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت مولوی فضل الدین ۸؎
رکن نصاب کمیٹی	۹ ر نومبر ۱۹۳۰ء	زیرِ صدارت میر عزیز الدین ۹؎

۱؎ یہ کمیٹی مسلمانوں کی تعلیمی ضروریات اور شکایات کا جائزہ لینے کے مقرر کی گئی تھی۔ اس کے سترہ ارکان تھے۔
(بحوالہ مذکور)

۲؎ قلمی روداد جنرل کونسل ۳ر اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲ر اکتوبر ۱۹۲۸ء

۳؎ قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

۴؎ یتیم خانے کے لیے گورنمنٹ سے مستقل گرانٹ حاصل کرنے کی غرض سے گیارہ افراد پر مشتمل ایک وفد مقرر کیا گیا جس کے ایک رکن علامہ اقبال تھے۔ اس وفد کا کام وزیر لوکل سیلف گورنمنٹ سے مل کر گفت و شنید کرنا تھا۔
(بحوالہ مذکورہ بالا)

۵؎ قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

۶؎ عطیہ ریاست بہاولپور کی ایزادی کے لیے چار افراد پر مشتمل ایک وفد مقرر کیا گیا جس کا کام نواب صاحب بہاولپور سے ملاقات کر کے عطیے کی ایزادی کے سلسلے میں بات چیت کرنا تھا۔ اس وفد میں خان بہادر سردار حبیب اللہ خان، خان بہادر شیخ امیر علی اور حاجی شمس الدین شامل تھے۔ (بحوالہ مذکور)

۷؎ حمایت اسلام، ۱۳ر اپریل ۱۹۳۰ء، صفحہ ۷

۸؎ قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء

۹؎ اشاعتِ اسلام کے سلسلے میں انجمن نے جو مدرسہ تدریب المبلغین قائم کر رکھا تھا، اس کے طلبہ زیادہ تر میٹرک پاس تھے اور نصاب کی بعض کتب ان کی استعداد سے بالاتر تھیں۔ نصاب میں رد و بدل کرنے کے لیے پانچ ارکان پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی گئی جس میں مولوی اصغر علی، شیخ عظیم اللہ، ایوب احمد مخدومی اور پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی شامل تھے۔
(قلمی روداد جنرل کونسل ۶ر جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶ر دسمبر ۱۹۳۰ء)

رکن جنرل کونسل	۱۸؍جنوری ۱۹۳۱ء	زیرِ صدارت خان بہادر شیخ امیر علی [۱]
رکن ڈیپوٹیشن بسلسلہ عطیہ حیدرآباد دکن	۱۸؍جنوری ۱۹۳۱ء	زیرِ صدارت خان بہادر شیخ امیر علی [۲]
قرار دادِ تعزیت	۳۰؍مئی ۱۹۳۵ء	زیرِ صدارت ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین [۳]
تقرر صدر جنرل کونسل	۲۱؍جولائی ۱۹۳۵ء	زیرِ صدارت شیخ امیر علی بی۔اے [۴]
رکن شریعت بل کمیٹی	۷؍جون ۱۹۳۶ء	زیرِ صدارت خان محمد سعادت علی خان [۵]
رکن نصاب کمیٹی مدرسہ حمیدیہ	۲؍اگست ۱۹۳۶ء	زیرِ صدارت شیخ علی بخش [۶]
رکن جنرل کونسل	۲؍اگست ۱۹۳۶ء	زیرِ صدارت شیخ علی بخش

۱؎ قلمی روداد جنرل کونسل ۱۸؍جنوری ۱۹۳۱ء تا ۲۸؍اگست ۱۹۳۲ء

۲؎ ۷؍ستمبر ۱۹۳۰ء کو جنرل کونسل نے عطیہ کے سلسلے میں ایک وفد حیدرآباد دکن بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا جس کے ایک رکن علامہ اقبال تھے۔ چونکہ سر اکبر حیدری انگلستان میں مقیم تھے اس لیے علامہ اقبال نے انجمن کو لکھا کہ فی الوقت حیدرآباد جانا مناسب نہیں لہٰذا ان کی واپسی تک سلسلۂ جنبانی ملتوی رکھا جائے۔ (بحوالہ مذکورہ بالا)

۳؎ ۲۳ مئی ۱۹۳۵ء کو علامہ اقبال کی بیگم (والدہ جاوید اقبال) نے انتقال کیا تو ۳۰ مئی کو انجمن کی جنرل کونسل نے اپنے اجلاس میں قرار دادِ تعزیت منظور کی، مرحومہ کے لیے دعائے مغفرت کی اور پسماندگان سے اظہارِ ہمدردی کیا۔
(قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸؍اپریل ۱۹۳۷ء)

۴؎ فنانس سکرٹری کی تحریک پر علامہ اقبال کونسل کے صدر اور میاں عبدالرشید نائب صدر منتخب کیے گئے۔ (بحوالہ مذکور)
۳؍نومبر ۱۹۳۵ء کو جنرل کونسل کا اجلاس منعقد ہوا جس میں شیخ عظیم اللہ، آنریری جنرل سکرٹری نے آپ کا استعفیٰ پیش کرتے ہوئے کہا کہ "صدر انجمن نے استعفیٰ اپنی علالت کی وجہ سے دیا تھا لیکن خدا کے فضل سے اب ان کی صحت پہلے سے بہت بہتر ہے۔ میں نے ان کی خدمت میں گزارش کی تھی کہ وہ انجمن کی سرپرستی کو قبول فرمائیں۔ بہت شکریہ کا مقام ہے کہ صاحب صدر نے میری اس درخواست کو قبول فرمالیا ہے۔" (حمایت اسلام ۱۴؍نومبر ۱۹۳۵ء، صفحہ ۷)

۵؎ ہوم سکرٹری حکومت پنجاب نے غور و خوض اور رپورٹ کے لیے شریعت بل انجمن کو بھیجا۔ اس سلسلے میں انجمن کی جنرل کونسل نے پانچ افراد پر مشتمل ایک کمیٹی بنائی جس میں مولانا احمد علی، شیخ اکبر علی، مولانا غلام مرشد، میاں عبدالمجید اور علامہ اقبال شامل تھے۔ (قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸؍اپریل ۱۹۳۷ء)

۶؎ اجلاس کونسل میں جامعہ نسوانیہ حمیدیہ کے لیے نصاب مقرر کرنے کے لیے ایک پانچ رکنی کمیٹی مقرر کی گئی جس کے صدر مولانا احمد علی، سکرٹری خلیفہ شجاع الدین اور ارکان علامہ اقبال، چودھری محمد حسین اور سید محمد علی جعفری قرار پائے۔
(قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸؍اپریل ۱۹۳۷ء)

رکن وفد برائے ریاست بہاولپور	۶ ستمبر ۱۹۳۶ء	زیر صدارت شیخ علی بخش [1]
رکن سپیشل کونسل زنانہ حمیدیہ یونیورسٹی	یکم نومبر ۱۹۳۶ء	زیر صدارت نواب محمد شاہنواز [2]
انتخاب صدر انجمن	۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء	زیر صدارت شیخ علی بخش [3]
صدارت انجمن سے سبکدوشی	۲۵ جولائی ۱۹۳۷ء	زیر صدارت حاجی رحیم بخش [4]

علامہ اقبال نے بحیثیت انسپکٹر اسلامیہ کالج خلیفہ عماد الدین کی جگہ عارضی طور پر خدمات انجام دیں جو رخصت پر چلے گئے تھے۔ آپ کا تقرر ۲۸ مارچ ۱۹۰۰ء کو دو ماہ کے لیے عمل میں آیا تھا لیکن خلیفہ صاحب نے ۱۸ جولائی ۱۹۰۰ء کو اپنے عہدے کا چارج لے کر علامہ اقبال کو سبکدوش کیا۔ یکم دسمبر ۱۹۰۱ء کو جنرل کمیٹی کا ایک اجلاس خواجہ ضیاء الدین کی صدارت میں منعقد ہوا جس میں عہدیداران کا انتخاب ووٹوں کے ذریعے عمل میں آیا۔ علامہ اقبال نے "انسپکٹر اسلامیہ کالج" کے عہدے کے لیے انتخاب لڑا، آپ کے مدِ مقابل منشی احمد الدین بی اے تھے۔ انتخاب کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

اس سب کمیٹی کی رپورٹ جو ۳ نومبر کے اجلاس نے پرچہ ہائے ووٹ درباب انتخاب عہدہ داران

---

[1] نواب صاحب بہاولپور کی خدمت میں عرضداشت پیش کرنے کے لیے سات ارکان پر مشتمل ایک وفد مقرر کیا گیا دیگر ارکان کے نام یہ تھے۔ نواب سر عمر حیات خاں، خان بہادر ملک زماں مہدی، خان بہادر نواب احمد یار خان دولتانہ، خان سعادت علی خاں سکرٹری انجمن اسلامیہ، ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین۔ (بحوالہ مذکور)

[2] ۶ ستمبر ۱۹۳۶ء کو زنانہ حمیدیہ یونیورسٹی کے لیے ایک سپیشل کونسل کے قیام کا فیصلہ ہوا تھا۔ یکم نومبر کو سات افراد کے نام برائے انتخاب پیش ہوئے جن میں سب سے زیادہ ووٹ حاصل کرنے والوں کو منتخب کیا گیا جن کے نام یہ تھے۔ ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین، شیخ عظیم اللہ، علامہ عبداللہ یوسف علی، خان صاحب شیخ عبدالعزیز، خان بہادر چوہدری شہاب الدین، اور نواب محمد شاہنواز خان ممدوٹ۔ (بحوالہ مذکور)

[3] قلمی روداد جنرل کونسل یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸ اپریل ۱۹۳۷ء

[4] علامہ اقبال نے اپنی مسلسل علالت کے باعث صدارت سے استعفیٰ دے دیا۔ اجلاس میں آپ کی قابل قدر خدمات کا اعتراف کیا گیا اور نہایت افسوس کے ساتھ استعفےٰ منظور کیا گیا۔ نیز قرار پایا کہ ریزولیوشن کی نقل علامہ اقبال کی خدمت میں روانہ کی جائے اور ان سے استدعا کی جائے کہ جیسا کہ انہوں نے نہایت مہربانی سے وفد کے حضرات کو مطلع فرمایا تھا کہ انجمن کو حسب سابق اپنے گراں مایہ مشوروں اور امداد سے مستفید فرماتے رہیں گے، اس امر کی تصدیق فرما دیں۔ (بحوالہ مذکور)

انجمن کے ہونے کے واسطے مقرر کی تھی، پیش ہوئی جس سے معلوم ہوا کہ من جملہ ۲۷۵ پرچوں کے صرف ۱۴۱ پرچے واپس آئے ہیں۔ ان میں سے ۵۴ صاحبوں نے تو مجلس منتظمہ کی سفارش کو منظور کیا ہے اور ۸۷ نے بعض بعض عہدوں کی نسبت اختلاف رائے کیا ہے۔ مگر بایں ہمہ کثرت رائے انہی ناموں کے حق میں ہے جن کے حق میں سفارش کی گئی۔

مجوزہ عہدہ داروں کے نام معہ تعداد ووٹ درج ذیل ہیں۔[۱]

عہدہ	نام	امیدوار جن کیلئے مجلس منتظمہ سفارش کرتی ہے	رائے (ووٹ)
۱۔ صدر انجمن	مولوی مفتی محمد عبداللہ ٹونکی	مولوی محمد عبداللہ	۱۳۷
	مرزا محمد عبدالرحیم		۴
۲۔ جنرل سکرٹری	حاجی شمس الدین	حاجی شمس الدین	۱۴۰
	شیخ عبدالقادر		۱
۳۔ فنانس سکرٹری	منشی نظام الدین	منشی نظام الدین	۱۲۸
	منشی غلام محی الدین		۷
	خلیفہ محمد امین		۶
۴۔ ایڈیٹر رسالہ	ماسٹر احمد بابا	ماسٹر احمد بابا	۹۸
	منشی محبوب عالم		۱۹
	حاجی شمس الدین		۹
	مولوی عبدالعزیز		۸
	مولوی کرم بخش		۷
۵۔ انسپکٹر اسلامیہ کالج	منشی احمد دین بی۔ اے		۱۱۱
	شیخ محمد اقبال صاحب ایم۔ اے		۳۰

---

[۱] قلمی روداد مینجنگ کمیٹی ۲۴ جون ۱۹۰۰ء تا ۱۷ مئی ۱۹۰۳ء

۵

جنرل کونسل کے وہ اجلاس جنمیں اقبال نے شرکت فرمائی

۲ / مئی ۱۹۰۰ء	زیر صدارت خلیفہ عماد الدین	
۶ / مئی ۱۹۰۰ء	〃	مولوی محمد عبداللہ ٹونکی
۱۵ / دسمبر ۱۹۰۱ء	〃	مرزا محمد ابراہیم، نائب صدر انجمن
۱۵ / فروری ۱۹۰۲ء	〃	منشی احمد الدین بی۔ اے۔ پلیڈر
۱۱ / مئی ۱۹۰۲ء	〃	مولوی محمد عبداللہ ٹونکی
۱۸ / اکتوبر ۱۹۰۳ء	〃	مولوی محمد عبداللہ ٹونکی
۱۳ / نومبر ۱۹۰۴ء	〃	مرزا محمد عبدالرحیم
۸ / جنوری ۱۹۰۵ء	〃	مرزا محمد عبدالرحیم
۲۶ / فروری ۱۹۰۵ء	〃	ڈاکٹر عبدالغنی بی۔ اے، پرنسپل اسلامیہ کالج
۱۶ / مارچ ۱۹۰۵ء	〃	خان بہادر شیخ اللہ بخش
۲۸ / مئی ۱۹۰۵ء	〃	شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی
۲۴ / جنوری ۱۹۰۹ء	〃	میاں نظام الدین نائب صدر انجمن ورئیس اعظم لاہور
۲۰ / فروری ۱۹۱۰ء	〃	شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی
۲۹ / اپریل ۱۹۱۰ء	〃	نواب فتح علی خاں قزلباش، صدر انجمن
۱۱ / ستمبر ۱۹۱۰ء	〃	شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی
۲۵ / ستمبر ۱۹۱۰ء	〃	شمس العلماء مفتی محمد عبداللہ ٹونکی
۱۳ / اکتوبر ۱۹۱۰ء	〃	مولوی محبوب عالم، ایڈیٹر پیسہ اخبار
۲۲ / اکتوبر ۱۹۱۱ء	〃	میاں نظام الدین، نائب صدر انجمن
۱۲ / مئی ۱۹۱۲ء	〃	شمس العلماء مولوی عبدالحکیم

۱۹ر نومبر ۱۹۱۲ء زیرِ صدارت شیخ اصغر علی، بی۔اے، آئی۔سی۔ایس، ڈپٹی کمشنر

۱۵ر دسمبر ۱۹۱۲ء 〃 میاں نظام الدین

۲۲ر دسمبر ۱۹۱۲ء 〃 شیخ عمر بخش، بی۔اے، پلیڈر

۲ر مارچ ۱۹۱۳ء 〃 مولوی احمد الدین، بی۔اے، وکیل

۲۵ر مئی ۱۹۱۳ء 〃 خان بہادر نواب محمد علی خان قزلباش

۲۲ر فروری ۱۹۱۴ء 〃 حاجی نواب فتح علی خان قزلباش

۲۳ر مئی ۱۹۱۵ء 〃 شمس العلماء مولوی عبدالحکیم

۱۸ر اپریل ۱۹۲۰ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۱۶ر مئی ۱۹۲۰ء 〃 مولوی فضل الدین، نائب صدر انجمن

۲۶ر جون ۱۹۲۰ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۴ر جولائی ۱۹۲۰ء 〃 مولوی فضل الدین، نائب صدر انجمن

۱۸ر اکتوبر ۱۹۲۰ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۱۴ر نومبر ۱۹۲۰ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۵ر دسمبر ۱۹۲۰ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۲۳ر جنوری ۱۹۲۱ء 〃 نواب سر ذوالفقار علی خان، صدر انجمن

۱۷ر فروری ۱۹۲۱ء 〃 مولوی محمد انشاء اللہ خان

۹ر مارچ ۱۹۲۱ء 〃 خان بہادر شیخ امیر علی

۸ر مئی ۱۹۲۱ء 〃 مولوی محمد فضل الدین وکیل ہائیکورٹ و نائب صدر انجمن

۱۴ر اگست ۱۹۲۱ء 〃 مولوی محمد فضل الدین، نائب صدر انجمن

۲۵ر ستمبر ۱۹۲۱ء 〃 مولوی محمد فضل الدین، نائب صدر انجمن

۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء 〃 مولوی محمد فضل الدین، نائب صدر انجمن

یکم جولائی ۱۹۳۴ء 〃 شیخ گلاب الدین، ایڈووکیٹ

۲ر دسمبر ۱۹۳۴ء 〃 چودھری احمد خان

(۶)

اقبالؔ کے ہم عصر

(انجمن کے بانیان، عہدیداران، اراکین و دیگر اصحاب جو انجمن کے جلسوں میں شریک ہوتے رہے)

- قاضی خلیفہ محمد حمید الدین
- شمس العلما مولوی محمد عبداللہ ٹونکی
- نواب سر محمد ذوالفقار علی خان
- خان بہادر سر شیخ عبدالقادر
- مولوی غلام اللہ قصوری
- منشی پیر بخش
- مولوی کرم بخش
- خان صاحب شیخ عبدالعزیز
- شیخ عظیم اللہ
- خلیفہ عماد الدین
- حاجی منشی نظام الدین
- خان صاحب شیخ محمد حسن
- حاجی میر رحمت اللہ ہمایوں
- خان بہادر شیخ خدا بخش، ڈسٹرکٹ جج
- نواب حاجی سر فتح علی خاں قزلباش
- خان بہادر ڈاکٹر سر میاں محمد شفیع
- خان بہادر نواب مظفر خان [1]
- منشی چراغ الدین
- حاجی میر شمس الدین
- خان بہادر شیخ خیر الدین
- مولوی غلام محی الدین، ایڈووکیٹ
- منشی محمد حفیظ
- خلیفہ شجاع الدین
- خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحمٰن
- خان بہادر حاجی رحیم بخش
- حاجی منشی نظام الدین [2]

---

[1] پہلے آٹھ حضرات یکے بعد دیگرے انجمن کے صدر رہے۔

[2] نمبر ۹ تا ۲۶ انجمن کے آنریری جنرل سکرٹری و جائنٹ سکرٹری رہے۔

- منشی شمس الدین شائق
- منشی نجم الدین (بابائے انجمن)
- شہزادہ مرزا عبد الغنی ارشد گورگانی
- خان بہادر شیخ خیرالدین
- مولوی احمد دین وکیل
- سید امیر شاہ
- مولوی عبد اللہ
- مولوی محمد فضل الدین
- خان بہادر خلیفہ سید محمد حسن
- نواب صاحب بہاولپور
- نواب محمد حمید اللہ خان والیٔ بھوپال
- شیخ اصغر علی
- خواجہ عبد الصمد ککڑو
- حکیم محمد امین الدین
- خان احمد حسین خان بی۔اے
- نواب سراج الدین سائل دہلوی
- قاری شاہ سلیمان پھلواری
- مولانا ابو الکلام آزاد
- شمس العلماء مولانا الطاف حسین حالیؔ
- خواجہ دل محمد ایم۔اے
- نواب وقار الملک
- منشی محمد کاظم
- حاجی محبوب عالم
- خان بہادر شیخ خدا بخش
- خلیفہ محمد امین
- مولوی رحیم بخش
- ڈاکٹر محمد الدین [1]
- مولوی احمد بابا مخدومی
- مولانا غلام دستگیر قصوری
- مولوی اصغر علی روحیؔ
- نواب شاہجہاں بیگم والیٔ ریاست بھوپال
- خان بہادر شیخ امیر علی
- فقیر سید افتخار الدین
- شمس العلماء خان بہادر ڈاکٹر حافظ نذیر احمد دہلوی
- چودھری سلطان احمد بیرسٹر
- منشی میراں بخش، جلوہؔ
- قاضی محمد سلیمان پٹیالوی
- صاحبزادہ ظہور الحسن بٹالوی
- شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی
- نواب محسن الملک
- امیر حبیب اللہ خان
- سر سید احمد خان

---

[1] نمبر ۲۷ تا ۳۸، یہ حضرات بانیان انجمن میں تھے۔

- خواجہ دل محمد، ایم۔ اے
- ڈاکٹر ملک نذیر احمد
- مسٹر ایل۔ ولسن
- سید عبدالقادر
- مولوی ظفر اقبال
- سید محسن شاہ
- چوہدری شہاب الدین
- چوہدری محمد حسین
- خان بہادر شیخ امیر علی
- مولانا علم الدین سالک
- خان بہادر محمد برکت علی خان
- جسٹس میاں محمد شاہ دین ہمایوں
- خواجہ ضیاء الدین
- مرزا جلال الدین بیرسٹر
- مسز سروجنی نائیڈو
- سر سکندر حیات خان
- مولانا عبدالحامد بدایونی
- میاں بشیر احمد بی اے بیرسٹر
- خان بہادر میاں عبدالعزیز
- مولانا ثناء اللہ امرتسری
- سید محمد علی جعفری
- مولانا احمد علی
- مولوی حاکم علی بی اے
- امیر حبیب اللہ خان
- مسٹر ہنری مارٹن
- علامہ عبداللہ یوسف علی
- شیخ غلام حسین، پروفیسر اکنامکس
- میاں امیر الدین
- میاں نظام الدین
- سید محبوب شاہ
- محمد الدین فوق
- مولانا ظفر علی خان
- خان بہادر محمد سعادت علی خان
- ڈاکٹر عبدالغنی
- میاں امین الدین
- شمس العلماء مولوی سید ممتاز علی
- نواب حبیب الرحمٰن خان شروانی
- میر غلام بھیک نیرنگ
- نواب محمد شاہنواز خاں
- پروفیسر محمد اکبر منیر
- چودھری خوشی محمد ناظر
- نواب نثار علی خاں قزلباش
- مولانا عبدالحق
- مولانا عبدالسلام ندوی
- شیخ گلاب دین
- چودھری سردار خاں

- میر عبدالواحد، بی۔اے
- حکیم شہباز الدین
- مولوی فضل الدین پلیڈر
- خواجہ تصدق حسین بی۔اے
- شیخ عمر بخش پلیڈر
- خواجہ کمال الدین بی اے پلیڈر
- سیّد طفیل احمد منگلوری
- مولانا عبدالماجد دریابادی
- سردار حبیب اللہ بیرسٹر
- ملک برکت علی ایم۔اے، ایل۔ایل۔بی
- قاضی فضل حق، ایم۔اے
- چودھری محمد علی اکاؤنٹنٹ جنرل پنجاب
- پروفیسر غلام محمد طور
- سر عبدالرحیم بارایٹ لاء
- شیخ محمد یوسف ایڈیٹر رسالہ نور
- مولوی کرم بخش، مالک مطبع اسلامیہ لاہور
- حکیم محمد حسن قرشی، شفاء الملک
- سر میگور تھہینگ گورنر پنجاب
- مسٹر کراس انسپکٹر آف سکولز لاہور
- مسٹر براؤن، پرنسپل میو آرٹ کالج لاہور
- جسٹس پی۔سی چیٹرجی، جج چیف کورٹ
- سیّد مبشر الطرازی
- مولانا غلام مرشد
- مولوی انشاء اللہ خان
- خلیفہ سعید الدین
- حکیم غلام نبی زبدۃ الحکماء
- میاں فضل حسین
- شیخ غلام حیدر بی۔اے
- خان بشیر علی خان
- ساغر نظامی ایڈیٹر پیمانہ (علیگڑھ)
- ابوالاثر حفیظ جالندھری
- میجر الیگزنڈر رڈسن، بی۔اے (پرنسپل اسلامیہ کالج)
- خان بہادر مولوی خورشید احمد
- شیخ اکبر علی ارسطو بی۔اے۔ایل ایل بی
- خان بہادر جسٹس مرزا ظفر علی بی۔اے
- سید کاظم حسین پروفیسر انجینئرنگ کالج
- ڈاکٹر سیف الدین کچلو
- مولوی الف دین
- منشی عبدالسبحان
- سیّد ناظر حسین ناظم
- مسٹر ڈبلیو بیل سررشتہ تعلیم پنجاب
- مسٹر نولٹن انسپکٹر آف سکولز لاہور
- مسٹر رائٹ، پرنسپل سنٹرل ٹریننگ کالج
- علامہ ابوالنصر
- پروفیسر ہادی حسن
- خواجہ حسن نظامی

- مولانا سید سلیمان ندوی
- مولوی علی محمد
- محمد حیات خاں بی۔اے
- حاجی منشی محمد حفیظ
- میاں عبدالرشید
- ملک فیروز خان نون
- سید مراتب علی شاہ
- نواب سر عمر حیات خاں ٹوانہ
- خان بہادر نواب احمد یار خاں دولتانہ

- مولانا غلام قادر گرامی
- چودھری سردار خان
- شمس العلماء مولوی عبدالحکیم
- نواب سر خدا بخش
- منشی محمد ابراہیم
- سید افضال حسین
- پروفیسر محمد یوسف سلیم چشتی
- خان بہادر ملک زمان مہدی
- خطاطِ مشرق خلیفہ عبدالمجید پروین رقم (موجد طرز جدید)

(۷)

کتابیات

قلمی رودادیں

- قلمی روداد جنرل کمیٹی ۴؍ستمبر ۱۸۸۴ء تا ۱۵؍دسمبر ۱۹۰۱ء
- ——— ۲۴؍جون ۱۹۰۰ء تا ۱۷؍مئی ۱۹۰۳ء
- ——— ۲۸؍جون ۱۹۰۳ء تا ۲۴؍جون ۱۹۰۶ء
- ——— ۲؍دسمبر ۱۹۰۳ء تا ۶؍مارچ ۱۹۱۰ء
- ——— جنوری ۱۹۰۴ء
- ——— ۶؍مارچ ۱۹۱۰ء تا ۲۷؍اگست ۱۹۱۲ء
- ——— ۲۹؍ستمبر ۱۹۱۲ء تا ۲۲؍فروری ۱۹۱۴ء
- ——— ۵؍اپریل ۱۹۱۴ء تا ۴؍دسمبر ۱۹۲۱ء
- ——— یکم جولائی ۱۹۳۴ء تا ۲۸؍اپریل ۱۹۳۷ء
- قلمی روداد مجلس منتظمہ ۳؍مئی ۱۸۹۶ء تا ۱۶؍جون ۱۹۰۰ء
- ——— ۳۱؍جنوری ۱۹۰۹ء تا ۳؍اپریل ۱۹۱۰ء
- قلمی روداد جنرل کمیٹی ۲۰؍جنوری ۱۹۲۲ء تا ۱۲؍جولائی ۱۹۲۴ء
- ——— ۲۰؍جولائی ۱۹۲۴ء تا ۱۹؍ستمبر ۱۹۲۶ء
- ——— ۳؍اکتوبر ۱۹۲۶ء تا ۲۲؍دسمبر ۱۹۲۸ء
- ——— ۶؍جنوری ۱۹۲۹ء تا ۲۶؍دسمبر ۱۹۳۰ء
- ——— ۱۸؍جنوری ۱۹۳۱ء تا ۲۸؍اگست ۱۹۳۲ء

- قلمی روداد جنرل کمیٹی ۱۱ر نومبر ۱۹۳۲ء تا ۱۸ر جون ۱۹۳۴ء
- ——— یکم مئی ۱۹۳۷ء تا ۱۳ر اگست ۱۹۳۹ء

مطبوعہ رودادیں

- روداد پندرھواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۳ تا ۲۵ر فروری ۱۹۰۰ء
- روداد سولہواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۲ تا ۲۴ر فروری ۱۹۰۱ء
- روداد سترھواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ر فروری ۱۹۰۲ء
- روداد اٹھارہواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۷ تا ۲۸ر فروری ۱۹۰۳ء و یکم مارچ ۱۹۰۳ء
- روداد اُنیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ یکم تا ۳ر اپریل ۱۹۰۴ء
- روداد چوبیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۹ تا ۱۱ر اپریل ۱۹۰۹ء
- روداد ستائیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۶ر اپریل ۱۹۱۲ء
- روداد اٹھائیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۱ تا ۲۳ر مارچ ۱۹۱۳ء
- روداد پینتیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲ تا ۴ر اپریل ۱۹۲۰ء
- روداد بیالیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۶ر اپریل ۱۹۲۷ء
- روداد چھیالیسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۷ تا ۲۹ر دسمبر ۱۹۳۰ء
- روداد پنجاہ سالہ گولڈن جوبلی منعقدہ ۱۹۳۸ء
- روداد پچاسواں سالانہ جلسہ منعقدہ ۱۹ تا ۲۱ر اپریل ۱۹۳۵ء

کتابیں

- افضل، محمد رفیق (مرتب) : گفتارِ اقبال ۔ لاہور، ریسرچ سوسائٹی آف پاکستان پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء
- اقبال، ڈاکٹر سر محمد : بانگِ درا ۔ لاہور، غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء
- ——— : بلالؓ ۔ لاہور، مرغوب ایجنسی، ۱۹۱۶ء

○ اقبال، ڈاکٹر سر محمد : پیامِ مشرق ۔ لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء
○ ــــــــــــ : زبانِ حال یا اسلامیہ کالج کا خطاب مسلمانانِ پنجاب سے ۔ لاہور، مطبع صدیقی، ۱۹۰۲ء
○ ــــــــــــ : ضربِ کلیم ۔ لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۵ء
○ ــــــــــــ : مکاتیب بنام نیاز الدین ۔ لاہور، بزمِ اقبال، ۱۹۵۴ء
○ حارث، محمد انور (مرتب) : رختِ سفر ۔ کراچی، کتاب محل ۱۹۵۲ء
○ ذوالفقار، ڈاکٹر غلام حسین : تاریخ یونیورسٹی اور نٹیل کالج لاہور ۔ لاہور، پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۲ء
○ زورؔ، ڈاکٹر سید محی الدین قادری : شادِ اقبال ۔ حیدر آباد دکن، ادارہ ادبیات اُردو، ۱۹۴۲ء
○ شاہدؔ، محمد حنیف (مرتب) : نذرِ اقبال ۔ لاہور، بزمِ اقبال، ۱۹۷۲ء
○ ــــــــــــ : اقبال ۔ چودھری محمد حسین کی نظر میں ۔ لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز ۱۹۷۵ء
○ شکیلؔ، عبدالغفار (مرتب) : نوادرِ اقبال ۔ علی گڑھ، سر سید بک ڈپو، ۱۹۶۲ء
○ عبدالواحد، سید (مرتب) : باقیاتِ اقبال (مرتبہ سید عبدالواحد معینی و محمد عبداللہ قریشی) لاہور، آئینہ ادب،
○ عطاء اللہ شیخ (مرتب) : اقبالنامہ (حصہ اول) لاہور، شیخ محمد اشرف، ۱۹۵۵ء
○ فوقؔ، محمد الدین : رسالہ انجمن اسلامیہ پنجاب ۔ لاہور، انجمن اسلامیہ پنجاب، جولائی ۱۹۳۶ء تا جون ۱۹۳۷ء
○ قرآن مجید ۔ پارہ اول، سورہ بقر ۔ رکوع ۵، آیت ۴۵
○ محمد حیات خاں : مختصر تاریخ انجمن حمایت اسلام لاہور ۔ لاہور، انجمن حمایت اسلام، ۱۹۳۸ء
○ محمود نظامی (مرتب) : ملفوظاتِ اقبال ۔ لاہور، اشاعت منزل، ۱۹۴۹ء
○ مہرؔ، مولانا غلام رسول (مرتب) : سرودِ رفتہ ۔ لاہور، شیخ غلام علی اینڈ سنز، سن ندارد۔
○ وحید الدین، فقیر سید : روزگارِ فقیر (جلد اول) لاہور، لائن آرٹ پریس، ۱۹۶۴ء

اخبارات

- روزنامہ انقلاب ۷؍جولائی ۱۹۲۷ء
- ——— ۸؍اپریل ۱۹۲۸ء
- روزنامہ پیسہ اخبار ۷؍دسمبر ۱۹۱۹ء
- ——— ۱۶؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۲۰؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۲۶؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— یکم ستمبر ۱۹۲۷ء
- روزنامہ زمیندار ۶؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۸؍دسمبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۱۴؍جولائی ۱۹۲۳ء
- روزنامہ انقلاب ۴؍اپریل ۱۹۲۸ء
- ——— ۲۵؍جولائی ۱۹۳۷ء
- روزنامہ پیسہ اخبار ۲؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۱۹؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۲۲؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۱۱، ۱۲؍اپریل ۱۹۲۲ء
- ——— ۱۲؍جولائی ۱۹۳۴ء
- روزنامہ زمیندار ۸؍نومبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۱۲؍دسمبر ۱۹۲۰ء
- ——— ۶؍مارچ ۱۹۲۷ء

رسائل

- البلاغ ۵؍ستمبر ۱۹۳۶ء
- حمایتِ اسلام جنوری، فروری ۱۹۲۱ء
- ——— ۱۴؍اپریل ۱۹۲۹ء
- ——— ۱۷؍اکتوبر ۱۹۲۹ء
- ——— ۱۹؍جولائی ۱۹۳۴ء
- ——— ۲۱؍نومبر ۱۹۳۵ء
- ——— ۲۰؍فروری ۱۹۳۶ء
- ——— ۱۶؍اپریل ۱۹۳۶ء
- ——— یکم اکتوبر ۱۹۳۶ء
- حمایتِ اسلام فروری و مارچ ۱۹۰۵ء
- ——— ۱۹؍مارچ ۱۹۲۸ء
- ——— ۱۹؍مئی ۱۹۲۹ء
- ——— ۱۳؍اپریل ۱۹۳۰ء
- ——— ۱۴؍نومبر ۱۹۳۵ء
- ——— ۶؍فروری ۱۹۳۶ء
- ——— ۲؍اپریل ۱۹۳۶ء
- ——— ۱۶؍جولائی ۱۹۳۶ء
- ——— ۸؍نومبر ۱۹۳۷ء

- ○ حمایت اسلام ۱۶؍ دسمبر ۱۹۳۷ء
- ○ ——— ۲۶؍ فروری ۱۹۳۹ء
- ○ ——— ۷؍ ستمبر ۱۹۳۹ء
- ○ ——— ۲۴؍ مارچ ۱۹۶۷ء
- ○ ——— ۲۶؍ اپریل ۱۹۶۸ء
- ○ ——— ۲۴؍ اپریل ۱۹۷۰ء (انجمن نمبر)
- ○ ——— ۱۳؍ جون ۱۹۷۳ء
- ○ حمایت اسلام ۱۶؍ فروری ۱۹۳۹ء
- ○ ——— ۳۱؍ اگست ۱۹۳۹ء
- ○ ——— ۴؍ مئی ۱۹۵۶ء (ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین نمبر)
- ○ ——— ۱۶؍ اپریل ۱۹۶۸ء
- ○ ——— ۱۰؍ اپریل ۱۹۷۰ء (انجمن نمبر)
- ○ ——— ۳؍ جون ۱۹۷۳ء
- ○ مخزن ستمبر ۱۹۰۴ء

مُصنّف کی دیگر اہم تصانیف

اُردو

- میجر طفیل شہید نشان حیدر (۱۹۶۹ء)
- کیپٹن سرور شہید نشان حیدر (۱۹۷۲ء)
- نشان حیدر (۱۹۷۲ء)
- نذرِ اقبالؒ (۱۹۷۲ء)
- اقبالؒ، چودھری محمد حسین کی نظر میں (۱۹۷۵ء)
- علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ کے سیاسی نظریات (۱۹۷۶ء)
- پنجاب کی کہانی قائداعظمؒ کی زبانی (۱۹۷۶ء)
- قائداعظمؒ پر قاتلانہ حملہ (۱۹۷۶ء)

انگریزی

- Iqbal : the great Poet of Islam (1975)
- Tributes to Quaid-i-Azam (1976)
- Quaid-i-Azam Muhammad Ali Jinnah :
  Speeches, statements, writings, etc. (1976)

کتب خانہ انجمن حمایت اسلام لاہور

مطبوعات

۱۔ عکسی قرآن مجید معرا نیوز
۲۔ " " " قسم اول سفید
۳۔ " " " " قسم خاص امپیشن آرٹ پیپر
۴۔ عکسی حمائل شریف معرا نیوز
۵۔ " " " قسم اول سفید
۶۔ " " " قسم خاص
۷۔ عکسی قرآن مجید مترجم نیوز رنگین
ترجمہ شاہ رفیع الدین مرحوم
۸۔ " " " قسم اول سفید
۹۔ " " " قسم خاص
۱۰۔ نماز مترجم رنگین
۱۱۔ یازدہ سورہ مترجم رنگین
۱۲۔ یسرنا القرآن تلاوت قرآن
۱۳۔ انجمن کا قرآنی قاعدہ
۱۴۔ بحضور سرور کائنات
۱۵۔ سیرۃ النعمان
۱۶۔ ہادیٔ برحق
۱۷۔ دین و دولت
۱۸۔ قرآن اور ہماری بول چال
۱۹۔ اسلامی جنگیں اول تا سوم
۲۰۔ رسالہ دینیات اول تا سوم
۲۱۔ اسوۂ حسنہ اول تا سوم
۲۲۔ رسول اکرمؐ
۲۳۔ حضرت محمدؐ
۲۴۔ نبیوں کے قصے
۲۵۔ سید المرسلینؐ اول و دوم
۲۶۔ قصص ہند
۲۷۔ الغزالی
۲۸۔ سنین الاسلام
۲۹۔ تاریخ نظریۂ پاکستان
۳۰۔ شعر العجم اول تا پنجم

ملنے کا پتہ

کتب خانہ انجمن حمایت اسلام ۔ ریلوے روڈ ۔ لاہور